گونج

دریا میں اتنا تیز طوفان کئی سالوں کے بعد آیا تھا- دریائے کرشنا کی یہ روش نہیں تھی مگر اس بار سیاہ گھٹائیں جیسے صرف اسی پر برس رہی تھیں- یہ دریا اب کتنوں کو بہا لے جائے گا اور کتنی بستیاں برباد کر جائے گا اس کے بارے میں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا- جو اس کی زد میں تھے ان کے ہونٹوں پر بچاؤ کے لئے اپنے اپنے مذہب کے مخصوص کلمات تھے مگر دریا کافر و بے دین ہو چکا تھا- وہ کسی کی کچھ سننے کو تیار نہیں تھا- جو لٹ گئے سو لٹ گئے جو رہ گئے سو رہ گئے- کوئی بند اس کا راستہ نہیں روک رہا تھا- وہ تیز بہاؤ اور تند لہروں سے بہتا جا رہا تھا- گردابوں پہ گرداب تھے- کسی کا رعب اسے روکے تو کیوں روکے، وہ خود شوریدہ و سرکش ہو چکا تھا- وہ کئی سوہنیوں، کئی مہینوالوں، کئی ہیریوں اور کئی رانجھوں کی داستانوں کا مذاق اڑائے جا رہا تھا- ایسے میں کوئی کشتی بھی پار اترنے کو تیار نہیں تھی- بوڑھے ملاح بھی دریا کا سامنا کرنے سے گریزاں تھے اور کوئی شناور اس کی لہروں کا چیلنج قبول کرنے کو تیار نہیں تھا-

مگر ایک ڈوبتا ہوا نوجوان لہروں سے لڑتا، تنکوں کا سہارا لیتا بہتے دھاروں کے ساتھ بہتا جا رہا تھا- کنارے پر کھڑے کسی شخص نے اسے دیکھا بھی تو ان دیکھا کر دیا ہوگا کیونکہ کوئی بچانے والا دریا میں اس کو بچانے کے لئے اپنی جان گنوانے کا خطرہ نہیں لے رہا تھا- وہ تنہا تھا- اٹھتی لہریں اسے اٹھا لیتیں اور پھر کوئی دوسری لہر اسے اچک لیتی اور پٹخ کر ایک جانب گرا دیتی- یوں تھا کہ جیسے دریا صرف لہروں کی رزم گاہ بن کے رہ گیا ہو جس میں

وہ نوجوان ان کے لئے وجہ نزاع تھا۔ لیکن وہ نوجوان ابھی تک ڈوبنے کو تیار نہیں تھا اور پوری قوت سے ان لہروں کے زناٹوں کو شکست دیتا جارہا تھا- ایک جگہ دور اس کی نظر پڑی تو سہی مگر وہ ملاح سہمے ہوئے درختوں کے جھنڈ میں طوفان کے اترنے کے انتظار میں تھے- لہروں نے اس کی آواز تک نہ نکلنے دی اور اسے اِدھر اُدھر پھینکتے ہوئے بہاتی لیئے جا رہی تھیں-

البتہ کہیں سے سُمبل کا کٹا ہوا کوئی ٹہنا اس نوجوان ہی کی طرح لہروں کے ظلم کا نشانہ بنتا بہاؤ کے ساتھ ساتھ رواں تھا۔ وہ بھی کنارے سے دور تھا اور نوجوان بھی۔اس کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو رہا تھا جو اس نوجوان کے ساتھ، دونوں طوفان کی زد میں تھے اور دونوں ایک دوسرے سے دور تھے-لہروں کی کوشش تھی کہ اسے کسی گرداب میں ڈال کر زمین میں گاڑ دیا جائے اور نوجوان کو کسی بھنور میں پھینک کر دفن کر دیا جائے۔طوفان انہیں للکارے جا رہا تھا مگر نوجوان کی زندہ دھڑکن اس کی للکار کا جواب تھی کیونکہ وہ ابھی تک زندہ تھا- طوفانی تھپیڑے ٹہنے کو پاش پاش کرنے اور نوجوان کو بے جان کرنے میں ابھی تک ناکام رہے تھے- دونوں سخت جان تھے- ظالم لہروں کی زنجیر اور خونی گرادبوں کا اتحاد ایک لحاظ سے ان کے لئے لحہ لحہ اور قدم قدم دار و رسن جیسی آزمائش تھا-

نوجوان ٹہنے تک پہنچنے کے لئے کئی بار اس کی جانب لپکا لیکن بے سود- دور سے یوں لگتا

تھا کہ "وہ دونوں آپس میں ملنے کو بے قرار ہیں" مگر قریب سے لہریں آگ کی دیواروں کی طرح حائل تھیں۔ وہ اتنی زور آور تھیں کہ بھاری ٹھہنا تنکے کی مانند تلپٹ تھا۔ ایک طوفانی لہر نے نوجوان کو اتنی زور سے پٹکا کہ وہ ابھر کر ذرا سی سعی کر کے ٹھہنے سے جا ٹکرایا اور اس نے بے زور ہاتھوں کی گرفت سے اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

لمحہ لمحہ وہ نوجوان ٹھہنے کے سہارے طاقت پکڑتا گیا اتنی کہ اب وہ کناروں کی آرزو کر سکتا تھا اور یہ بھی اک نشانی ہے ظلم کرنے والوں کے لئے کہ جب کوئی بے سہارا ہو جاتا ہے تو کئی بار ظلم کی کوکھ سے ہی اس کے لئے ایسا سہارا جنم لے لیتا ہے جو ظلم کرنے والوں کا نام ونشان مٹا دیتا ہے۔

طوفانی لہروں کے باوجود وہ ٹھہنے سے چمٹا ان سے لڑتا ہوا پار نکل رہا تھا۔ یہ کسی فرد کی ہمتوں کا عروج تھا جس میں روح، دماغ، دل و جان اور جسم سبھی متحد ہو کر طوفان کے سامنے سینہ سپر تھے اور اس کے طمانچوں کو قرض کے طور پر لے رہے تھے۔ وہ پورے جذبے، ارادے اور توانائی سے اپنے ہاتھوں کو پتوار بنائے اس ٹھہنے کو کنارے کی جانب کھینچتا جا رہا تھا۔ وہ موت کی للکار کے مقابل زندگی کرنے کا ارادہ کر چکا تھا۔ لہریں آگے بڑھ بڑھ کر اسے منزل سے دور دھکیل دیتیں مگر وہ ہر بار نئے سرے سے کبھی ہاتھوں اور کبھی پیروں سے ٹھہنے کو کنارے کی جانب دھکیلنے کی کوشش کرتا۔ یہ منظر بالکل اس چیونٹی کی مانند تھا جس

نے پھول کی پتی کو کشتی بنالیا ہواور گر گر کر اس سے چمٹے رہنے کی تگ وتاز میں ہو۔ دیکھا جائے تو ارادہ چیونٹی کا ہو یا کسی فرد کا دونوں اپنے اپنے مقام پر قابلِ ستائش اور محترم ہیں۔ نوجوان ہتھیار ڈالنے کو تیار نہیں تھا اور طوفان ظلم کم کرنے کو تیار نہیں تھا۔ پورا دریا گواہی دے رہا تھا کہ اس نے خونی موجوں اور نوجوان کے درمیان پڑا ایسا معرکہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نہ جانے وہ اب تک کہاں سے کہاں جا چکا تھا مگر وہ ہر لمحہ اپنے عزم کے سہارے کنارے کے قریب ہوتا گیا یہاں تک کہ ایک جگہ کنارے پر لہراتی ایک سخت جان جھاڑی اس کے ہاتھ آ گئی اور وہ ٹہنے سمیت اس کے سہارے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

نوجوان بہت مضمحل ہو چکا تھا۔ اس کے انگ انگ میں لہروں کا شور رچ گیا تھا۔ اس کا جسم دریا کی مٹی، ریت اور جھاگ کے آہستہ آہستہ خشک ہو جانے کی بناء پر اکڑ رہا تھا۔ وہ کسی طوران سے نجات چاہتا تھا مگر اب کے بار اس کے پاؤں ایک قدم چلنے کو تیار نہیں تھے۔ وہ گرتا پڑتا ذرا پرے جا کر ایک بھیگے سے درخت کے پاس لیٹ گیا- اگرچہ گھٹائیں تھم گئی تھیں مگر سرور آور ٹھنڈی ہوا نے جلد ہی اسے اپنی آغوش میں لے لیا اور نیند کی لوریاں دیتی ہوئی نجانے خودفراموشی کے کس جہان میں اسے لے گئی کیونکہ جب وہ واپس آیا اس وقت تک آسمان کھل چکا تھا اور سورج چاندی کے بعد سونا بانٹ رہا تھا- دریا کا شور ابھی تک

تھااورسورج کی کرنیں نوجوان کی پیشانی کو چومتی ہوئی طوفان کی لہروں کا مذاق اڑا رہی تھیں جس سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے وہ آگ بگولا ہوکر انتقام میں شعلہ بار ہو رہی ہوں- اس نے چاہا کہ رات ہونے سے پہلے کسی ایسی جگہ جا رہے جہاں آرام کرکے کوئی جینے کی راہ نکالی جائے۔ جانے سے پہلے اس نے کسی کامران فاتح کی طرح دریا کی جانب دیکھا اور کہی ہوئی بات اسے پھر کہہ دی کہ

کہہ رہا تھا شورِ دریا سے سمندر کا سکوت

جتنا کسی کا ظرف ہو اتنا ہی وہ خاموش ہے

ابھی اس کے قدم بھی نہ اٹھنے پائے تھے کہ اسے یوں لگا کہ جیسے دریا اسے جواب دے رہا ہو کہ :

''سمندر دریاؤں کا قبرستان ہے- خاموشی موت ہے اور زندگی شور- ایسا شور کہ اپنے اپنے مقام پر کبھی نوا- کبھی نغمہ اور کبھی گرج''

اس نے بے ساختہ کہا کہ :

گرج کیا ہے؟

دریا نے کہا:

''تمہاری ان پرعزم دھڑکنوں کی آواز جو طوفان کے شور پر بھاری تھیں-

نوجوان نے دریا کی جانب فاتحانہ مسکراہٹ سے دیکھا اور اس اجنبی راہ پر چل دیا جو وہاں تک دکھائی دے رہی تھی جہاں زمین اور آسمان ملتے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ وہ راہ کہیں نہ کہیں ضرور جاتی ہوگی- دور دیکھتے دیکھتے اس کی نظر فضاؤں میں تحلیل ہوتی رہی- شام کا ملگجا بڑھتا جا رہا تھا اور وہ پیچھا کرنے والوں کی نگاہوں سے ہر صورت اوجھل رہنا چاہتا تھا تاکہ ہلاک ہونے سے بچ سکے۔

یہ خزاں کی ایک بے لباس صبح تھی- دور دور تک چاروں اطراف پیڑ بے برگ و بار تھے۔ اگر کوئی عقاب کسی شکار پر جھپٹتا تو کوئی شاخ اس پرندے کو پناہ دینے کے لئے تیار نہ تھی۔ بہار کے آخری گلاب کی آخری پتی تک گر چکی تھی- باغات اور جنگل عریاں ہو کر ایک جیسے ہو گئے تھے۔ پتیاں اور پتے جھڑ جھڑ کر پیلے پڑ چکے تھے۔ یوں تھا کہ جیسے ہر شجر کے نیچے بہاروں کی مرقد ہے اور پتے اپنے سینوں پر کتبوں کی طرح گزرے دنوں کا تعارف لئے بیٹھے ہیں- ہلکی ہوا کا جھونکا بھی انہیں فریاد کناں کرنے کے لئے کافی تھا مگر چوٹی پر ابھی تک ڈٹا ہوا ایک پتا سرمستی میں پوری قوت سے نغمہ ریز تھا کہ:

”یہ موسم بلبلوں کی تربیت گاہ ہے

جو خزاں کو برداشت نہ کر سکے

اور اس کے دکھ نہ جھیل سکے

اسے بہاروں کے جشن زیب نہیں دیتے"

وہ تنہا تھا اور مقابل تند زمستانی ہواؤں کے جھونکے لشکر در لشکر اس پر حملہ آور تھے کہ وہ ٹوٹے تو تب وہ جشن فتح کا اعلان کریں۔ یوں موسم اور حیات انسانی ایک دوسرے کے لئے آئینہ بنے رہتے ہیں۔

آشرم والوں نے بھی اسی عریاں موسم کو اپنے بین الاقوامی سیمینار کے لئے چنا تھا۔ اندھیرا ختم ہو رہا تھا اور یہ صبح عام صبح نہیں تھی۔ مندروں سے اٹھتی ہوئی گھنٹیاں اپنے چاہنے والوں کا پتا دیتی تھیں۔ یہ گھنٹیاں مختلف لوگوں کے لئے مختلف پیغام لئے ہوئے تھیں:

"کچھ کے لئے یہ صرف پیغام پرستش تھا

کچھ کے لئے درد سے نجات کی آواز

کچھ کے لئے حسرتوں اور منتوں کی کشمکش

اور کچھ کے لئے اپنے آپ کو پکا ہندو ثابت کرنے کی پکار"

پوجا کے لئے اس کے قدم بار بار مندر کی جانب اٹھتے مگر مہاتما بدھ کی طرح یہ سوچ کر پھر رک جاتے کہ اس کی روح سے پیدا ہونے والے سوالات ابھی تک جوابات کی روشنی کو ترستے ہیں اور جب تک روح روشنی سے سرشار نہیں ہو جاتی اس وقت تک

اندھیروں سے لبریز پرستش بے سود ہے۔

یہ سیمینار اس نوجوان کی آخری امید تھا جس میں وہ اپنے سوالوں کا تشفی بخش جواب پالیتا اور تب تمام عمر تپسیا کرتا کرتا اپنے آپ کو بے نظیر و بہترین ہندو ثابت کر دیتا۔

آشرم کی اندرونی حالت غیر تھی۔ وہاں کے بچوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک ہوتا تھا۔ لیکن اس کے کرتا دھرتا لوگوں نے بے حساب فنڈ بنائے تھے جس کی بنا پر وہ عیش و عشرت کے عادی ہو چکے تھے۔ یہ حالات پاکستان کے بعض یتیم خانوں سے ملتے جلتے تھے۔ دیکھنے دکھانے کے لئے وہ بچوں کے ویلفیئر میلوں اور پروگراموں کا اہتمام کرتے اور اہلِ ثروت انہیں ان بچوں کے نام پر بہت کچھ دے جاتے جوان کی عیاشیوں کے لئے مزید کافی ہوتا۔ بھارت کی صوبائی اور مرکزی حکومتوں سے مزید فنڈ اکھٹا کرنے کے لئے وہ سال میں ایک بار ہندو دھرم کی سربلندی کے لئے بین الاقوامی سیمینار منعقد کرواتے اور دنیا کے چیدہ چیدہ محققین کو مدعو کر لیتے۔

اخباریں اس کے لئے خصوصی ضمیمے شائع کرتیں۔ ٹیلی ویژن اور ریڈیو ان کے لئے خاص پروگرام نشر کرتے۔ یوں لگتا کہ سارے بھارت میں ہندو دھرم کے لئے سوائے اس آشرم کے کہیں اور کام نہیں ہو رہا۔ ایسے سیمینار سے وہ اتنا کما لیتے اور اتنی شہرت حاصل کر لیتے کہ ملک میں ان کا سامنا کرنا ناممکن تھا۔ وہ حکومتی سطح پر عزت یافتہ

تھے۔ دیکھنے سننے والوں کی نگاہ میں معتبر تھے۔ ان کے بین الاقوامی سطح پر تعلقات تھے۔ باہر کی بعض حکومتیں انہیں مزید عزت سے نوازتیں۔ وہ ناقابل شکست تھے۔ جب سیمینار شروع ہوتا تو اس کے آغاز سے لے کر اختتام تک بادشاہوں جیسا انتظام و انصرام ہوتا۔ سینکڑوں نشستوں والا ہال اس طرح سجایا گیا ہوتا کہ سامعین پر رعب طاری ہو جاتا اور جو مقالے پڑھتے وہ بھی اپنے نام وشہرت سے دھاک بٹھانے والے ہوتے۔ سیمینار کے بعد محققین اور سامعین ساتھ والی پہاڑی پر دیوی کی پوجا کے لئے جاتے جس کا الگ سے اہتمام کیا گیا ہوتا۔

سرد ہوائیں تھمیں تو آشرم میں سیمینار کے دن آئے۔ وہی میلے کا سماں' صنم کدوں میں پرستشیں بڑھ گئیں۔ بڑے بڑے خردمند پوجا پاٹ کے لئے چلے آئے۔ یہ سیمینار تین دن کا ہوا کرتا تھا۔ لوگوں کا ہجوم، دیوتا پر چڑھاوے، سمندر کی لہروں کی طرح غم کے مارے قطار اندر قطار اپنی اپنی فریادیں لئے اپنے اپنے صنم کی بارگاہ میں نذرانے چڑھاتے چلے گئے۔

آشرم میں دولت کے انبار لگ گئے۔ بچے سہمے اپنی تقدیروں کے بدلنے کا انتظار کرتے رہے۔ جو علم سے واقف نہیں تھے وہ لوٹ گئے۔ جو دانشمند و عالم کہلاتے تھے وہ سننے سنانے کے لئے رہ گئے۔ وہ اتنے تھے کہ اس باران کے لئے بڑھ کر اہتمام کرنا

پڑا۔ایک وجہ یہ بھی تھی کہ امریکہ سے نیروپ کی آمد تھی جو خود تو ہندو نہیں تھا لیکن ہندو دھرم کا بہت بڑا مبلغ تھا۔

حکومت نے اس سیمینار کے لئے فنڈ مہیا کر کے جتنی دلچسپی کا اظہار کیا تھا اس سے کہیں زیادہ انتہا پسند ہندوؤں نے نہ صرف مالی بلکہ مذہبی طور پر بھی اسے اپنے قبضہ اختیار میں کر لیا تھا- اس سے پہلے وہ ایودھیا، متھرا اور کاشی کی مساجد کی جگہ مندروں کی تعمیر کو لازمی قرار دے چکے تھے- دراصل وہ اسے ڈھال بنا کر ہندو کمیونٹی کی مسلسل حمایت حاصل کر لینا چاہتے تھے-ویسے بھی یہ آشرم ان کا ایک لحاظ سے مضبوط مورچہ تھا- دیکھا جائے تو بدلتے ادوار میں بھی آشرم ،بارگاہیں، زیارت گاہیں، معبد، مقبرے، درگاہیں، آستانے چاہے ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو زیادہ تر ایسے جابروں اور قاہروں کے قبضے میں رہے ہیں جو بظاہر مسکین و عاجز، بھگوان پرست یا توحید پرست تھے لیکن حقیقت میں ان کا وجود مکان و مکین سمیت نازل شدہ نورانی ہدایت کو مسخ کرنے کا سرچشمہ ثابت ہوا- انہوں نے جہالت بھری رسموں اور شخصیت پرستی کے جو بت تراشے وہ آزر کے بتوں سے کہیں زیادہ پرکشش اور توانا تھے-

اسی سیمینار میں انتہا پسندوں نے یورپ سے جن کو مدعو کیا تھا ان میں کچھ نامور انگریز سکالر اور مفکر بھی تھے جو یا تو ہندو ہو چکے تھے یا ہندوازم کی جانب راغب تھے-چندروز

پہلے ہی بڑا ہال لے لیا گیا اور اس کی تزئین و آرائش جاری تھی- اس کے اردگرد نہ صرف پولیس گارڈ متعین کی گئی بلکہ انتہاپسندوں نے اپنے نوجوانوں کو بھی تعینات کردیا تاکہ کوئی مخالف اس سیمینار کو برباد نہ کردے- انہیں زیادہ تر ان عیسائیوں سے خطرہ تھا جن کے چرچ ہندووں نے جلا دیئے تھے یا تباہ کردیئے تھے اور خاص کر انہوں نے جب سے آسٹریلیا کے پروفیسر کو بیٹوں سمیت جلایا تھا تب سے عیسائیوں میں شدید بے چینی تھی- چنانچہ اس سیمینار کے ذریعے وہ ہندوازم کے حق میں زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنے کی کوشش کررہے تھے تاکہ لوگ ذہنی طور پر قائل ہوکر یا تشدد و دہشت گردی سے سہم کر بھارت کو یا تو خالصتاً ہندو ریاست تسلیم کرکے خود بھی ہندو ہوجائیں یا وہاں سے چلے جائیں- ایسا ایک بار وہ برصغیر کی تقسیم سے پہلے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں میں بھی کرچکے تھے- یہ عجیب جدوجہد تھی جسے وہ ہرصورت کامیابی سے ہمکنار کرنا چاہتے تھے-

وہ نوجوان غم و اندوہ کا پیکر بنا اسی سیمینار کے انتظار میں تھا- وہ اپنے دھرم کے بارے میں نیروپ سمیت سیمینار میں موجود تمام سکالروں سے بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا- اس کے من کی مراد پوری ہونے کے دن آگئے- وہ اور بیتاب ہوگیا- اسے پوجا کے لئے جانے والے ہجوم سے کوئی دلچسپی نہیں تھی- وہ مندروں سے منہ موڑ چکا تھا- اس نے اسی آشرم کو

مندر جانا ہوا تھا اور اپنے دھرم کے بارے میں تحقیقات سے بھرے مقالے سننے کو ہی پوجا جانا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے شکوک ختم ہو جائیں اور وہ پھر سے تازہ روح کے ساتھ کسی مندر میں جا کر پوجا کا آغاز کرے۔

انتہاپسندوں نے اس نوجوان کے متعلق آشرم کے سربراہ کو بتلایا کہ:

"پچھلی دفعہ آشرم کے جس طالبِ علم نے ہال میں ہندوازم کے خلاف سوال اٹھانے کی جسارت کی تھی اسے آشرم ہی کے ایک کمرے میں نظر بند کر دیا گیا تھا تا کہ وہ ہندو ازم کا زیادہ مطالعہ کرے اور پختہ ہندو ہو جائے"۔

انہوں نے یہ بھی بتلایا کہ:

"اس نوجوان پر سے اب نظر بندی اٹھا لی گئی ہے تا کہ اس کی سوچ اور رویوں کا جائزہ لیا جا سکے کہ ان میں کہاں تک تبدیلی رونما ہوئی ہے۔"

سربراہ نے کہا:

"بہتر ہے اسے اس سیمینار کو سننے کا موقع دیا جائے تا کہ اس کی آنکھیں کھلیں اور وہ ہندو ہو کر ہی ہندوازم کے خلاف پرچار کرنے سے باز رہے اور اس طرح بہت سے ہندو اور غیر ہندو سکالروں کو سن کر اس کے نظریات خود ہی بہتر ہو جائیں گے اور وہ سیدھی راہ پر آ جائے گا اور اگر وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہا تو ایسے بے دھرم انسانوں کا علاج

وہی ہے کہ اسے دور لے جا کر خودکشی کا بہانہ بنا کر گولی سے اڑا دو اور دوسروں کے لئے عبرت بنا دو۔ البتہ اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی جائیں اور ہر لحاظ سے نگرانی کر کے ہر زاویے سے تفتیش کر لی جائے تا کہ آخر کار آشرم والے قانونی طور پر اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کر سکیں اور وقت پڑنے پر اپنا بہتر دفاع کر سکیں۔''

حقیقت میں یہ نوجوان اپنی جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کی بناء پر آشرم والوں کی توجہ کا مرکز بنا۔ دراصل وہاں کے اہل اختیار نے اپنے دھرم کا پرچار کرنے کے لئے ایسے نوجوانوں کو تعلیم و تربیت سے آراستہ کرنے کا اس لئے فیصلہ کیا تھا تا کہ وہ تمام مذاہب کے بارے میں آگاہی حاصل کر کے اپنے دھرم کا موثر دفاع کرنے کے قابل ہو جائیں''۔ تقابلی مطالعہ میں انہیں جو ہدایات دی گئیں وہ یوں تھیں:۔

* تمام مذاہب کا مطالعہ اس نقطہ نظر سے کیا جائے کہ انہیں اپنے دھرم کے ہر پہلو کو ان سے بہتر ثابت کر دیا جائے۔

* اپنے مذہب کے ہر پہلو کو بحث و تمحیص سے بالا و بلند تر سمجھا جائے۔

* ملک کی کٹر ہندو تنظیموں کا مددگار بننے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں کسی مذہبی یا نظریاتی مناظرے و مباحثے میں شکست نہ ہونے دی جائے اور تمام مذاہب کے کمزور پہلوؤں کو زیادہ سے زیادہ اجاگر کیا جائے۔

* کسی بھی نظریے یا مذہب کے بارے میں شکوک وشبہات کے لئے آشرم کے بڑے کرتا دھرتا سے رجوع کیا جائے اور اس کے جوابات و احکام کو نا قابل تردید گردانا جائے تا کہ کسی بھی قسم کی نظریاتی و مذہبی کشمکش نہ پیدا ہو سکے۔

دیکھا جائے تو یہ انداز تقریباً ہر مذہب کی مذہبی درسگاہ کا ہوتا ہے۔ ہو بہو نہ سہی مگر تعصب کی پرورش کرنے کے لئے ایسے ہی انداز اپنائے جاتے ہیں تا کہ وہاں کے مرید، طلبا، پیروکار یا جو بھی وہاں پرورش حاصل کر رہے ہوں وہ آخر کار متعصب اور جنونی بن جائیں۔

دراصل پچھلی کئی بے خواب راتوں نے اس نوجوان کو بے چین کر رکھا تھا۔ ہر رات اس کے لئے سوچوں کا عذاب لے کر اترتی۔ سیاہ راتوں میں نور سے لبریز سپنے بظاہر ٹوٹے ستاروں کی لکیروں کی طرح عارضی لگتے ہیں لیکن اگر کوئی اپنی لگن اور جستجو کی شمعیں بجھنے نہ دے تو آخر کار وہ کوئی نہ کوئی سورج پا ہی لیتا ہے کہ جس کی ضو ویرانیوں کو بھی منور کر رہی ہوتی ہے۔ وہ آشرم سے بہت دور نکل جاتا اور بہتی ہوئی ندی کے کناروں پر بچھی ہوئی ٹھنڈی ریت پر لیٹ کر ستاروں کی گزرگاہوں کو دیر تک تکتا رہتا اور مختلف حقائق کے بارے میں سوچتا رہتا۔

ایک رات کسی نے خبر کر دی کہ وہ نوجوان رات گئے تک آشرم نہیں لوٹا اور ندی

کنارے دیر تک آسمان کی پہنائیوں کو دیکھتا رہتا ہے۔ پہلے تو سمجھا گیا کہ وہ کسی گیان دھیان میں مگن اپنی آتما کی سربلندی کے لئے کوشاں ہے اور اپنے دھرم پر قائم رہتے ہوئے وہ کوئی غیر معمولی مقام حاصل کرنے کی تگ ودو میں ہے اس لئے اسکے بدلے ہوئے انداز پر زیادہ توجہ نہ دی گئی۔لیکن جب وہ طویل راتیں آشرم سے باہر گزارنے لگا تو آشرم کے سربراہ کو انتظامیہ کی تشویش سے آگاہ کیا گیا جس کے نتیجے میں اسے اگلے ہی روز انتظامیہ کے مشکل سوالات کا سامنا کرنا پڑا۔

انہوں نے پوچھا کہ:

وہ رات گئے تک ندی کنارے ہی کیوں بسیرا کرتا ہے۔"

اس نے کہا کہ:

وہ اس کے شفاف پانیوں میں ایک برتر ترتیب سے رقص کرتے ہوئے ستاروں کے عکس سے اس جمیل منتظم کی خبر حاصل کرنا چاہتا ہے۔

انہوں نے استفسار کیا کہ:

"رات گئے تک تمہیں بلاوجہ باہر رہنے کی ضرورت کیا ہے؟"

اس نے کہا:

"میں زندگی اور کائنات کے حقائق جاننا چاہتا ہوں"

انہوں نے کہا:

''یہ تمہاری ضرورت نہیں''

اس نے کہا:

''سچائیاں جاننا ہر شخص کی ضرورت ہے''

انہوں نے کہا:

''کیا آشرم میں جو کچھ سکھایا جاتا ہے وہ سچ نہیں''

اس نے کہا:

''میں اسی کو پرکھنا اور اس پر غور کرنا چاہتا ہوں''۔

انہوں نے کہا:

''اس طرح تو تم دوسروں کو مذہبی بغاوت پر اکسا رہے ہو''۔

اس نے کہا:

''کسی بھی سچائی تک پہنچ جانا حسین تر منزل ہے یہ بغاوت نہیں ہو سکتی''

انہوں نے کہا:

مگر سوچنے، تلاش کرنے اور پرکھنے سے تو انسان اپنے مذہبی عقائد سے دور ہو جاتا ہے اور وہ منکر و کافر ہو جاتا ہے۔ ایسے میں اس کے زندہ رہنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے۔ بہتر

ہے مذہب والے اس کا قلع قمع کردیں تاکہ مذہب اپنی آب وتاب سے زندہ رہے اور دیگر پیروکار اس کے نقش قدم پر چل کر گمراہ نہ ہوسکیں۔

اس نے کہا:

"یہ خوف صرف ان مذاہب کو ہے جو مسخ ہو کر غیر فطری، غیر منطقی اور انسان کے لئے باعث زوال ہو چکے ہیں"۔

انہوں نے کہا:

تم اپنے مذہب کے بارے میں کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا:

"میں اس کی سچائیوں کو پرکھ رہا ہوں"۔

انہوں نے کہا:

"تمہارے پاس سچائی پرکھنے کا کیا معیار ہے"؟

اس نے کہا:

"جنہوں نے اس پر عمل کیا انہوں نے آخرکار کیا نتائج حاصل کئے؟"

انہوں نے کہا:

"لیکن تمہیں اپنے دھرم کی کتابوں سے زیادہ قرآن کا مطالعہ کرتے دیکھا گیا ہے۔ اس

طرح تو تمہارے دل میں مسلمانوں کے لئے محبت پیدا ہوسکتی ہے اور ہماری جانب سے مسلمانوں کے خلاف چلائی جانے والی مہم پر تم ہمارے لئے خطرناک ثابت ہوسکتے ہو چنانچہ اس طرح بھی تمہارے زندہ رہنے کا کیا جواز ہے"۔

اس نے کہا:

مجھے اس سے غرض نہیں کہ کون کس کے خلاف مہم چلا رہا ہے۔اس کے لئے جو اپنے وجود کو منوالے گا وہی باقی رہ جائے گا۔ مجھے تو صرف یہ جاننا ہے کہ یہ جو دعوی کیا جاتا ہے کہ" قرآن" آخری اور مکمل کتاب ہے تو اس میں کہاں تک سچائی ہے"۔

انہوں نے کہا:

"تمہیں کیا سچائیاں نظر آتی ہیں؟"

اس نے کہا:

"مجھے اس میں کچھ بھی باطل نظر نہیں آیا۔"

یہ سننا تھا کہ انہوں نے آگ بگولا ہوکر اس پر مزید جرح ختم کردی اور اسے مزید سنے بغیر اپنے دھرم کا منکر اور کافر قرار دے کر فیصلہ حاصل کرنے کے لئے آشرم کے سربراہ کو رپورٹ بھیج دی۔

آشرم کے سربراہ نے اس رپورٹ پر عجیب ردعمل کا اظہار کیا۔ اس نے جواباً لکھا کہ:

"نوجوان کو بجائے قتل کرنے یا سخت سزا دینے کے دھرم کی تعلیم حاصل کرنے والے دوسرے لوگوں سے علیحدہ کردیا جائے اور کسی ذہین وتوانا درس دینے والے کو جو واقعی اہل بھی ہو اس پر مقرر کیا جائے تاکہ وہ اس کے شکوک دور کرسکے اور اسے جذباتی وگمراہ ہونے سے بچائے۔ البتہ راہ راست پر نہ آنے کی صورت میں اس کا وہی حشر کیا جائے جو فلاں سال میں فلاں گمراہ ہونے والوں کا کیا گیا تھا۔ اس نے سخت الفاظ میں یہ بھی اظہار کیا کہ "نوجوان کی گمراہی کی ذمہ داری آشرم میں ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو نوجوانوں کو دھرم کی تعلیم دینے پر مامور ہیں۔ ان کے دائرہ اثر میں رہتے ہوئے کسی نوجوان کا اپنے دھرم سے یوں برگشتہ ہوجانا ان کی نااہلی کا پتا دیتا ہے۔ اگر آئندہ ایسا واقعہ پیش آیا تو گمراہ ہوجانے والے کے ساتھ ساتھ ان کا بھی محاسبہ ہوگا اور وہ بھی سخت سزا کے مستحق ٹھہرائے جائیں گے۔"

یہ ایک لحاظ سے آشرم والوں کے لئے سخت وارننگ تھی۔ بہرحال انہوں نے نوجوان کے لئے جس شخص کا انتخاب کیا وہ اہل اور ذہین تو نہیں تھا مگر توانا ضرور تھا تاکہ وہ طاقت کے بل بوتے پر اس نوجوان کو قائل کرلے کہ "وہ تحقیق کے جس راستے پر چل رہا ہے وہ صریحًا گمراہی ہے اور اس کے فوری تائب نہ ہونے کی صورت میں اسے اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

نوجوان کو جہاں رکھا گیا وہ ایک غار نما جگہ تھی۔ایسی کہ بس ویرانہ تھا یا یوں سمجھ لیجئے کہ مارا بار کی غاروں جیسی وہ کوئی غار تھی۔اس سے دیگر تمام مذاہب کی کتابوں کو لے لیا گیا تھا اور قرآن کو پہلے دن سے ہی چھین لیا گیا تھا۔ اب وہ واقعی تنہا تھا۔ یہ بھی تھا کہ اس کے ہاتھوں اور پیروں میں زنجیریں رہتی تھیں جس سے اس کی جسمانی آزادی مسدود کر دی گئی تھی اور وہ اپنے دفاع کے لئے کچھ نہ کر سکتا تھا۔کچھ دور توانا شخص بیٹھا اس دن کی اخبار دیکھ رہا تھا کہ نوجوان کی نظر اس خبر پر پڑی جس میں پاکستان کی اسلامی یونیورسٹی کے ریکٹر نے کویت کی علماء کونسل کو استدعا کی تھی کہ:

"انہوں نے جو پاکستان کے فلاں عالم کی ایما پر فلاں شخص پر کفر کا فتوی عائد کیا ہے اس پر نظر ثانی کی جائے کیونکہ وہ قرآن کا عالم ہے اور اس نے قرآن کی تحقیق پر عمر گزار دی ہے اور ثابت کیا ہے کہ قرآن مکمل اور آخری کتاب ہے اور محمد ﷺ آخری پیغمبر ہیں"۔

نوجوان کو یہ خبر بہت دلچسپ لگی۔اس نے سوچا کہ میرے دھرم والے ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں بھی ایسے ایسے علماء ہیں جو جب چاہیں کسی کو زنجیروں میں جکڑ کے رکھ دیں چاہے وہ کتنا ہی پاکیزہ مفکر کیوں نہ ہو۔

اسے یقین ہو گیا کہ:

انبیاؑ پر اپنے زمانوں کے لحاظ سے اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی نورانی و پاکیزہ

وحی صرف ایسے ہی لوگوں کے ہاتھوں برباد ہو کر رہ گئی ہو گی تا آنکہ "قرآن" آخری کتاب ہونے کی وجہ سے معجزانہ طور پر قطع و برید سے محفوظ رہا۔

توانا شخص سے اس کی سنجیدہ سوچ و بچار والا چہرہ برداشت نہ ہو سکا اس نے کرخت لہجے میں پوچھا:۔

"تم کب تک یہ تنہائی کا عذاب سہہ سکتے ہو۔ بہتر ہے تم یہ اعلان کرو کہ تم نے جو تحقیق کی وہ گمراہی پر مبنی تھی اور اب تم تائب ہو چکے ہو۔"

نوجوان نے کہا:

"میں تنہا نہیں کیونکہ تم بھی میرے ساتھ ہو"۔

اس نے جھنجلا کر کہا:

"تو میں تجھے جانوروں کی طرح باندھ کر چلا جاؤں گا تاکہ تم تڑپ تڑپ کر اور گھٹ گھٹ کر مر سکو اور تب تمہیں احساس ہو کہ تم واقعی تنہا ہو۔"

نوجوان نے بڑے اطمینان سے کہا:

اے معزز انسان!

"ایک لمحہ رک کر سوچو کہ میں کیسے تنہا ہو سکتا ہوں۔ میری سوچیں اور میرا فکر میرے ساتھ ہیں۔ یہ غار اور اس پر پڑے پتھروں اور درختوں کے سائے میرے ساتھ ہیں اور وہ

کم کم نظر آتا آسمان میرے ساتھ ہے اور یہ غار کا اندھیرا میرے ساتھ ہے اور وہ ننھے ننھے پرندے جو کسی آشرم کے قوانین کے پابند نہیں وہ میرے ساتھ ہیں۔ تمہارے چلے جانے کے بعد اس کائنات کی ہزاروں قوتیں میرے ساتھ ہوں گی جو تمہاری موجودگی کی وجہ سے مجھ سے اوجھل ہیں"۔

توانا شخص نے مزید سخت لہجے میں کہا:

نادان شخص!

تمہاری ساری گفتگو احمقانہ ہے۔ اسی لئے آج تم اس حال میں ہو۔

اور میں تمہارا ایسا حال کروں گا کہ آئندہ صدیوں تلک کسی کو تمہاری طرح گمراہ ہونے کا خیال نہیں آئے گا"۔

نوجوان نے کہا:

"زنجیروں میں جکڑ کر، انسانوں کو جبر تلے رکھ کر، انہیں ان کے نظریات سے تائب کیا جا سکتا تو پھر پورے بھارت میں ایک بھی غیر ہندو نظر نہ آتا اور سوچو کہ اگر تمہیں میری حالت میں رکھ کر تمہارے اوپر تم سے زیادہ قاہر و جابر شخص مامور کر دیا جائے تو کیا تم اپنے نظریات بدل لو گے اور کیا تم اپنے دھرم کو خیر باد کہہ دو گے"۔

یہ سوال اس کے لئے کافی مشکل تھا وہ اپنی خونخواری اور طاقت و جہالت کے

باوجود سوچنے لگا کہ یہ شخص موت سے خوف زدہ نہیں، تکالیف سے خوف زدہ نہیں، بڑے بڑوں سے خوف زدہ نہیں۔ یہ بھوک پیاس اور سزا کی سختی سے خوف زدہ نہیں، آخر اس کا راز کیا ہے۔ اس نے زندگی کے بدلے قرآن کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ یہ تو بس اک کتاب ہے جس کی خاطر یہ اپنی ہنستی بستی اور رعنائیوں سے بھرپور جوانی کو خیر باد کہنے کو تیار ہے۔ وہ اپنی ہٹ سے ہٹتا ہی نہیں کہ ''قرآن'' میں جو کچھ لکھا ہے وہ سارے کا سارا سچ ہے اور بس وہی سچ ہے۔ ایسے میں جب وہ مر جائے گا تو لوگ پوچھا کریں گے کہ وہ کس بات کی خاطر مر گیا اور کیا کہتے ہوئے مر گیا اور کس لئے مارا گیا تو آشرم کی تاریخ میں تو یہی لکھا جائے گا کہ وہ ''قرآن'' کو آخری اور مکمل کتاب کہتے ہوئے مارا گیا تو آئندہ نسلیں اور متجسس ہو جائیں گی اور وہ جاننے کی کوشش کریں گی کہ:

''کیا قرآن واقعی سچ و برحق ہے تو ممکن ہے وہ بھی متاثر ہو جائیں تو تب ہم کس کس کو یوں تنہا جکڑ کر مرنے کے لئے چھوڑ جایا کریں گے''۔

وہ اگرچہ جاہل تھا مگر یہ باتیں اس کے شعور میں جیسے اترنے لگ گئی ہوں۔ اس نے اپنی بندوق کا رخ اوپر کی جانب کرتے ہوئے کہا:

''اگر میں تمہیں قتل نہ کروں تو؟''

نوجوان نے کہا:

''اس پر تمہارا اختیار نہیں''

اس نے بندوق کی نالی اس کے دل پر رکھتے ہوئے کہا!

''کیوں؟ پھر کس کا اختیار ہے''

نوجوان نے کہا:

قرآن میں یہی لکھا ہے کہ'' زندگی اور موت چاہے میری ہو یا تمہاری کائنات میں کسی کی بھی ہو وہ تعین شدہ ہے اور اس کا اختیار اللہ کو ہے۔''

توانا شخص بندوق کی نالی کو ایک طرف کر کے دیر تک اسے دیکھتا رہا اور پھر خاموشی سے دور ہٹ کر بیٹھ گیا۔

چند دنوں کے بعد نوجوان کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے والے نے آشرم کے راہنما کو آ کر بتلایا کہ'' ساتھ والی چھاؤنی میں ایک مسلمان فوجی حوالدار اس نوجوان کی خیریت دریافت کرتا رہتا تھا۔ کچھ روز پہلے اس کی یونٹ دور فلاں علاقے میں جا چکی ہے جہاں انہیں جنگ کا سامنا ہے۔ جاتے ہوئے وہ کچھ چیزیں آشرم میں دے گیا تا کہ اس نوجوان کو دے دی جائیں۔ ان میں جو کچھ ملا ہے وہ ایک ڈائری، زمین کے کاغذات اور کچھ زیورات ہیں۔ اس کے ساتھ ایک خط ہے۔ یہ تمام اشیاء ابھی تک نوجوان کو نہیں پہنچائی گئیں۔''

سربراہ نے کہا:

"یہ تمام چیزیں آشرم کے سٹور میں پھینک دو اور اس نوجوان کو لازماً سیمینار میں بیٹھنے کا موقع دو مگر اس کی ہر حرکت پر نگاہ رکھو"۔

جوزف نیروپ کا ہندوازم کے بارے میں اس سیمینار میں یہ کوئی پہلا لیکچر نہیں تھا بلکہ جب سے اس نے "دیوتاؤں کی سرزمین" نامی کتاب کو ترتیب دیا تھا تب سے اسے بھارت میں خصوصی طور پر اور بعض دیگر ممالک میں عمومی طور پر مدعو کیا جاتا تھا تا کہ وہ انہیں بھارت کے بارے میں آگاہی دے سکے۔اسے اس سلسلے میں بہت کچھ ازبر ہو چکا تھا۔ اس سیمینار میں اسے خصوصی سکالر کے طور پر پہلے سے ہی مدعو کر لیا گیا تھا۔ وہ بڑی روانی سے بھارت کی تمدنی زندگی کے متعلق گفتگو کر سکتا تھا۔اگرچہ اس نے تا حال ہندومت اختیار نہیں کیا تھا لیکن اس کی سوچ کے زاویے ہندوؤں کے لئے باعث تقویت ضرور تھے۔

بعض اوقات دیگر مذاہب کے اچھے خاصے پیروکار اس کے تجزیات سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور اگر کوئی جوش میں آکر اس کے نظریات کو رد کرنے کی کوشش کرتا تو وہ بڑی دانائی سے اسے لاجواب کر دیتا اور سوال کرنے والا اپنے ہی غیر ہندو مذہب یا نظریے کے بارے میں شکوک میں مبتلا ہو جاتا۔

متھرا میں ایک بار جب وہ اپنا لیکچر مکمل کر چکا تو ایک مذہب کے پیروکار نے پوچھا تھا کہ:۔

”ہندومت کے بارے میں آپ کی تحقیق گواہ ہے کہ آپ ایک لحاظ سے ہندو ہو چکے ہیں“

تو اس نے جواب دیا تھا؛۔

”تحقیقات جاننے کے لئے ہوتی ہیں مگر ضروری نہیں کہ اپنانے کے لئے ہوں“۔اس کے لئے اس نے انیل میری شمل جو کہ جرمنی کی معروف سکالر تھی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ:

”اس نے اسلام اور صوفی ازم پر بے پناہ تحقیق کی مگر وہ مسلمان نہیں ہوئی۔“

سوال کرنے والے نے کہا:

”مگر مارٹن لوتھر نے تو قرآن کا مطالعہ کر کے اور اس پر تبصرہ لکھ کر عیسائیت میں پروٹیسٹنٹ فرقے کی بنیاد رکھ دی تھی"

نیروپ نے جواباً کہا:

”لیکن وہ بھی مسلمان تو نہیں ہوا تھا“

نیروپ یوں سوال کرنے والے کو لاجواب کیا کرتا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس کا مطالعہ لاجواب اور بے حساب تھا۔اس کے سامنے بڑے بڑے سوال کرنے سے کتراتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ بھارت میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز تھا۔

اس سیمینار میں جب سب سکالر جنہیں مدعو کیا گیا تھا اپنا اپنا مقالہ پڑھ چکے تو سٹیج والے نے نیروپ کا تفصیلاً تعارف کروانے کے بعد اسے بڑے احترام سے بلایا۔ نیروپ جب روسٹم پر آیا تو تمام سامعین بادل نخواستہ لاشعوری طور پر اس سے متاثر ہونے کی بناء پر کھڑے ہو گئے۔

سیمینار کا موضوع نہایت دلچسپ اور عمیق تھا۔ یعنی "ہندوازم اور انسان کی نجات" اس پر اگرچہ سیر حاصل گفتگو ہو چکی تھی لیکن حاضرین صرف نیروپ کو سننا چاہتے تھے کیونکہ وہ اپنے دلائل منطقی اور سائنسی بنیادوں پر استوار کرتا تھا۔

اس نے نہایت شستہ انداز میں اپنا مقالہ پڑھا اور بعد ازاں اس میں دیئے گئے بعض نکات کی تفصیل وتشریح کی۔ اس کا اندازِ بیاں مبہوط کر دینے والا تھا۔ وہ اتنا جادواثر تھا کہ بعض دیگر مذاہب والے جو وہاں موجود تھے وہ بھی بے دلیل ہو کر رہ گئے اور شروع میں جو کچھ ان کے ذہنوں میں سوالات اٹھ رہے تھے وہ لیکچر و مقالے کے مکمل ہونے تک اپنے اپنے جوابات پا چکے تھے۔

نیروپ نے اپنے مقالے کے اختتام پر ای ایم فاسٹر کے ناول ''راہِ ہندوستان'' کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ:

''وہ (نیروپ) بھی اس کی رائے سے اتفاق کرتا ہے کہ ہندومت میں آسانی سے نجات

حاصل ہوسکتی ہے"۔

ہال میں خاموشی تھی۔وہ ہندو جنہوں نے نیروپ کے لیکچرسن رکھے تھے وہ مطمئن تھے کہ:

" کوئی بھی نیروپ کو سوال کرسکے گا اور نہ ہی ہندوازم کی سائنسی بنیادوں کو جنہیں کہ اس لیکچر میں ثابت کردیا گیا ہے چیلنج کرسکے گا"۔

اس نے دو ایک بار بڑے تفاخر سے سامعین کو مخاطب کیا اور انہیں سوالات کرنے کی ترغیب دی مگر کسی میں بھی ہمت نہ ہورہی تھی کہ وہ اس کے تجزیات کو چیلنج کرسکے۔وہ روسٹم پر کھڑا کچھ دیر تک مسکراتا رہا اور ہندوؤں کے اس فرقے کے سرکردہ لوگ اپنی فتح پر محظوظ ہوتے رہے۔

مگر ہال کے اندر پچھلی قطار میں بیٹھے ہوئے آشرم کے اسی ہندو نوجوان نے کھڑے ہوکر سوال کی اجازت چاہی۔ہال میں جیسے ہی اس کی آواز ابھری وہاں پر موجود تقریباً سبھی لوگ مڑ مڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔یہ وہی نوجوان تھا جس کے بارے میں وہاں کے سرکردہ افراد شاکی تھے اور اسے پاپی وشوریدہ سر کہا کرتے تھے اور جسے دیگر مذاہب کی کتب اور خاص کر قرآن کا مطالعہ کرنے کی پاداش میں کئی مہینوں سے جبر وسزا کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور آج اسے آخری بار سیمینار سننے کے لئے لایا گیا تھا تا کہ اس کا رویہ دیکھا جاسکے کہ وہ واقعی قرآن اور اسلام سے نفرت پر آمادہ ہوچکا تھا یا نہیں یا وہ کس حد تک اپنے نظریات سے

تائب ہو چکا تھا۔

اس کی آواز میں خاص طرز کا اعتماد تھا۔ اس نے بڑے مؤدب انداز میں گفتگو شروع کی:

اس نے کہا:

جناب والا!

''ہندومت کے بارے میں آپ کا لیکچر قابلِ تعریف اور قابلِ غور ہے مگر میری روح برسوں سے جن حقائق کی کھوج میں سرگرداں ہے ان میں ایک یہ ہے کہ:

''اس دھرم میں ایک شودر، ہر تجسن، اچھوت یا ملیچھ کو اسی جنم اور اسی دنیا میں رہتے ہوئے کیونکر نجات میسّر آ سکتی ہے جبکہ ایک شودر کا بچہ پیدا ہوتے ہی بغیر کسی جرم و گناہ کے شودر ہی کہلاتا ہے اور وہ عزت و احترام کے ان تمام معیاروں سے محروم رہتا ہے جو کسی اعلیٰ ذات کے فرد کو حاصل ہوتے ہیں۔''

وہاں پہ موجود بہت سے لوگوں کو اس کا سوال سخت ناگوار گزرا۔ ان میں سے ایک نے کھڑے ہو کر آشرم کے سربراہ سے احتجاجاً کہا کہ:

''ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ اس نوجوان کو خاص کر ہماری بےعزتی کرنے کے لئے بلایا گیا ہے۔ اگر آپ کا ارادہ یہی ہے تو ہم ایسے سرپھروں کا خوب علاج جانتے ہیں۔''

سربراہ نے معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا کہ:

''اس نوجوان کے سوال سے آپ سب کی جو دل آزاری ہوئی ہے ہم خود اس سے شرمندہ ہیں۔لیکن یہ زیادہ اچھا ہے کہ آپ بچشم خود اس شخص کو دیکھ لیتے اور جان جاتے کہ یہ کس قدر باغیانہ ارادوں کا مالک ہے۔ہم دو ایک بار نہ صرف اسے ملامت کر چکے ہیں بلکہ وارننگ بھی دے چکے ہیں۔''

نیروپ نے ذات پات کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی تھی اور افلاطون کے فلسفیانہ نظریات کے حوالوں سے بھی یہ ثابت کیا تھا کہ:

''کمتر ذات والوں کی فطرت بھی کمتر ہوتی ہے''

اس نے اس سلسلے میں ارسطو کا قول بھی نقل کیا تھا کہ:۔

''ٹیڑھے پاؤں کو ٹیڑھا جوتا ہی راس آتا ہے۔''

لیکن ایسے تمام دلائل کے باوجود اس نوجوان کا سوال منفرد اور مشکل پیدا کرنے والا تھا۔اس سے پہلے کسی بھی محفل میں یا لیکچر کے دوران نیروپ کو اتنا سادہ مگر مشکل سوال کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔وہ محسوس کر رہا تھا کہ:

''اگر اس نوجوان کے سوال کا درست یا تسلی بخش جواب نہ دیا گیا تو یہ ان موضوعات پر اس کی اجارہ داری ختم کر دے گا اور آئندہ کے لئے ہندو سوسائٹی میں اسے زیادہ محترم بھی گردانا

نہیں جائے گا۔"

اس کی پیشانی پر آہستہ آہستہ ہلکے ہلکے پسینے کے قطرے ابھرنے لگے۔تمام تر کوشش کے باوجود اس کے ذہن کی رسائی کسی بھی بہتر جواب تک نہیں ہو رہی تھی۔ ہال میں ایک بار پھر سناٹا چھا گیا۔نیروپ نے فوری طور پر ان حالات سے نکلنے کے لئے نوجوان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:-

میرے عزیز!

"آپ جو کہنا چاہتے ہیں وہ زیادہ واضح نہیں ۔مہربانی سے آپ اپنے سوال کی مزید وضاحت کریں۔"

نیروپ کا خیال تھا کہ:-

"سوال کی وضاحت کے دوران وہ کسی نہ کسی جواب تک پہنچ جائے گا اور یوں سامعین کے سامنے سرخرو رہے گا۔"

نوجوان نے پھر سے زیادہ مؤدب انداز اختیار کرتے ہوئے کہنا شروع کیا کہ:

حضورِانور!

"انسانوں کی دنیا میں کسی فرد کی "نجات" ایسے نظام میں مضمر ہوتی ہے جس میں عزت واحترام اور خوشحالی کے مواقع برابری کی بنیاد پر میسر ہوں اور اس کی روح بنا

ذلت اٹھائے نشوونما اور قوت حاصل کرتی رہے کیونکہ "نجات" سے مراد ہی قلب وشعور اور روح کا اطمینان ہے کہ جس میں پچھتاووں اور پریشانیوں سے نکلنے کے راستے موجود ہوں اور ان پر چل کر انسان نہ صرف ہر جنم کے پاپوں کا کفارا ادا کر سکے بلکہ وہ ابدی مسرتیں محسوس کرتا رہے اور بنا کسی فرق کے آزادی کے ساتھ انہیں حاصل کرنے کی تگ و دو کرنا چاہے۔ لیکن آپ جس دھرم کے علمبردار ہیں اس میں اگر کسی فرد کی روح کو پیدائش سے ہی ذلت یافتہ قرار دے دیا جائے اور تمام تر تپسیا اور جدوجہد کے بعد بھی وہ شودر اور اچھوت ہی کہلائے تو آپ یہ کیسے ثابت کریں گے کہ اس دھرم میں اس کے لئے نجات موجود ہے۔"

اس وضاحت نے نیروپ کو اور زیادہ مشکل میں ڈال دیا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ:

"کسی نے ایک زنجیر کے بعد ایک اور زنجیر اس کے علم وشعور پر لگا دی ہو۔"

سامنے بیٹھے ہوئے آشرم کے ایک ممبر نے آگے بڑھ کر ایک کاغذ نیروپ کو تھما دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ:

"یہ وہی نوجوان ہے جس نے آشرم میں در پردہ قرآن کا مطالعہ جاری رکھا ہوا ہے اور دیگر ساتھیوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے۔ اس وقت یہ خود بخود آپ کے سامنے آ گیا ہے۔ اب آپ اسے ایسے جواب دیں کہ یہ پورے ہال میں ذلیل ہو کر رہ جائے اور

آئندہ اپنے دھرم کے خلاف زبان درازی کی جرأت نہ کرے۔"

نیروپ کے ماتھے کی شکنیں کہہ رہی تھیں کہ وہ خود کسی نظریاتی گرداب میں اترتا جارہا تھا۔نوجوان کی وضاحت کے دوران اس نے ہزار بار اپنی دانش کو جھنجھوڑاتا کہ کہیں سے اسے راہنمائی ملے اور وہ اپنے باعلم اور نظریاتی ہونے کا جواز پیش کرسکے مگر تا حال اس کی خرد کی پرواز بے سود تھی۔

جب تک نوجوان کی گفتگو جاری تھی۔نیروپ کی خواہش تھی کہ وہ مزید بولتا رہے تا کہ اسے کہیں نہ کہیں سے جواب میسر آسکے۔نوجوان بھی حال میں موجود انسانوں کا مزاج جانے بغیر مستی میں کہتا جارہا تھا کہ:

جنابِ عالی!

"کسی بھی مذہب یا دھرم نے 'نجات' کو اگر صرف مرکر جی اٹھنے والی زندگی سے ہی منسلک کررکھا ہے تو وہ صرف آدھی سچائی کا پرچار کررہا ہے جو قطعی طور پر بے سود ہے۔اس لئے کہ یہ جنم اور یہ زندگی بذاتِ خود ایک حقیقت اور اٹل سچائی ہے۔اگر یہ زندگی ہی شک و وہم وخوف وسوسوں اور کمتری کے احساسات سے لبریز رہے اور زبانیں پوجا کے الفاظ کہتی رہیں اور جبینیں پرستش کے لئے جھکتی رہیں تو کونسی نجات مل سکے گی۔ یہ سب تو قلب وشعور کے ساتھ فریب ہوگا۔

اور جنابِ والا!

دنیا سے ناتا توڑ کر، رشتوں کے حسین جذبوں سے منہ موڑ کر اگر کوئی پہاڑوں یا غاروں میں پناہ لے لے یا بے حس ہو کر دنیا کو صرف دارالمحن سمجھ کر اس سے نکل نکل جانے کی کوشش کرے تاکہ "نجات" حاصل ہو سکے تو نجات حاصل کرنے کا یہ طریقہ یقیناً کسی بھی دھرم کی اعلیٰ تعلیمات میں شامل نہیں ہو سکتا۔"

بہت سے لوگ سیخ پا ہو رہے تھے اور اس کا منہ بند کرنا چاہتے تھے لیکن اس کی باتوں کے ربط نے فی الحال انہیں اپنی گرفت میں لے رکھا تھا اور نوجوان کہتا جا رہا تھا کہ:

معزز دانشور!

"آپ نے جوای ایم فاسٹر کا حوالہ دیا ہے کہ اس نے مندر سے منسلک تالاب میں اشنان کرنے والوں کو دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کر لیا تھا کہ "وہی نجات حاصل کرنے کا درست طریقہ تھا"۔ لیکن اگر کوئی اچھوت یا شودر وہاں پر اشنان کر لے تو کیا وہ پوتر ہو کر اعلیٰ ذات کا فرد شمار ہونے لگے گا اور کیا اس کی نسل محترم انسانوں کی طرح محترم شمار کی جائے گی۔"

اس نے اپنے سارے اظہار کو سمیٹتے ہوئے بس اتنا کہا کہ:-

جنابِ عالی!

"آپ صرف اتنا بتلا دیجئے کہ اس جنم میں جسے اچھوت قرار دیا گیا ہو وہ کس طرح

محترم ہو کر نجات یافتہ ہو سکتا ہے۔"

نوجوان نے جیسی اپنے سوال کی وضاحت مکمل کی نیروپ چند لمحوں تک اسے دیکھتا رہا۔ اسے یقین ہونے لگا کہ اس کی تحقیق انسانوں کی راہنمائی کے سلسلے میں بے فیض ہی ثابت ہوئی ہے کیونکہ وہ انسان کے بنیادی مسئلے یعنی "نجات" کے بارے میں صحیح سمت اختیار نہیں کر سکا۔ انسانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو جسے چند افراد کے طبقے نے کسی نہ کسی حوالے سے اچھوت، کمتر اور بے محترم بنا رکھا ہے انہیں وہ اپنے نظریات کے حوالے سے کوئی بھی ایسا راستہ نہیں دکھا سکا جس پر چل کر وہ کہہ اٹھیں کہ:

"ہاں! ہمیں بھی عزت و وقار اور اطمینان کی روشنی نصیب ہوئی ہے۔"

ابھی نیروپ نے جواب دینے کے لئے لب کشائی کی ہی تھی کہ ہال میں موجود ایک انتہا پسند ہندو نے غصے اور جوش کے عالم میں اسٹیج پر آ کر ہال والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

حاضرین!

"یہ شخص یقیناً بعض مسلمانوں کا بھیجا ہوا کوئی گماشتہ ہے۔ ورنہ کس کی ہمت تھی کہ آج کے پوتر پروگرام میں بیہودہ سوالات کرے"۔

"اس شخص کی مداخلت سے نیروپ کو اپنے بچاؤ کا طریقہ ہاتھ آ گیا۔ لوگوں کی توجہ نوجوان کے سوال سے ہٹ کر اس کی نیت پر مرکوز ہو گئی اور وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ نوجوان ہندو

دھرم کے خلاف کوئی منصوبہ لے کر بیٹھا تھا۔ چنانچہ چند لمحوں کے دوران دو چار اور نے بھی
اس کی حمایت کرتے ہوئے کہا کہ:

"ایسے نوجوان کسی بھی لحاظ سے معافی کے قابل نہیں ہوتے۔"

اہل اختیار میں سے ایک نے نوجوان کو کرخت لہجے میں کہا:-

"اگر مجھے علم ہوتا کہ تم جوان ہو کر اعلیٰ ذات والوں کے لئے باعثِ ندامت ثابت
ہو گے تو میں تمہیں آشرم میں رکھنے کی بجائے اچھوتوں کی بستی میں پھینک دیتا"۔

نوجوان نہایت اطمینان سے ان لوگوں کی تلخ باتوں کو سنتا اور نیروپ کی طرف دیکھتا
رہا۔ چند نوجوان اسے مارنے کے لئے اٹھے مگر کسی نے کہا:

"لوگو! ذرا ٹھہرو پہلے اسے اپنی گستاخی کا باقاعدہ علمی جواب سننے دو اس کے بعد اس کا
حلیہ درست کریں گے"۔

چند لمحے پہلے نیروپ کو جو کاغذ کا پرزہ بھیجا گیا تھا ان معلومات سے وہ سمجھ گیا تھا کہ
نوجوان یقیناً قرآن اور اسلام سے متاثر ہو کر ایسا سوال کر رہا تھا جو بہت ہی بنیادی نوعیت کا
تھا اور انسانوں میں بلا جواز تفرقہ ڈالنے والے کسی بھی دھرم کی بنیادوں کو ہلا دینے والا تھا۔
لیکن مسلمانوں کے بارے میں وسیع علم رکھنے کی وجہ سے اس نے نوجوان کو جھٹلانے اور اس کا
جواب دینے کی غرض سے یوں اظہار شروع کیا کہ:

میرے عزیز!

"آپ کے سوال کی اہمیت اپنی جگہ پر لیکن مجھے یوں لگتا ہے کہ یہ سوال تم نے اسلام سے متاثر ہو کر کیا ہے لیکن میرا یقین ہے کہ تمہارا دونوں میں سے کسی کے بارے میں بھی بہتر مطالعہ نہیں۔ اسی لئے دل میں اس قسم کے شکوک پیدا ہوتے ہیں اور انسان گمراہی کی جانب جا نکلتا ہے۔"

ہال میں سے ایک جذباتی کی زور دار آواز ابھری:

"بہت اچھے ۔ بہت اچھے"

یوں لگتا تھا کہ ہال میں بیٹھے سبھی لوگ اس کے دشمن ہو چکے تھے اور وہ موقع ملتے ہی اسے دبوچنے والے تھے۔ لیکن وہ اس انتظار میں تھے کہ جواب دینے والا پہلے علم کے زور پر اس کا منہ توڑے بعد میں جسمانی طور پر اس کا حلیہ بگاڑا جائے۔

وہ نوجوان اپنی مستی میں بیٹھا نتائج سے بے خبر اس آگاہی کے انتظار میں دل کے دروازے کھولے جھوم رہا تھا کہ جس کے بارے میں ابھی تک وہ تذبذب میں مبتلا تھا کہ وہ اس کا جواب پالے گا کیونکہ لیکچر دینے والا بہر حال بہت بڑا محقق تھا اور نوجوان آج مطمئن ہو کر جانا چاہتا تھا تاکہ علم و جستجو کے صحرا میں اس کی آوارہ پھرنے والی روح واپس اپنے دھرم کی اسی گم گشتہ سورگ (جنت) میں داخل ہو سکے۔

جواب دینے والے کوہال والوں کی مدد حاصل تھی۔ وہ اس کی ہر بات پر عش عش کر رہے تھے۔ ایک لحاظ سے وہ بغیر جواب دیئے بھی جیت چکا تھا کیونکہ اگر عقیدتیں وراثت میں ملیں تو وہ اس وقت تک جہالت اور کٹرپن پیدا کرتی رہتی ہیں جب تک کہ انہیں سچائیوں کی روشنی میں پرکھ کر شفاف نہ کرلیا جائے۔

نیروپ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا:-

میرے عزیز!

"آپ کی گفتگو میں کسی دوسرے مذہب والوں کے نظریات کی بو آتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں تم مسلمانوں کی حمایت کرنا چاہتے ہو"۔

نوجوان کے خلاف یہ ایک دوسرا تازیانہ تھا اور جذباتی لوگ کہہ اٹھے :-

"واہ جناب واہ"

آپ نے خوب اس کی نیت کو پہچانا ہے۔

نیروپ نے حوصلہ پا کر مزید کہنا شروع کیا کہ:

"جس مذہب کے پیروکاروں یعنی مسلمانوں سے متاثر ہو کر آپ اپنے دھرم کے خلاف سوالات اٹھا رہے ہیں پہلے جا کر انہیں بھی جانچ لیں۔ وہاں ایک سیّد دیگر مسلمانوں سے اپنے آپ کو زیادہ مقدس جانتا ہے اور اتنا کہ اس دھرم میں برہمن بھی ایسا نہیں

کرتا۔

اور سنو!

یہی وہ مسلمان ہیں جو کنیزوں اور غلاموں کو مذہبی طور پر جائز گردانتے رہے ہیں۔تم بتاؤ کہ انسان کی اس سے زیادہ رسوائی اور کیا ہوگی۔"

میرے عزیز تم انہی مسلمانوں کے لٹریچر کے مطالعہ سے متاثر ہوکر اپنے دھرم پر سوال اٹھاتے ہو۔

سوچو کہ!

"بالفرض اگر کوئی مسلمان ہونا بھی چاہے تو وہ کونسا فرقہ اختیار کرے۔ کیونکہ سنی، شیعہ، وہابی اور دیگر تمام فرقے ایک دوسرے کی ضد ہیں تو پھر یہ اسلامی کیونکر ہوگئے اور مسلمان ہونے والا ان میں سے کسی میں بھی داخل ہوکر کیونکر اسلامی کہلاسکتا ہے"۔

اور سنو!

یہی وہ امت ہے جس میں مردہ انسانوں کو خداؤں جیسی تقدیس دی جاتی ہے۔ جہاں گدی نشینوں کا راج ہے۔جہاں قدم قدم پر بھکاریوں نے ڈیرے ڈالے ہیں۔جن کی اذان ایک، نہ کلمہ ایک،جن کی ساری تاریخ اشکوں اور ماتموں سے لبریز ہے۔تم ان لوگوں کی بات کرتے ہو جو مزاروں اور درگاہوں کو تعمیر کرنے اور سنوارنے پر کروڑوں روپے خرچ کر

جاتے ہیں۔تم اس امت سے متاثر ہو جو قبروں کو سنگ مرمر سے ڈھانپتے ہیں اور ان مسلمانوں میں کئی کتے پالنے والے کتوں سے اتنا پیار اور عقیدتیں رکھتے ہیں کہ وہ ان پر کئی انسانوں کو قربان کر دیتے ہیں اور گھوڑوں کو پالنے والے انہیں انسانوں سے بلند تر سمجھتے ہیں۔غرضیکہ وہ جانور، مُردے اور دولت کو انسانوں سے برتر سمجھتے ہیں۔

غور کرو اور سوچو کہ:

"آج تم جس دھرم سے باغی ہو کر نکل جانے کی بات کرتے ہو کم از کم وہاں پتھروں سے تراشی ہوئی حسین مورتیاں ہیں مُردوں کی لاشیں تو نہیں۔

اور سنو!

مُردہ مُردہ ہے اس لئے کہ زمین میں دفن ہو کر اس کا زندہ انسانوں سے رابطہ ختم ہو جاتا ہے۔

نوجوان نے کہنا چاہا کہ:

"اس کا سوال ہندوازم کے بارے میں ہے نا کہ اسلام کے بارے میں" مگر ساتھ ہی بیٹھے ایک خونخوار قسم کے شخص نے اسے زبردستی کالر سے کھینچ کر نیچے ہی بیٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔

نوجوان نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے زوردار آواز میں پھر سے اپنا مؤقف بیان کرنے کی کوشش کی۔

اس نے کہا:

جنابِ والا!

"آپ جیسے محقق کی جانب سے میرے سوال کی روح کو برباد کرنے کی سعی صریحاً زیادتی ہے۔ اس وقت میرا تعلق مسلمانوں سے نہیں ہے نہ ہی میں اسلام کا پیروکار ہوں۔ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ ان کے فرقے کون سے ہیں اور ان کی کیا رسمیں اور رواج ہیں اور وہ ویسا کیوں کرتے ہیں جس کی اجازت ان کا قرآن نہیں دیتا۔ یہ ان کا معاملہ ہے۔ البتہ قرآن میں لکھا ہوا ہے کہ :

"ہر انسان صرف انسان ہونے کے ناتے سے ہی محترم ہے"۔ اس حوالے سے نہ ہی کنیز رکھی جا سکتی ہے اور نہ ہی غلام۔ کیونکہ اس طرح انسان بے محترم ہو جاتا ہے۔" لیکن قرآن کی خلاف ورزی مسلمان کیوں کرتے رہے ہیں یہ ان کا معاملہ ہے۔

جنابِ والا!

"میں اس دوراہے پر کھڑا ہوں کہ جہاں سے ایک راستہ تمام مذہبوں سے انکار کی جانب جا نکلتا ہے اور دوسرا کسی بھی ایسے مذہب کے لئے اقرار کی جانب جو مجھے میری روح کے سوالوں کا جواب دے گا۔ آپ مہربانی سے مجھ پر احسان کیجئے اور میری روح سے وہ کانٹا نکال دیجئے جس کے بارے میں سوال کی صورت میں میں نے آپ سے استدعا کی ہے۔ ورنہ

جنابِ عالی ! میں سمجھوں گا کہ قرآن کی مذکورہ آیت لازوال سچائی ہے کہ جس میں شودر، اچھوت اور سّید انسان ہونے کے ناتے سے برابر کے محترم ہیں اور تب اپنے کاموں کی بناء پر "نجات" کے پیمانوں کے لحاظ سے سزا اور جزا کے برابر کے مستحق ہیں۔

نوجوان نے ذرا جذباتی انداز میں درخواست کی کہ:

حضورِ والا !

میرے سوال کا جواب ضرور دیجئے ورنہ میں حق بجانب ہوں گا کہ میں اس دین کو تسلیم کرلوں جس کا حکم قرآن نے دے رکھا ہے"۔

ابھی وہ نوجوان بمشکل اپنی بات مکمل کر پایا تھا کہ ایک شخص نے بڑے زور سے اس کے منہ پر تھپڑ رسید کیا کہ جس کی آواز پورے ہال میں سنی گئی۔ ابھی وہ سنبھلا بھی نہیں تھا کہ ساتھ بیٹھے دو چار افراد نے اسے گردن سے دبوچ کر بڑے زور سے مارنا شروع کردیا۔ زمین پر گرنے سے پہلے اس کی زبان سے جو آخری الفاظ سنے گئے وہ یوں تھے کہ:-

"اگر میرے سوالوں کا جواب یہی ہے تو پھر مجھے مسلمان سمجھیں۔"

مارنے والوں میں سے کسی نے جواب دیا:

"تم زندہ بچوگے تو مسلمان کہلاؤ گے"۔

سب دوڑ پڑے۔ سارے ہال میں اسے مارنے کے لئے ہر ایک بے تاب تھا۔ مگر بچانے

والا کوئی نہ تھا۔ جس کا جی چاہا اس نے گرے ہوئے نوجوان کو اگر ہاتھوں سے بات نہ بنی تو پیروں سے ٹھوکریں ماریں۔ معلوم نہیں کس کس نے اسے کہاں کہاں مارا کیونکہ جب نیروپ نے اپنے سکالر ہونے کا یہ کہہ کر بھرم رکھا کہ:

"اسے بولنے دیا جائے"

اس وقت تک تو وہ آخری سانس لے رہا تھا اور اس کے دل کی دھڑکن بھی مدہم ہو چکی تھی۔ ایک عمر رسیدہ مگر دانشور ہندو سے نہ رہا گیا اس نے اسٹیج پر جا کر مائیک پر بڑے زور سے کہا:

ظالمو۔ جاہلو!

"اسے زندہ رہنے دو"

انہوں نے کہا:

"کس لئے"

اس نے کہا:

"اس نے ہندو دھرم کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ اس نے صرف وہ کچھ جاننے کی کوشش کی ہے جس کی اسے خبر نہیں۔ اگر تم یوں دیکھو تو اس نے ایک لحاظ سے بہتر ہندو بننے کی کوشش کی تھی۔ جاننے کی خاطر سوال کرنے والے کو جواب میں مار دینا اس جیسے زندہ رہ جانے والوں کے لئے

مزید کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔"

جب اسے مارا جا رہا تھا اور اس کے کپڑے کھینچ کھینچ کر پھاڑے جا رہے تھے تو اس کی جیب سے جیب سائز کا باترجمہ قرآن ظاہر ہو گیا۔ اگرچہ اس سے پہلے اس نے اسلام قبول نہیں کیا تھا پھر بھی یہ قرآن ہر وقت اس کے پاس رہتا تھا اور وہ اس کا کئی بار مطالعہ کرتا رہتا تھا۔ جس شخص کے ہاتھ یہ قرآن لگا وہ بہت خونخوار تھا اس نے اسٹیج پر جا کر ہاتھ بلند کرتے ہوئے حاضرین سے کہا کہ:

سامعین!

"یہ مردود یونہی باغیانہ سوالات نہیں کر رہا تھا۔ یہ مسلمانوں کا بھیجا ہوا ایجنٹ ہے۔ اس کی جیب سے قرآن نکلا ہے اور ہم یہاں کے مسلمانوں کو اجازت نہیں دے سکتے کہ وہ ایسے ایجنٹوں کو بھیج کر ہماری پوتر و پاکیزہ محفلوں کو برباد کریں۔ ہم اس شخص کا ایسا حال کریں گے جو آئندہ کوئی مسلمان ایسی حرکت کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔"

ایک شخص نے طنزاً کہا:

"یہ آشرم میں ایک اچھوت استاد ہے"

گردن پکڑنے والے شخص نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

اچھوت غلام اور نیچ تو ہو سکتا ہے استاد نہیں ہو سکتا۔ اس نے قرآن کو ہوا میں لہراتے

ہوئے سامعین کو مخاطب ہو کر کہا کہ:

لوگو!

"اس کتاب کو پڑھنے والا کس طرح ہندو دھرم پر قائم رہ سکتا ہے؟ ہم بتوں کو سجاتے ہیں ان کی تزئین و آرائش کرتے ہیں وہ ہماری زیارت گاہیں اور پرستش گاہیں ہیں، وہ ہمارے معبد ہیں' صنم کدے ہیں اور یہی ہمارا دھرم ہے اور یہی ہمارا سب کچھ ہے مگر یہ کتاب سرے سے انہیں برباد کرنے کا حکم دیتی ہے۔ ہمارے اور ان کے درمیان کچھ بھی مشترک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اس شخص کو ہمارے سیمینار میں دہشت گرد کے طور پر بھیجا گیا ہے۔"

لوگو!

اس کے زندہ رہنے کا کوئی جواز نہیں۔ ہو سکتا ہے پولیس اسے زندہ چھوڑ دے لیکن یہ ہم سب کا فرض ہے کہ مسلمانوں کو ایسا سبق سکھائیں کہ بھارت میں رہ کر کسی کو سر اٹھا کر اپنے آپ کو مسلمان کہنے کی جرأت نہ ہو۔

اس نے گرے ہوئے نوجوان کو مزید پاؤں سے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا:

"میں سیمینار منعقد کرنے والی ہستی کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جس کی وجہ سے مسلمانوں کا چہرہ بے نقاب ہو گیا۔ اس وجہ سے اب ہمیں پوری قوت سے تشدد پسند ہندوؤں کا

ساتھ دینا چاہیئے اور ثابت کر دینا چاہیئے کہ:

"بھارت صرف ہندوؤں کا ہے۔ یہاں پر کسی اور مذہب والے کو پنپنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔"

پورے ہال نے اس کے جوش و جذبے کو سراہا اور اٹھ کر تالیاں بجائیں۔ حاضرین میں سے ایک اور ہندو بوڑھا جو بہت دیر سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا اٹھ کر اسٹیج پر آ گیا۔

اس نے کہا:

سامعین!

"میں کٹر ہندو ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے۔ لیکن ذرا سوچو کہ یہ سیمینار کس لئے منعقد کروایا گیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ہی ہندو دھرم کے اوپر تحقیقات پیش کرنا ہے۔ بہتر تو یہ تھا کہ یہاں دیگر مذاہب کے علماء کو بھی مدعو کیا جاتا۔ اگر ایسا نہیں ہوا اور ایسے میں کوئی سوالات اٹھاتا ہے تو یہ اس کا بنیادی حق ہے اور امریکہ و یورپ سے ہم نے لانے کے لئے جن سکالروں کا خرچ اٹھایا ہے اور ناز برداری کی ہے تو وہ اپنے دلائل پیش کریں تا کہ ہم بھی فخر کر سکیں اور جہاں تک اس کا تعلق ہے کہ بھارت کو صرف ہندوؤں کے لئے مختص کر دیا جائے تو یہ بھارت کو قتل کرنے والی بات ہوگی۔

ہال میں سے ایک نے اس بوڑھے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

"آپ جو منطق پیش کر رہے ہیں وہ ہمارے جذبات کو ٹھنڈا نہیں کر سکتی۔ آپ اپنے آپ کو ایک طرف خالص اور کٹر ہندو کہتے ہو اور دوسری طرف ایسے دلائل دینے کی کوشش کر رہے ہو جو صریحاً مسلمانوں کے اس ایجنٹ کے حق میں جاتے ہیں۔ اس طرح تم ہندو دھرم کی کون سی خدمت کر رہے ہو۔ ہم سمجھتے تھے کہ ہماری پچھلی نسل کے لوگ اس دھرم کے ساتھ زیادہ وفادار تھے لیکن وہ جو بڑھ بڑھ کر اسے بچانے کی تگ و دو میں ہے اور تم جو اس کے سوالوں کے جواب میں منطقی دلائل کا تقاضا کر رہے ہو تو ہمیں تمہاری حیثیت پر بھی شک ہونے لگا ہے۔"

ہال میں موجود بہت سے لوگوں نے پھر اٹھ اٹھ کر تالیاں بجائیں اور ان دونوں بوڑھوں کے خلاف مُردہ باد کے نعرے شروع کر دیئے۔ نعروں کا شور بڑھتا جا رہا تھا اور نوجوان ہندو ان دونوں بوڑھوں کو ہال سے نکالنے کا مطالبہ کرنے لگے تھے۔

ایک بوڑھے نے باہر جاتے جاتے کہا:

"تم سب کا ہندو دھرم کے ساتھ ہم سے زیادہ وفاداری کا دعویٰ ہے تو ہمت اور دانش ہے تو دو اس نوجوان کے سوالوں کا جواب اور جہاں تک اس سے قرآن کے ملنے کا تعلق ہے تو ہر انسان کا حق ہے کہ وہ گیتا ہو یا قرآن جس کا جو جی چاہے وہ مطالعہ کرے اور میں نے خود قرآن پڑھ رکھا ہے"۔

ہال میں سے ایک کی آواز ابھری:

”اس لئے تمہاری سُر ہم سے نہیں ملتی اور اب ہم تمہیں خالص ہندو ماننے کو تیار ہی نہیں“۔

باہر کے ممالک سے آنے والے چند سکالر دم بخود ایک طرف بیٹھے یہ دل سوز منظر دیکھ رہے تھے۔ان میں سے ایک جو شاید یورپ کے کسی ملک کا سکالر تھا وہ اپنی سیٹ سے اٹھا اور نوجوان کے پاس جا کر کہنے لگا:

لوگو!

”مہربانی سے اسے مت مارو۔ آپ اسے اسٹیج پر لے آئیں اور مجھے کچھ باتیں کہنے دیں۔

نوجوان کو کھینچ گھسیٹ کر اسٹیج پر لایا گیا اور نیروپ کے قدموں میں ڈال دیا گیا۔

وہ لہولہان ہو چکا تھا۔اس کے ہونٹ،سر،غرضیکہ جسم کا کوئی حصہ ہوگا جہاں سے خون نہ بہہ رہا ہو۔ وہ بے سدھ و بے ہوش اکھڑی سانسیں لے رہا تھا۔“

سکالر نے بڑی محبت سے پوچھا:

نوجوان!

" کیا یہ ضروری ہے کہ تم اپنے سوالوں کا جواب مانگو"

نیم مُردہ ہونے کے باعث نوجوان کے شعور تک اس سکالر کی آواز نہ جا سکی اس لئے

وہ کوئی جواب نہ دے سکا۔

سکالر نے کہا:

معزز سامعین!

"گلیلیو نے جب انسان کے اس نظریہ کو جھٹلایا تھا کہ زمین بیل کے سینگوں پر کھڑی نہیں ہے بلکہ گردش کر رہی ہے تو اسے خوفناک حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر کیا گلیلیو کو جھٹلانے والے زمین کی گردش کی سچائی کو جھٹلا سکے ہیں"۔

اور یاد رکھیں کہ!

"بہترین نظریات تلخ اور باغیانہ سوالات کی ہی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ میرے خیال میں "نجات" کے بارے میں اس نوجوان نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کی وجہ سے کسی نہ کسی سچائی کا ضرور کھوج لگایا جا سکتا ہے۔"

ہال میں موجود ایک سیانے نے سیمینار منعقد کرنے والے کو علیحدہ لے جا کر مشورہ دیا کہ اس سے پہلے کہ اس کا پوری طرح دم نکل جائے اسے کسی گاڑی میں ڈلوا کر فلاں پہاڑی کے پیچھے دریائے کرشنا کے کنارے پھینک دیا جائے اور اس پر دو ایک نگراں مقرر کر دیے جائیں تا کہ یہاں پر اس کے مر جانے سے ہنگامے نہ پھوٹ پڑیں اور اس طرح تحقیقات ہوتے ہوتے ہماری شہ رگ تک نہ آ جائیں جس میں ہماری آمدنی و دولت کا

حساب مانگ لیا جائے۔

سننے والے نے کہا:

"تو پھر بہتر ہے اسے دریا میں ہی پھینک دیا جائے"

مشورہ دینے والے نے کہا:

"لیکن بہتے ہوئے دریا میں اس کی لاش پکڑی جاسکتی ہے اور پھر تحقیقات شروع ہوسکتی ہیں۔ دریا کنارے تو کوئی جنگلی جانور بھی اس کا صفایا کرسکتا ہے اور یوں بھی ہال سے نکالتے وقت ادھر ادھر بتلایا جاسکتا ہے کہ اس کے عزیز و اقارب اسے علاج کے لئے اٹھا کر لے گئے ہیں۔"

آشرم کا راہنما جان گیا کہ باہر کے سکالر ہال میں پیدا ہونے والے منظر سے متنفر ہیں اور وہ اس کی داستان اپنے اپنے ملک میں لے جائیں گے جس کے نتیجے میں آشرم کو ادھر ادھر سے ملنے والی امداد کم ہوجائے گی۔ چنانچہ اس نے فوراً مداخلت کرتے ہوئے اظہار کیا کہ:

حاضرین!

آج کا واقعہ بہت افسوس ناک ہے۔ نوجوان کے سوالات سے اگرچہ آپ جیسے معزز لوگوں کے دل دکھے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں لیکن نوجوان بھی ایک انسان ہے یقیناً

غلطی کرسکتا ہے۔ بہرحال ہم اس کا خاطر خواہ علاج کروائیں گے۔ ہم معزز پروفیسر کے شکرگزار ہیں کہ جس نے بہترین دلیل سے ہماری توجہ نوجوان کے اچھے سوالات کو سمجھنے کی جانب دلائی اور ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ ایسا واقعہ پیش نہیں آئے گا۔"

اس کے بعد بعض اختتامی کلمات اور رسموں کے ساتھ سیمینار اختتام پذیر ہوا۔ مگر آشرم کے راہنما نے آشرم کے بعض افراد کو یہ ہدایت کر دی کہ نوجوان کا علاج کروا کر کچھ عرصے کے لئے زندہ رکھا جائے تاکہ اگر کوئی تحقیق وانکوائری ہو تو اس میں پیش کیا جاسکے۔ بعد میں کہیں دور لے جاکر اسے ختم کر دیا جائے اور اسے اس کی حادثاتی موت قرار دے دیا جائے مگر اس دوران یہ معلومات حاصل کی جائیں کہ اسے قرآن سمیت بہت سی دیگر کتب کس کے ذریعے حاصل ہوتی تھیں اور کون اس کی سرپرستی کرتا تھا۔

اگلے روز اخبارات میں جو خبریں چھپی تھیں تو ان میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا تھا۔ اس نوجوان کو دہشت گرد قرار دیا گیا تھا اور حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ اسے تلاش کر کے اس سے اس سارے واقعہ میں پاکستان کے ملوث ہونے کے ثبوت اگلوائے جائیں۔ بعض اخبارات نے اداریوں میں صاف لکھ ڈالا کہ پاکستان بھارت میں نظریاتی اور مذہبی محاذوں پر حملہ آور ہو چکا ہے چنانچہ اس کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیئے۔ انہوں نے

امریکہ کے دفتر خارجہ سے 11 ستمبر کو چھپنے والی اس رپورٹ کو بھی شر انگیز اور لغو قرار دیا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ بھارت میں مسلمانوں اور عیسائیوں کا بلا جواز بے رحمی سے خون بہایا جا رہا ہے۔ انتہا پسند ہندو پارٹیوں نے موقف اختیار کیا کہ:

"یہ انہیں انتخابات میں شکست دلوانے کا منصوبہ اور سازش ہے"

بعض اخبارات نے مزید لکھا اور جس کا عنوان تھا:

"بوڑھے ہندوؤں کی سادہ دلی!" انہوں نے لکھا تھا کہ:

"ان بوڑھے ہندوؤں نے اس نوجوان کے سوالوں کی حمایت کر کے بھارت کی کیا خدمت کی ہے؟ کم از کم انہیں تو خبر ہونی چاہیئے تھی کہ بھارت کی سوسائٹی ہزاروں سال سے اونچی ذات اور نیچ ذات کے فرق پر مبنی نظام تیار کئے ہوئے ہے اور بار بار کے جنم کا عقیدہ بھی اسی پر مبنی ہے۔ اگر ان جیسے افراد کو سمجھ نہیں اور ہندو دھرم گوارا نہیں تو وہ بڑی خوشی سے بھارت ماتا کو چھوڑ کر کسی اور ملک کا رخ کر سکتے ہیں تا کہ بھارت کی پوتر سرزمین ایسے دو دو چہروں والوں سے پاک ہو سکے۔"

البتہ ایک ہندو اخبار نے سخت احتجاجی لہجہ اختیار کرتے ہوئے لکھا کہ:

"ہمارے بعض صحافی حضرات لاشعوری طور پر ایسے لوگوں کے آلہ کار بن رہے ہیں جو بھارت کو اقوام عالم میں رسوا کر کے دم لیں گے اور اگر ہزاروں سال سے کوئی نظام قائم

ہے تو اسے عقلی معیاروں پر پرکھے جانے کی اجازت ہونی چاہیئے۔ کسی کا پرانا ترین ہونا اس کی درستی یا سچائی کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ اس لئے کہ لوگ تو ہزاروں سال تک یہ بھی کہتے رہے تھے کہ زمین بیل کے سینگوں پر کھڑی ہے لیکن آخر کار عقل کے آئینوں نے اسے مسترد کر دیا اور انسان اک بڑے مضحکہ خیز خوف سے آزاد ہوا۔"

اخبار نے مزید لکھا کہ:

"ہمیں تسلیم کرلینا چاہیئے کہ پوری دنیا میں کوئی انسان یا قوم چاہے کتنی ہی اپنے عقائد کی وفادار اور جاں نثار ہو اسے سمجھ لینا چاہیئے کہ اب دنیا میں وہ نظریہ و عقیدہ و مذہب یا دین رہ جائے گا جو سچائیوں کا علم بردار ہوگا اور سچائیاں وہ جو دانش وخرد کے معیاروں کو نکھاریں۔ انہیں بلند تر کریں اور تب خود ان پر پورا اتریں۔ بہرحال کوئی سنے یا نہ سنے جواب دے یا نہ دے اس نوجوان کے سوالات تاریخ کی پیشانی پر نقش ہو چکے ہیں اور ہندو سکالروں پر ان کا قرض رہے گا۔"

اگلے روز انتہاپسندوں کا ایک جتھا وہاں پہنچا اور اس اخبار کے دفتر کو آگ لگا دی گئی اس کا عملہ اور صحافی تو بچ گئے مگر سارا سامان جل کر راکھ ہوگیا۔ بعد میں کئی سالوں تک وہ اخبار دوبارہ اشائع نہ ہوسکا۔

منصوبے کے مطابق نوجوان کو زندہ ہی چتا میں ڈال دینا ٹھہرا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح اس کے مسلمان ہونے کا پاپ دھل جائے گا اور وہ پوتر ہو کر نئے جنم میں بہتر ہندو ثابت ہوگا۔

جلاد لکڑیاں اکٹھی کرتے رہے اور بار بار اسے قہر زدہ نظروں سے دیکھتے۔ ان کا بس چلتا تو وہ اسے آگ میں ڈالے بغیر ہی ریزہ ریزہ کر دیتے۔ ایک جلاد نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زوردار تھپڑ مارتے ہوئے کہا:

"اب جواب کیوں نہیں دیتے ہو۔ اس وقت تو ہمارے عالم کو جھٹلانے کے لئے تمہاری زبان رک نہیں رہی تھی اور اب کُھل نہیں رہی۔ کہاں گیا تمہارا علم اور فلسفہ، ابھی تو چتا جلی ہی نہیں اور تمہاری زبان گنگ ہو گئی ہے اور جب جلے گی تو پھر تمہاری صورت دیکھنے والی ہوگی"۔

اس نے بالوں سے پکڑ کر پیچھے کی جانب جھٹکا دیتے ہوئے کہا:

اے بدبخت انسان!

"تم بدبخت اور ناشکرے ہو کہ جس نے آشرم کی مہربانیوں کو جھٹلایا اور دوسرے مذہب کو گلے لگا لیا۔ تم جانتے ہو یہ مسلمان ہمارے لئے پلید اور اچھوت ہیں اور تم انہی میں جا ملے ہو۔ یہ سراسر آشرم اور ہندو دھرم کی توہین ہے۔ یہ ایک فرد کی ذلت ہوتی تو سہہ لیتے

مگرتم نے پورے دھرم کو نیچا دکھانے کی کوشش کی ہے۔ اسی لئے تمہارا وجود ہمارے لئے ناپاک، مجرم اور گنہگار ہو چکا ہے جس کے لئے یقیناً تمہیں قتل ہی کیا جانا چاہیئے“۔

اسلام کو اپنی روح میں اتارنے کے بعد نوجوان نے اپنا نام محمد غازیا اپنا لیا تھا چنانچہ اس نے ان کی طرف بے نیازی سے دیکھتے ہوئے کہا:

میرے بھائیو! اب مجھے محمد غازیا کے نام سے پکارا کرو اور سنو کہ:

اگرتم میرا جواب سننے اور سمجھنے کے اہل ہوتے تو تمہارے آقا تمہیں قتل گاہ کا داروغہ مقرر نہ کرتے بلکہ تم انسانوں کی دنیا میں محبتوں اور مسرتوں کے پھول نچھاور کر رہے ہوتے اور تم بندھے ہوئے انسان کو تھپڑ مارنے اور قتل کرنے کی بجائے کسی بے سہارا انسان کا سہارا بن کر اس کی دعاؤں کے جھولے میں اطمینان بھرے سانس لے رہے ہوتے“۔

برسات کا مہینہ آ چکا تھا مگر اس سوالات کرنے والے نوجوان کو ابھی تک ہلاک نہیں کیا گیا تھا مبادا کہ باہر کے ممالک سے آئے ہوئے سیمینار میں شرکت کرنے والے انسانی حقوق کی تنظیم کے ذریعے اس نوجوان کو آشرم سے نکلوا کر کسی اور جگہ لے جانے کی کوشش کریں یا اس کی گمشدگی کے بارے میں وہ کسی اعلیٰ سطح پر تحقیقات کا مطالبہ کریں کیونکہ اس واقعہ کے چند ہی دن بعد آشرم کے سربراہ کو ایک غیر ملکی سکالر کی جانب سے جو خط ملا تھا وہ باعث

تشویش تھا۔ اس میں لکھا تھا کہ:

جناب سربراہِ آشرم!

میں شکرگزار ہوں کہ آپ نے مجھے اپنے آشرم کے سیمینار میں مدعو کیا اور قیام کے دوران ممکن حد تک سہولیات بہم پہنچائیں۔

البتہ سیمینار کے دوران پیش آنے والا واقعہ ہر باعلم اور ذی شعور کے لئے تکلیف دہ ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو سوالات کرنے والے نوجوان کی ذہانت کے پیش نظر اسے مزید تحقیق ومطالعہ کے لئے میں اپنے ملک کے فلاں ادارے میں داخلہ دلوا سکتا ہوں جس کے اخراجات ہماری حکومت ہی برداشت کرے گی۔ مزید براں آپ کی سہولت کے لئے میں نے اعلیٰ سطح پر رابطہ کرکے آپ کی حکومت کو بھی اپنی خواہش سے آگاہ کردیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ آپ کی حکومت آپ سے رابطہ کرے گی۔مہربانی سے آپ اس نوجوان کو ہمارے ملک میں آنے تک سہولیات بہم پہنچائیں جس کے لئے میں ذاتی طور پر احسان مند ہوں گا۔

آپ کا مخلص

آئزک ڈیوڈ

اس خط کے دو ایک مہینے کے بعد حکومت کی جانب سے بھی اسے اسی خط کے حوالے

سے آشرم کی پالیسی اور سربراہ کی رائے کے بارے میں پوچھا گیا تھا۔ جس کی وجہ سے آشرم کی انتظامیہ مخمصے میں تھی کہ اس نوجوان کا کیا کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے فی الحال اسے آشرم سے دور دریائے کرشنا کے قریب والی چٹان کی غار میں ہی رکھنا مناسب سمجھا اور جن تشدد کرنے والوں کو اس پر لگا رکھا تھا انہیں ہدایت کر دی گئی کہ وہ اگلے حکم تک اسے زندہ رکھیں اور معذور یا ہلاک نہ ہونے دیں۔ اسی وجہ سے وہ اس پر تشدد تو کرتے مگر محتاط رہتے۔ اتنے دن گزر جانے کے بعد ان کے لئے بھی یہ سوہانِ روح تھا کہ آخر وہ اور کتنی دیر اسے زندہ رکھیں اور تشدد کرتے رہیں۔ وہ تینوں اشخاص حیران تھے کہ وہ نوجوان کس مٹی کا بنا تھا کہ اس پر تشدد کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا اور نہ ہی وہ کسی سے خوف زدہ تھا۔ ان کے لئے زیادہ حیرانی کی بات یہ تھی کہ وہ جب جب اس پر تشدد کرتے وہ تب تب اللہ کا ذکر بڑھاتا چلا جاتا اور وہ تھک ہار کر بیٹھ جاتے۔ انہوں نے کئی بار آشرم سے منسلک بعض سرمایہ داروں کے کہنے پر اس کو دولت اور دیگر پرکشش اشیاء کا لالچ دیا تاکہ وہ قرآن اور اللہ کا ذکر چھوڑ دے اور واپس اپنے دھرم میں آجائے مگر وہ ہر بار یہی کہتا کہ:

"اس نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا ہے اب وہ کسی اور قیمت پر خریدا نہیں جاسکتا"۔

کھانا کھانے کے لئے بھی اس کا صرف ایک ہاتھ کھولا جاتا۔

ایک دن جب وہ سب اکٹھے بیٹھے تھے۔ ان میں سے ایک تشدد کرنے والے نے تنگ آ کر اسے پھر تھپڑ مارتے ہوئے کہا:

"تمہارے جیسے ضدی انسان کو زندہ رکھنا چاہیئے اور نہ مرنے دینا چاہیئے۔ تمہارے لئے یہی سزا بہتر ہے۔"

یہ تب سے شاید دوسری بار تھی جب اس نوجوان نے ان کی کسی بات کا جواب دینا مناسب سمجھا۔

اس نے کہا:

میرے بھائیو!

"اس کیفیت سے میں نہیں آپ گزر رہے ہیں اور آپ کو علم ہونا چاہیئے کہ نہ مرنے اور نہ جینے والی کیفیت اللہ ان لوگوں پر طاری کرتا ہے جو پست ترین جہنم کے حقدار ہوتے ہیں"۔

اور سنو!

"اس وقت اللہ نے جو مجھے اطمینان عطا کر رکھا ہے وہ اس حقیقت کی دلیل ہے کہ میں سچائی پر ہوں"۔

دوسرے نے کہا:

"اگرتم کلمہ پڑھنا چھوڑ دوتو ہم تمہاری جان بخشی کرواسکتے ہیں"

نوجوان نے کہا:

"یہ کلمہ تو میری روح میں اتر گیا ہےاور تب اس کی زبان پر پھر کلمہ طیبہ کا ورد جاری ہوگیا"۔

تیسرے نے طنزاً کہا کہ:

یہ ہٹ دھرم ہےاور اپنی طرف سے اسلام کا غازی بننے چلا ہے۔

پہلے نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا:

"تو یہ محمد غازیا کہلائے گا"

تیسرے نے کہا:

"یہ بچے گا تو کہلائے گا ناں"

اگلے دن آشرم کے سربراہ کی جانب سے نگرانوں کو پیغام ملا کہ:

"اسے کرشنا کے طوفان میں پھینک دیا جائے۔ اگر بچ رہا تو اس کی قسمت کیونکہ یہ بچ ہی نہیں سکے گا اور آشرم میں مشہور کردیا جائے کہ وہ فرار ہوکر دریائے کرشنا پار کرتے ہوئے طوفان کی نذر ہوگیا ہے"۔

چنانچہ انہوں نے یہی کیا تھا مگران کی بات سنتے ہی آشرم میں موجود کئی انتہا

پسندوں نے یہ یقین کرنے کے لئے کہ وہ نوجوان واقعی ڈوب گیا یا بچ گیا دریائے کرشنا کے ساتھ ساتھ سفر شروع کر دیا تھا۔

نوجوان یہ تو جانتا تھا کہ اسے اپنے تجسس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی لیکن یہ کہ انتہائی غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑے گا شاید وہ اس سے بے خبر تھا۔ حالانکہ ہر تحقیق اور غور وفکر کرنے والے کو جان لینا چاہیئے کہ جب وہ تحقیق کرنے کے بعد ثابت شدہ سچائیاں پیش کرے گا تو اسے جمود پسندوں کے قہر کا نشانہ بننا پڑے گا۔ ہر عقیدے والا چاہے اس کا کسی بھی فرقے، مذہب یا نظریے سے تعلق ہو وہ اپنے عقیدوں کو سچائیوں کی آتش میں آزمائش کے لئے کبھی ڈالنا پسند نہیں کرتا۔ یہ ایک خطرناک آزمائش ہوتی ہے۔ اس میں یا تو کوئی پھول بن کر مہک اٹھتے ہیں یا آگ میں سیاہ راکھ ہو جاتے ہیں۔ اس نے بھی اسی آزمائش کا راستہ چن لیا تھا۔ یہ فلاسفروں، اوتاروں اور پیغمبروں کا راستہ ہوتا ہے۔ اسی میں ان پر عشق کی بلند پایہ مسرتیں طاری رہتی ہیں جو مصلحت آمیز انسانوں کے نصیب میں نہیں ہوتیں۔ وہ تیار تھا جو ہو سو ہو۔ سو اس نے بھی ایک لحاظ سے انگاروں پر زبان رکھ دی تھی۔

کنارے پر لگ جانے کا قطعی مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ محفوظ ہو چکا تھا۔ ایک لحاظ سے تو یہ صرف عارضی طور پر دشمنوں کی نگاہ سے اوجھل ہونے والی بات تھی۔ وہ چار چھ ہوتے تو

کوئی ان سے ادھر ادھر ہو لیتا لیکن یہ تو اک ہجوم تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے پیچھا کرنے والے کتنے تھے لیکن یہ ضرور ہے جو تھے وہ بنا اپنے شکار کو لئے واپس جانے والے نہیں تھے۔

اس کے لئے روشنی کی کرن صرف بڑھتی ہوئی سیاہ رات تھی۔ وہ جانتا تھا کہ رات کے اندھیرے میں اور اس طوفانی ماحول میں شاید ہی کوئی ادھر کا رخ کرے اور اگر کوئی آیا بھی تو کرشنا کے سنسناتے جنگل میں داخل نہیں ہوگا۔

اس کے لئے ایک کے بعد ایک پیدا ہونے والے واقعات کسی الف لیلائی ہزار داستان سے کم نہیں تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے سامنے کوئی مہماتی ناول کھل گیا ہو۔ اسے اب صرف اتنا طے کرنا تھا کہ اپنے بچاؤ کے لئے انسانوں یا جنگل کے درندوں میں سے کسی کو چن لے۔ انسانوں کے ہاتھ آجانے سے اس کی موت یقینی تھی لیکن ممکن ہے کہ سامنے آنے والا کوئی درندہ پہلے سے شکم سیری کی بناء پر اسے نظر انداز بھی کر دیتا۔ اس نے لوٹ کر دیکھنے سے بہتر سمجھا کہ جنگل کی راہ لے اور اگر ہمت ساتھ دے تو اس بستی تک پہنچ جائے جو کرشنا کے جنگل کے درمیان نظر آرہی تھی شاید یہ کہ جنگل اسے ماں کی گود کی طرح سبز چادر میں چھپا لے۔

گھٹائیں چھٹ رہی تھیں اور کچھ دیر پہلے کی سیاہ رات کے سینے سے چاند کی بھیگی چاندنی زمین کی جانب بہنے لگی تھی اور آج وہ ملاح طوفانی دریا کی وجہ سے بنا پھیروں کے ناکام لوٹ رہا تھا۔ ملاح اپنے آپ سے سارے دن کی گھٹاؤں، گرنے والی بجلیوں اور دریا کے طوفانی شور کے بارے میں خاموش باتیں کرتا آرہا تھا۔ عمر کے لحاظ سے وہ جوانی کی سرحدوں سے پار نکل چکا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دریا اگر راہ دیتا تو وہ چند پھیرے لگا کر اس دن کے لئے کچھ حاصل کر لیتا۔ مگر دریا کسی سنگدل مہاجن کی طرح تجوریاں بند کئے بیٹھا تھا اور آج کوئی اس سے کچھ بھی حاصل نہ کر سکتا تھا۔ وہ تمام دن اپنی کشتی کو رواں دواں کرنے کے انتظار میں رہا مگر ایسا نہ ہو سکا۔ اس پار لگے اور اس پار رکے لوگ بھی انتظار میں رہے کہ کب دریا اترے اور ان کا کاروبار چلے۔ کئی دلہنیں اپنی پالکیوں میں ادھر اور دُلہے اپنے راہواروں پر ادھر بیتاب و بے قرار رہے۔ بے قراری اپنی جگہ پر مگر زندگی عزیز تر، ایسے میں کون گردابوں کا سامنا کرے۔ تمام دن ان کی امیدوں کی ہملیں عازم سفر نہ ہو سکی تھیں۔ سب نے دریا کے اترنے کو ہی عافیت جانا تھا اور اندھیرے کے بڑھ جانے سے پہلے ہی اپنے اپنے گھروں کی راہ لی تھی۔ ملاح ذرا دیر تک اس امید پر رُکا ہوا تھا کہ شاید کوئی ایک آدھ پھیرا لگ ہی جائے۔ مگر ایسا نہ ہو سکا۔ رات بڑھتی جا رہی تھی۔ اس کے ساتھ گھمبیر سناٹا دریا کے شور سے الجھا ہوا چھایا تھا۔

ملاح نے اپنی کشتی کولنگر اندازہی رہنے دیا اور پتواروں کو زنجیروں سے مزید باندھ کراپنی سائیکل کو لئے پتن کے ساتھ ساتھ دریا کنارے اپنے گھر کو چل دیا۔ رات کا پہلا پہر شروع ہو چکا تھا۔مشرق کی جانب سے چاند اوپر آچکا تھا۔محسوس ہو رہا تھا کہ تھوڑی ہی دیر بعدرات بقعہ نور ہو جائے گی اوراگلے چندروز کے لئے رات کی سیاہیاں فرار ہوکر کہیں اور پناہ لےلیں گی۔ملاح کو اسی راستے پرآتے جاتے اک عمر گزری تھی۔ اگرچہ جوانی کہیں اور بیتی تھی مگر یہ دریا کنارا بھی اسے کئی کہانیاں سناتا تھا اوراب اس علاقے کے رہن سہن کے بارے میں اس سے زیادہ کون واقف تھا۔بھیگی ہوئی ریت پر چاند کی ہر کرن دلہن بن کر اتر رہی تھی اور پہلے کی طرح اپنی مستی میں گئے زمانوں کی دھول لئے وہ چلتا ہی جارہا تھا۔وہ محوِسوچ تھوڑے ہی فاصلے پر گیا ہوگا کہ اسے اچانک دور سے درد میں ڈوبی ہوئی ہلکی سی آواز آئی کہ:

''جانے والے راہی!''اورپھر خاموشی!

یہ جگہ صاف طور پراک ویرانہ تھی اور اس جانب دریا کنارے شاید ہی کوئی اپنی مرضی سے اتر جاتا ہو۔اس نے سوچا کہ شاید کوئی رات کا راہی چلتے چلتے تھک کر گر گیا ہواور وہ پار جانے کیلئے اس تک نہ پہنچ سکا ہو۔ایسے ہی کچھ اورسوچتے سوچتے وہ رکا اور سائیکل سے اتر گیا۔

پتن کی جانب سے نکلنے والا یہ راستہ دوسرے راستوں سے ہٹ کر تھا کیونکہ یہ ان کھنڈرات کی جانب جاتا تھا جو برباد بستی کے تھے اور وہ اب ''عبرت گاہ'' کے نام سے مشہور تھی۔ اس راستے پر اس ملاح کے علاوہ شاید ہی کسی کا گزر ہو اس لئے وہ حیران تھا کہ اس گزرگاہ پر کس نے اسے آواز دی۔ اسے یہ بہت پراسراری آواز لگی۔ اندھیرے میں اسے کچھ بھی واضح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ البتہ ذرا فاصلے پر سرسراہٹ اور بے ربط سے قدموں کی آہٹ نے اسے چونکا دیا۔

اسے پھر آواز آئی کہ:

او جانے والے!

''آپ میرے پاس آئیں مجھے کچھ دیر کے لئے سہارا چاہیئے۔ شروع میں تو وہ پر اسراریت کے خوف میں رہا مگر چند لمحوں کے بعد ملاح نے سوچا کہ اگرچہ یہ کوئی انسانی آواز ہے مگر ایسے میں کسی انسان کا کیونکر ادھر گزر ہو؟

پھر اس نے خود ہی سوچا کہ:

''کوئی بھٹکا ہوا مسافر ہوگا''!

لیکن جدھر سے آواز آ رہی تھی اس جانب جنگل تھا اور پھر دریا کا کنارا اس لئے اس طرف سے کسی کا آنا ممکن نہیں تھا۔

مگراس نے یہ سوچ کر فیصلہ کرلیا کہ طوفانی سیلاب کے اس ماحول میں کوئی بھی بھٹک سکتا تھا اور بھٹکے ہوؤں کے لئے اطراف بے معنی ہوتی ہیں چنانچہ اسے ضرور اس آواز تک جانا چاہیئے۔

آواز دینے والا آہستہ آہستہ خود ہی اس کی جانب بڑھتے بڑھتے قریب آچلا تھا۔وہ جوں جوں قریب آتا گیا ملاح محتاط ہوتا گیا۔ بہت قریب آنے کے بعد آنے والے نے کہا:

دوست!

"مجھے آج کی رات ٹھکانہ چاہیئے"۔

ملاح نے محسوس کیا کہ وہ نوجوان تھکن سے چور، مضمحل سا تھا مگر آواز میں درد کی کسک بھی تھی جس سے لگتا تھا کہ وہ زخم خوردہ بھی ہے۔

اس نے کہا:

"لیکن آپ میرے لئے اجنبی ہیں"

نوجوان نے کہا:

"آپ بھی تو میرے لئے اجنبی ہیں مگر میں آپ سے خوف زدہ نہیں۔آپ چاہیں تو انکار بھی کرسکتے ہیں"۔

اس نے کہا:

"آپ کو کیوں ٹھکانہ چاہیئے"

نوجوان نے کہا:

"اس لئے کہ میرا اس جگہ کوئی ٹھکانہ نہیں"

اس نے کہا:

"اپنے بارے میں کچھ اور کہو"

نوجوان نے کہا:

" فی الحال مجھے فوری آرام کی ضرورت ہے۔ میں یقین دلاتا ہوں کہ آپ مجھے بے وفا اور احسان فراموش نہیں پائیں گے"۔

ملاح نے اس کی جانب دیکھا اور اسے ساتھ لے کر چلنے کی حامی بھر لی۔ راستہ کٹھن تو تھا مگر ایسا نہیں کہ دشوار گزار ہو۔ بس اتنا تھا کہ بستی کے برباد ہو جانے کے بعد راہیں خودرو جھاڑیوں سے اٹ گئی تھیں۔ زیادہ کانٹے دار تھیں اور کچھ صرف پتوں اور جنگلی پھولوں والی۔ البتہ یہ تھا کہ گیدڑ اور جنگلی کُتے عام تھے جس کے لئے ملاح کوئی نہ کوئی ہتھیار اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے نوجوان کو اپنے سائیکل پر ہی بیٹھنے کی دعوت دی۔ راستے کی تلاش میں پہلے بھی جہاں تک چل سکا تھا وہ نوجوان چلتا رہا تھا۔ مگر انسانی ہمت اور سکت

آخر کسی مقام پر جواب دے سکتی ہے۔ نوجوان کو بھی آہستہ آہستہ یہی محسوس ہونے لگا تھا۔

اس نے پوچھ ہی لیا کہ:

"ہمیں اور کتنی دیر سفر میں رہنا پڑے گا"۔ اسے احساس تھا کہ ملاح بوڑھا ہے مگر وہ فی الحال حد درجہ مضمحل تھا اور سائیکل چلانے کے لئے اس کی مدد نہیں کر سکتا تھا۔

ملاح نے جواب دیا:

"سمجھو کہ ہم پہنچے سو پہنچے"۔

وہ پھر خاموش ہو گیا اور اپنی توانائیاں مجتمع کر کے پوری کوشش سے سنبھل کر بے سدھ ہونے کی کیفیت سے بچنے کی تگ و دو میں رہا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ گر جائے اور اس کا بوجھ بن جائے یا گر کر کمزور انسان ثابت ہو۔

ملاح جب اپنے فرسودہ سے گھر میں داخل ہوا تو وہاں کوئی بھی ان کا استقبال کرنے والا نہ تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر چراغ نما لیمپ جلایا اور غازیا کو سامنے ایک چارپائی پر آرام کرنے کا اشارہ کیا۔ ملاح نے غازیا کو جسم کے زخموں پر ہلدی چھڑکنے کے لئے بھی دی اور گرم دودھ میں ملا کر پینے کے لئے بھی پیش کی۔ اسے یہ طریقہ شاید تجربے سے ہاتھ لگا ہو۔ اس سے اتنا ضرور ہوا کہ غازیا آہستہ آہستہ کچھ جسمانی سکون محسوس کرنے لگا۔

ٹھنڈی ہوا کے جھونکوں نے بہت جلد اس کی آنکھوں میں نیند کے جھونکے بھر دیئے اور وہ بے سدھ سا پڑا رہا۔ اسے کچھ خبر نہ رہی کہ کب رات جواں ہوئی اور کب اس کا جوبن ٹوٹا۔ یہاں تک کہ اگلے دن وہ صبح کی جوانی بھی نہ دیکھ سکا۔ اس کی جب آنکھ کھلی تو ملاح اس کے پاس بیٹھا تھا اس نے قریب جا کر پوچھا کہ:

نوجوان!

''اب تم کیسا محسوس کر رہے ہو''۔

نوجوان کی نگاہوں میں تشکر تھا۔ اس نے کہہ دیا کہ وہ زیادہ دنوں تک اس کا مہمان نہیں رہے گا۔ مگر ملاح کا تقاضا تھا کہ شفایاب ہوئے بنا وہ اسے نہیں جانے دے گا۔ ابھی تک ان کا ساتھ صرف ایک رات اور ڈھلتی ہوئی صبح کا تھا مگر ریشمی رویوں نے ایک دوسرے کے دل میں کچھ نہ کچھ جگہ بنالی تھی۔ چار چھ روز میں غازیا سنبھل چکا تھا اور اب وہ اس قابل تھا کہ نئی راہ لے تاہم ملاح کے تقاضے نے اس کے قدم عارضی طور پر روک لئے۔

اخبارات میں بار بار کے احتجاج کی وجہ سے پولیس پارٹیاں سوالات کرنے والے نوجوان کو تلاش کرنے نکل کھڑی ہوئیں۔ یہاں تک کہ وہاں کی صوبائی حکومت نے اس کی بازیابی کی خبر دینے والے کے لئے اچھا خاصا انعام رکھ دیا۔

پولیس کو اس کی خیالی تصویر مہیا کی گئی کیونکہ ان کے پاس اسے پہچاننے کا کوئی ثبوت نہیں تھا۔

اخباروں اور ٹیلی ویژن میں اسے بہت بڑا دہشت گرد قرار دیا گیا اور اس کی وہی تصویر دکھائی گئی۔ سارے میڈیا میں اس واقعہ کی نوعیت کو ظاہر نہیں کیا گیا اور نہ ہی یہ بتلایا گیا کہ وہ ایک ہندو سے مسلمان ہونے والا نوجوان تھا اور اس کی جیب سے "قرآن" نکلا تھا تاکہ لوگ بھارت کے سرکاری وقومی نظریہ سیکولرازم کو تنقید کا نشانہ نہ بنائیں۔ اس خیالی تصویر کی وجہ سے جن کے ذرا بھی نین نقش اس سے ملتے تھے انہیں دھر لیا گیا۔ جس نے وہ خیالی تصویر بنائی وہ قطعی طور پر اصلی شخص سے مختلف تھی۔ کیونکہ اس کی پیروی کوئی فرد کسی ذاتی دشمنی کی بناء پر نہیں کر رہا تھا اس لئے انتہا پسندوں کے گروہ کے احتجاج کی بنا پر پولیس کو یہ ساری کارروائی کرنی پڑ رہی تھی اور وہ جلد سے جلد کسی نہ کسی کو گرفتار کر کے انتہاپسندوں کے غضب سے بچنا چاہتی تھی۔ جو لوگ اس دن ہال میں موجود تھے ان میں سے بعض نے پولیس کی توجہ اس جانب دلائی کہ تصویر حقیقت کے قریب نہیں چنانچہ کئی تصاویر میں سے پھر ایک تصویر عوام میں لائی گئی مگر وہ بھی اصل شباہت سے ہٹی ہوئی تھی۔ بہرحال یہ عمل جاری رہا اور پولیس نے اس کی تلاش تیز کر دی۔ آشرم کے سربراہ کی نشان دہی کے باوجود دریائے کرشنا کے آخری کنارے تک بھی اس کی لاش نہیں ملی تھی اس لئے انتہاپسندوں کو یقین تھا کہ فرار ہونے والا بچ نکلا تھا۔

ملاح نے جہاں اپنا مسکن بنا رکھا تھا وہ کوئی اجڑی ہوئی بستی تھی اور دور تک اس کے

کھنڈرات ہی کھنڈرات تھے۔اس کے باہر ایک جانب جو بورڈ لگا ہوا تھا اس پر ''عبرت گاہ''
لکھا ہوا تھا۔عام لوگ تو وہاں آنا پسند نہ کرتے مگر ملاح مطمئن تھا اور جس گھر کو اس نے
مسکن بنا رکھا تھا وہ لگتا تھا کہ بستی کے کبھی کسی بڑے کا ہوگا کیونکہ برباد ہوکر بھی اس کا
جلال باقی تھا۔ کمزور دل کے افراد تو ویسے بھی اس بستی کو منحوس خیال کرتے ہوئے پاس
بھی نہ پھٹکتے تھے اور جو دلیر بھی ہوتے وہ بھی وہاں ٹھہرنا یا وہاں سے گزرنا پسند نہ
کرتے تھے۔

کچھ روز تک وہ نوجوان ملاح کے ساتھ دریا پر کشتی چلانے جاتا رہا بعد میں جب ملاح شدید
بیمار پڑا تو اس نے اکیلے ہی کشتی سنبھال لی اور ملاح کو آرام کا موقع مل گیا۔لیکن اس نے
ایک روز ملاح کو نہ صرف یہ بتلا دیا کہ اس نے ہندو سے مسلمان ہوکر محمد غازیانام اپنالیا ہے بلکہ
اپنے ساتھ گذرے ہوئے ماضی کے حالات سے بھی آگاہ کردیا۔

خاندانی طور پر ملاح کا اونچی ذات کے ہندو گھرانے سے تعلق تھا۔ اس نے کسی دوسری ذات
کے ایک گھرانے میں پسند کی شادی کا ارادہ کیا۔ کچھ دیر تک دونوں گروہوں میں
کشمکش تو چلی مگر وہ شادی کرنے میں کامیاب ہوگیا اور نتیجے کے طور پر اسے اپنی ذات کے
حقوق اور گھرانے کی جائداد سے ہاتھ دھونے پڑے۔یوں محسوس ہوتا ہے وہ بچپن سے ہی
باغی قسم کا تھا۔ شاید اسی لئے وہ خاندانی کروفر کے انداز نہ اپنا سکا۔بظاہر یہ اس کے لئے

درست نہیں تھا اور جو کچھ اس نے کیا اس سے دونوں مختلف ذات والوں کے درمیان مزید کشمکش پیدا ہوئی۔ایک شب بیوی کے خاندان والوں نے ان پر حملہ کر دیا جس میں اس کی بیوی تو ماری گئی مگر وہ بچ گیا اور ایک بیٹے کی پرورش میں اس نے عمر بیتا دی۔

اس نے بعد میں دریائے کرشنا کے جنوبی پتن پر کشتیوں کی مرمت کی ورکشاپ بنائی جو زیادہ منافع نہ دے سکی اور تب اس نے خود اپنے لئے ناؤ بنا کر ورک شاپ بند کر دی اور اسے ہی آمدنی کا ذریعہ بنایا۔ تشدد پسند اور کٹر ہندوؤں کے لئے یہ علاقہ جنت تھا کیونکہ وہاں کے لوگ ان کے نظریات سے ورغلائے جا چکے تھے اور ان میں زیادہ تر مسلمانوں اور دیگر اقلیتوں کے دشمن ہو چکے تھے۔کوئی اکیلا مسلمان مسافر اگر بغیر رسوائی یا سلامتی سے گھر پہنچ جاتا تو یہ اس کی صرف خوش قسمتی ہوتی ورنہ اس کا کوئی کمال ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ جو تھوڑے بہت عیسائی تھے ان کے گرجے ویسے ہی گرا دیئے گئے تھے اور اس علاقے کے دیگر عیسائی بھی سہم کر مسلمانوں کی طرح نقل مکانی کر گئے تھے۔

ملاح آزاد خیال تھا اور وہ ہندو ہونے کے باوجود کٹر ہندوؤں کی تنظیم کا ممبر بننا پسند نہیں کرتا تھا۔ انہی دنوں دور سے آئے ہوئے دو مسلمان کشتی بانوں نے مقابلے میں مقابلہ جیت تو لیا مگر وہ وہاں کے خونخوار کٹروں کی نذر ہو گئے اور انہیں ذلیل کر دیا گیا وہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ گئے۔ خونخواروں نے اس ملاح سے بھی مسلمانوں کے خلاف بے حساب نعرے

لگوائے۔ ویسے بھی اسے معلوم تھا کہ وہ کٹڑوں کی بات نہ مان کر موت کو دعوت دے گا
لہٰذا وہ چاروناچار مسلمانوں کے خلاف بڑھ چڑھ کر نفرت کا اظہار کرتا رہا۔ اس کی بڑی وجہ
یہ بھی تھی کہ وہ علاقہ بدر ہو کر در بدر پھرنا نہیں چاہتا تھا اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی وہاں کا
طریقہ زندگی اپنا رکھا تھا۔

جب اس کی ملاقات غازیا سے ہوئی تو اسے یہ آگاہی حاصل ہوئی کہ:

"جب کوئی شعور حاصل کر لیتا ہے تو پھر اس کا بغیر شعور کے زندگی گزارنا ناقابل معافی
جرم ہے تب اسے اپنے لئے دھرم اور طریقہ زندگی کا خود انتخاب کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی ایسا
نہیں کرتا تو اس کا شمار اندھوں میں کیا جانا چاہیئے اور جو ایسا کر لیتا ہے وہ اگر دشمن بھی ہو تو
قابل احترام ہے۔"

ایک رات آخری پھیرے کے بعد غازیا لوٹنے لگا تو اسے ہلکے ہلکے جاودانی سروں میں کسی
کے ایک دلنشیں گیت کی صدا سنائی دی کہ:

جب دھڑکنیں بے خوف ہوں — عقل اپنی روح تک آزاد ہو
تب انگلیوں کی پوروں سے — روشنی ٹپکتی ہے
جیسے رات کے اندھیرے میں — کوئی شمع جلتی ہے
جیسے چاند کے پیالے سے — چاندنی چھلکتی ہے

اس نے مڑ کر دیکھا تو ایک بزرگ آتا ہوا دکھائی دیا جو اسے رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ وہ رک گیا۔ آنے والے نے چند لمحوں کے لئے اسے دیکھا اور دریا کے پار اترنے کے لئے کہا۔

غازیا نے اسے بتلایا کہ "رات بہت ہو گئی ہے اور دریا بھی چڑھائی پر ہے۔ بہتر ہے آپ ارادہ ملتوی کر دیں"۔

اس نے کہا:

"مگر مجھے کسی کو پیغام دے کر لوٹنا بھی ہے"۔

نوجوان نے کہا:

"یہ کام تو اگلی صبح بھی ہو سکتا ہے"۔

بزرگ نے جواب دیا:

"تب تک بہت دیر ہو چکی ہو گی"۔

نوجوان نے کہا

"میں نہیں سمجھ سکا"۔

اس نے مسکراتے ہوئے کہا:

"اگر آپ یوں ہی سمجھ جاتے تو میں یہیں سے پیغام دے کے چلا جاتا"۔

نوجوان اس بزرگ کے شفیق لہجے اور شخصیت سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا اور بادلِ نخواستہ اس نے پھر سے کشتی کو چلنے کے لئے تیار کیا اور وہ پار اترنے کے لئے چل دیئے۔ کشتی تھوڑی ہی دور گئی تھی کہ بزرگ نے نوجوان کے کندھے پر بڑے پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

برخوردار!

آپ نے کتنی بار قرآن کو پڑھ لیا تھا۔

نوجوان کے ہاتھ سے جیسے پتوار چھوٹنے لگے وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ ابھی تک وہ جس حلیے میں کشتی چلاتا آرہا تھا اس میں اسے پہچاننا واقعی مشکل تھا۔ حالانکہ اس سے پہلے روزانہ ہی بہت سے لوگ اس کی گرفتاری کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے مگر وہ نہ پہچان سکے اور غازیا اپنی مستی میں کشتی چلاتا رہتا۔ تاہم یہ کشتی اس کی منزل نہیں تھی اور وہ کچھ دنوں تک وہاں رہ کر آنے والی زندگی کے لئے منصوبہ بندی کرنا چاہتا تھا۔

بزرگ کا یہ سوال اور اس میں استعمال کئے گئے الفاظ بتلا رہے تھے کہ اسے کسی بھی قسم کا شک نہیں۔ نوجوان نے مڑ کر اسے دیکھا مگر خاموش رہا۔

بزرگ نے کہا:

میرے عزیز!

”کیا خاموشی ضروری ہے“؟

نوجوان نے کہا:

”جب دریا کی لہریں بلند ہورہی ہیں تو کیا ایسے میں آپ کا سوال ضروری ہے اور کنارہ بھی ابھی بہت دور ہے“۔

بزرگ نے کہا:

”ہماری گفتگو کنارے کو قریب تر کرسکتی ہے کیونکہ ان لمحوں کے لئے ہماری توجہ اس کی جانب نہیں رہے گی“۔

نوجوان نے جواب دیا:

”مگر میری نگاہ صرف کنارے پر ہے“۔

بزرگ نے کہا:

”لیکن جب کشتی گرداب میں ہو تو نگاہیں کنارے دیکھتی رہ جاتی ہیں۔ایسے میں اپنی نگاہوں کا کیا کروگے“۔

نوجوان نے کہا:

”مہربانی سے آپ وضاحت فرمائیں“۔

اس نے کہا:

"تمہارے دل کی کشتی ابھی یقین اور بے یقینی کے بھنور میں ہے۔ تم مذاہب سے نالاں ہو یہاں تک کہ تم اپنے ہونے سے بھی بیزار ہو۔ اس لئے کہ اگر تم نے واقعی قرآن پڑھ لیا ہوتا تو تم کسی کنارے تک پہنچ گئے ہوتے اور تمہاری دانشِ برہانی کے سوالات ختم ہو گئے ہوتے۔

نوجوان یہ باتیں سن کر سکتے میں آ گیا لیکن دلچسپ حیرانی کے عالم میں اس نے جواب دیا کہ:

"جستجو تو جاری رہنی چاہیئے"۔

بزرگ نے کہا:

"کس کی؟"

نوجوان نے کہا:

"اس کی کہ جس کا پتہ نہ چل سکے۔"

بزرگ نے کہا:

"مگر ہاتھوں میں سورج لے کر چراغوں کی جستجو کیا معنی"

نوجوان نے بے ساختہ کہا:

"واہ۔ واہ!"

وہ سمجھ گیا کہ یہ شخص کوئی عام نہیں اور وہ اپنے تمام تر علم کے باوجود اسے دھوکہ دے سکے

گا اور نہ دلائل میں اس سے جیت سکے گا۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ بزرگ نے اسے پھر سے مخاطب ہو کر کہا:

میرے عزیز!

"میں جانتا ہوں کہ اس ہال میں تم سب سے زیادہ باعلم تھے۔ اس لئے وہ تمہارا وجود برداشت نہ کر سکے مگر تمہارے علم کو نورانی دانش کی ضرورت ہے تاکہ تمہارے جذبوں میں توانائی آسکے اور تم دنیا میں ان سچائیوں کو عام کرنے اور منوانے میں کامیاب ہو سکو جنہیں تم تسلیم کرتے ہو۔"

نوجوان نے کہا:

"یہ کیسے ممکن ہے؟"

اس نے کہا:

"قرآن کا مطالعہ اور بڑھا دو۔"

نوجوان نے کہا:

"یعنی"!

بزرگ نے کہا:

قرآن نے آگاہی دی ہے کہ:

''مرو بھی کسی دلیل کیساتھ اور جیو بھی کسی دلیل کے ساتھ''

نوجوان نے کہا:

''مگر میں تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوں''

بزرگ نے کہا:

''قرآن کی دنیا میں چاہے وہ مسلمان ہی کیوں نہ ہو صرف وہ جو حواسِ خمسہ رکھتے ہوئے بھی سچائیوں کو غیر سچائیوں سے علیحدہ نہیں کرسکتے وہ جانوروں کے مقام سے بھی زیادہ گرے ہوئے ہیں اس لئے وہ انسانوں کی طرح محترم نہیں ہو سکتے۔

نوجوان جیسے مسحور سا ہو گیا۔ اس نے کہا:

آپ جب مجھے پہچان ہی گئے ہیں تو سرکار سے انعام حاصل کیوں نہیں کر لیتے؟

اس نے کہا:

''میں سقراط اور بلال بیچ کر ابوجہل اور ابولہب نہیں خرید سکتا''۔

نوجوان نے کہا:

''میں سمجھا نہیں''

اس نے کہا:

''دولت ضروری سہی مگر دانش و عشق رکھنے والا شخص انسانوں کے لئے نعمت ہوتا ہے۔ چند

سکوں کے بدلے اسے کھو دینا ایسا ہی ہے جیسے اس روشنی کے مینار کو برباد کر دیا جائے جسے دیکھ کر دور کے بھولے بھٹکے مسافر درست راہوں اور منزلوں کا پتہ پا لیتے ہیں اور میری نگاہیں دیکھ رہی ہیں کہ تمہارا دل روشنی کا مینار ہے"۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا اور بہت دیر تک خاموش رہا اور کشتی کنارے تک پہنچ گئی۔ وہ بزرگ مستی میں آنکھیں بند کئے کچھ دیر تک بیٹھا رہا۔ رات اور بڑھتی جا رہی تھی اور بعید نہیں تھا کہ دریا کسی وقت بھی طوفانی ہو جائے اور وہ لوٹ کر آ ہی نہ سکیں اور تب انہیں دریا کے اترنے کا انتظار کرنا پڑے۔

نوجوان کبھی دریا کی لہروں کی جانب دیکھتا اور کبھی اس کی طرف۔ اس نے سوچا کہ شاید بزرگ کی آنکھ لگ گئی ہے اور گہری لگ گئی ہے اور وہ درست وقت میں وہاں نہ پہنچ سکے جہاں جانے کے لئے اس نے اس رات میں دریا کی لہروں کا خطرہ مول لیا ہے۔ اس کے ہاتھ اسے جگانے کے لئے کئی بار بڑھے لیکن پھر رک جاتے۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ بزرگ نے نگاہ اٹھائی اور اسے واپس جانے کا اشارہ کیا۔

نوجوان حیران تھا۔ اس نے بڑے ادب سے پوچھا:

"آپ جو پیغام دینے آئے تھے اس کا کیا ہو گا؟"

اس نے کہا:

"پیغام دیا جا چکا مجھے تم سے ملنا تھا اور یہی کچھ کہنا تھا"۔

نوجوان اس کی شخصیت کے حسن سے مسحور اس کے حکم پر واپسی کی راہ پر گامزن ہو گیا۔ اگرچہ وہ پتوار چلا رہا تھا مگر اس کا دل رہ رہ کر قرآن کے ان حوالوں کی جانب چلا جاتا جس کی طرف اس نے نوجوان کی توجہ دلائی تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی روح ان جھلملاتی ہوئی سچائیوں کی جانب محوِ پرواز ہے جس کے لئے اسے ایک عرصے سے تمنا تھی۔ بزرگ ابھی تک خاموش کبھی ستاروں اور کبھی لہروں کو دیکھنے لگ جاتا اور کبھی آنکھیں بند کر لیتا۔ نوجوان کچھ دیر تک اسے دیکھتا رہا۔ آخر اس سے نہ رہا گیا اور وہ اپنی روح کی آواز کے زیر اثر آ گیا۔

نوجوان نے کہا:

"میرے بزرگ مجھے اجازت دو میں کچھ اور جان سکوں"

بزرگ نے کہا:

"بس اتنا ہی جانو کہ جتنا بوجھ تمہاری روح اٹھا سکتی ہے"۔

نوجوان نے کہا:

"اللہ کا علم کیا ہے؟"

اس نے کہا:

”اللہ اپنی صفات میں سارے کا سارا علم ہے“۔

نوجوان نے کہا:

”واہ واہ!“

اس نے پھر پوچھا کہ:

”کچھ زندگی کے بارے میں کہو“

بزرگ نے جواب دیا کہ:

”پچھتاوؤں سے بہتر تو یہ ہے جو لمحے تم پر طاری ہیں انہیں پورے یقین اور بے خوف ہوکر گزار دو۔ پچھلا لمحہ آئے گا نہیں اور اگلا لمحہ اختیار میں نہیں۔ اسے زندگی جانو“۔

نوجوان نے کہا:

”اس طرح تو مستقبل بے معنی ہو جائے گا“۔

بزرگ نے کہا:

اگر حال بے یقینی اور خوف میں گزرے گا تو مستقبل کا ہر معنی بے مسرت ہو گا۔

نوجوان کو یوں لگا کہ جیسے انجان مسرتیں اس کے قلب و شعور میں اترنے لگی ہوں۔

یہاں تک کہ کشتی واپس کنارے پر آ لگی اور بزرگ نے جانے کے لئے قدم بڑھاتے ہوئے کہا:

”باطل کے خلاف اللہ تمہاری حفاظت کرے“۔

اب اس نے اس بات پر توجہ نہ دی کہ وہ شخص کون تھا۔ کہاں سے آیا تھا اور اتنی سی دیر میں اس کی کایا پلٹ کر کہاں چلا گیا۔ اسے یہ خواب سا ساں لگا۔ وہ ان تمام مشکل حالات میں اب اک عجیب قسم کی سرخوشی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل ایسی بے نام مسرتوں میں جھوم رہا تھا جو اس نے کبھی پہلے محسوس نہ کی تھیں۔ اسے محسوس ہوا کہ جیسے امت اسلامیہ کی پوری تاریخ اس کی پشت پر ہے اور وہ بھی آخری نبی کا راستہ اپنا کر اس کے جلیل القدر انسانوں میں شمار ہو سکتا ہے۔ اسے یقین ہو گیا کہ جب نگاہوں میں سچائیاں روشن ہو جاتی ہیں تو زندگی کی سیاہ راتیں بھی نورانی ہو جاتی ہیں۔ وہ بار بار قرآن کو چومتا اس کا جی چاہا کہ وہ اسے چند لمحوں میں پھر سے پڑھ ڈالے“

وہ بار بار اپنے جسم کو ہاتھ لگاتا اور دریا کی لہروں میں کبھی جھلملاتے ہوئے چاند کے عکس کے مقابل اپنے آپ کو دیکھتا تو اسے اپنا آپ اب زیادہ پاکیزہ، باوقار اور حسین محسوس ہوتا۔ اس نے پھر قرآن کو چوم لیا اور آنکھوں سے آنسو پونچھ کر قرآن کو سینے سے لگاتے ہوئے کہا:

اے اللہ!

”صرف تو ہی مجھ جیسے گئے گزرے انسانوں کو باوقار و محترم کر سکتا ہے تیری ہی بارگاہ

ایسی ہے جہاں میرے جیسا بھی پناہ لے سکتا ہے"

وہ دریا کی ریت پر بیٹھا بڑی دیر تک اللہ سے محوِ گفتگو رہا۔ وہ اتنی مستی میں کھو گیا کہ اسے یوں لگا کہ اس کی ساری گفتگو اللہ سن رہا ہے اور جواب دے رہا ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ پوری قوت سے اللہ کا ذکر شروع کر دے اور پوری کائنات کے ساتھ ہم آواز ہو جائے"۔

رات تیزی سے گزرتی رہی لیکن اسے اس کا احساس ہی نہ رہا۔ اس نے آسمانوں کی جانب کئی بار دیکھا بھی لیکن جمیل مسرتوں کے گھیرے میں وہ یہ نہ دیکھ سکا کہ ستاروں کے قافلے جا چکے ہیں اور آخر صبح روشنی کے ہزار نغمے لئے بڑھتا ہی آ رہا ہے یہ گواہی دینے کے لئے کہ صبح صادق دور نہیں۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ آنے والے روشن ستارے سب اسے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ:

"جن کے دل روشن نہیں ہو سکتے وہ انسانوں پر طاری زندگی کے اجالوں کا قتلِ عام کرتے رہتے ہیں اور وہ ابھرنے والی ہر صبح کو روکنے کے در پے ہوتے ہیں اس لئے انسانوں کی بستی میں بس وہی اچھوت ہوتے ہیں کیونکہ وہ سیاہ دلوں کے مالک ہوتے ہیں"۔

وہ بہت دیر تک ان ستاروں کے نغموں سے لطف اندوز ہوتا رہا اور اس کی روح ان کی نغمگی میں جھومتی رہی جن کی کرنوں سے مدھر بھری آواز آ رہی تھی کہ:

''سیاہ راتیں ستاروں کو یوں روشن تر کر دیتی ہیں جیسے مسائل پُر نُور دلوں کو اور نورانی و توانا کر دیتے ہیں اور اندھیرا چاہے کتنا بھی طاقتور ہو وہ کسی چراغ کی ایک کرن کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا''۔

وہ اسی سوچ میں تھا کہ وہ طلسماتی لمحے طویل ہو جاتے اور وہ جی بھر کر اس بزرگ کے ہونٹوں سے شیریں و نورانی آگاہی کے امر چشموں سے پیاس بجھاتا رہتا کہ اسی بزرگ نے پھر اس کے کندھے پر ہوا سے ہلکا، ریشم سے ملائم اور شبنم سے پاکیزہ تر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

میرے عزیز!

''میں کوئی اور نہیں تمہارا نورانی یقین ہوں۔ جو اس شکل میں تمہارے سامنے ہوں۔ تم مسلمان ہونے کے بعد بے یقینی میں داخل ہونے والے تھے اور دوسرے مسلمانوں کی طرح تضادات اور وسوسوں کا شکار ہونے والے تھے۔ سو میرا فرض تھا کہ میں تجھے بھٹکنے نہ دوں کیونکہ ابھی میں تم میں زندہ تھا اور تب وہ ہیولا غائب ہو گیا۔

غازیا نے آنکھیں میچ لیں اور ہلکے سے مسکرا دیا۔ وہ اس درخشاں ہیولے کی محبت آمیز کرنوں کے چھن چھناتے گیتوں میں اتنا کھو گیا کہ اسے خبر ہی نہ رہی کہ شاہ خاور کی حکمرانی کا اعلان ہو چکا ہے اور چار سُو سنہری صبح کی دلہن کی آمد آمد ہے۔ اس سے پہلے کہ لوگ پھر سے

اس کی کشتی کا سہارا لیں وہ اٹھا اور تیزی سے چلتے ہوئے جا کر ملاح کو بتلایا کہ وہ تھکن کے باعث اس دن کشتی نہ چلا سکے گا۔ تب ملاح نے کچھ دیر بعد پتوار سنبھال لیے۔

ملاح کا بیٹا کلدیپ چند دن بعد جب ایک شام دور کے شہر سے واپس آیا تو اس نے آ کر خبر دی کہ کوئی پاکستانی ایجنٹ روپوش ہے اور وہ بہت بڑا دہشت گرد ہے جس کی گرفتاری پر حکومت نے اور فلاں آشرم والوں نے الگ الگ اچھا خاصا انعام مقرر کر رکھا ہے۔ اس کے ہاتھ میں پمفلٹ تھا جس پر تصاویر بنی ہوئی تھیں۔

ملاح نے خبر سن کر کہا:

''اگر وہ دہشت گرد ہے تو ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا بلکہ ہم اس کے ہاتھ آسکتے ہیں''۔

بیٹے نے کہا:

''جو روپوش ہے وہ یقیناً خوف زدہ ہے لہٰذا اس کے خوف سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے''۔

ملاح نے کہا:

''جو روپوش ہے وہ اپنی زندگی چاہتا ہے اور اپنی زندگی کے بدلے میں وہ دوسروں کو موت کی سزا دے سکتا ہے''۔

بیٹے نے کہا:

''ہمارے گھر میں ٹھہرا ہوا مہمان توانا و جری جوان محسوس ہوتا ہے اگر وہ ہمارا ساتھ دے تو

ہم تلاش کرنے والوں کے ساتھ مل کر تلاش کر سکتے ہیں اور کامیاب ہونے پر انعام تقسیم کر سکتے ہیں۔ممکن ہے قسمت ساتھ دے جائے اور ہم اس عمر میں کشتی کھینے کے عذاب سے بچ جائیں“۔

ملاح نے کہا:

”کشتی کھینا عذاب نہیں۔دہشت گرد کا سامنا کرنا عذاب ہوگا“۔

اس نے اپنے بیٹے کو مخاطب کرتے ہوئے مزید کہا کہ:

”تم پہلے دن سے ایسے خواب دیکھتے آ رہے ہو جن میں تمہیں تگ و دو کئے بغیر اچانک سبب لگ جائے اور تم آن کی آن میں لباسِ فاخرہ پہن کر خزانوں کے مالک بن جاؤ“۔

بیٹے نے کہا:

”مگر میں اسباب کی تلاش کے لئے بھرپور تگ و دو کرنا چاہتا ہوں جو جان جوکھوں کا کام ہے“۔

ذرا پرے بیٹھے ہوئے غازیا نے ملاح کے بیٹے سے کہا:

میرے دوست!

”خزانے پیدا کرنے کے لئے تم خود بہت بڑا سبب ہو۔تمہاری آنکھیں،تمہارے ہاتھ اور

تمہارے ادراک سے زیادہ بڑے اسباب اور کیا ہو سکتے ہیں؟ کیا یہ ضروری ہے کہ تم انہیں مفلوج کئے رکھو اور اپنے جسم کو کسی کی تلاش میں صرف کر دو اور اگر تمہیں بسیار محنت کے بعد وہ پھر بھی نہ ملے تو تم اتنے دنوں میں اپنی کتنی مزدوری سے محروم ہو جاؤ گے۔ اور تم اگر چاہو تو ہزاروں راستوں میں سے خزانے پیدا کرنے کے لئے کسی اور راستے کو آزماؤ"۔

ملاح کا بیٹا غازیا کی جانب دیکھنے لگ گیا۔

اس نے کہا:

"پچھلے کئی دنوں سے میرے استفسار کے باوجود آپ نے اپنے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا"۔

غازیا نے ملاح سے پمفلٹ لیا اور اس پر چھپی تصاویر کا بغور جائزہ لینے لگا۔ یہ تصاویر اس کے لڑکپن کی تصویر سے تیار کی گئی تھیں جو کہ پولیس والوں نے آشرم کے رجسٹر سے لے رکھی تھی اور اب اسے کچھ بہتر کر کے چھاپ دیا تھا اور اسی تصویر سے تصوراتی طور پر مونچھوں ،بغیر مونچھوں، داڑھی اور بغیر داڑھی کی تصاویر بھی چھاپ دی تھیں تا کہ روپوش ہونے والا کسی بھی روپ میں ہو تو پکڑا جائے۔ پمفلٹ پر اس کا وہی ہندو نام درج تھا جو کہ رجسٹر پر لکھا ہوا تھا۔ سیمینار کے روز وہ کیمرہ جو سٹیج کے قریب تمام روداد ریکارڈ کر رہا

تھا وہ بھگدڑ میں چکنا چور ہو چکا تھا۔ ویسے بھی اس ہال میں ایک عام سامع اور طالب علم ہونے کی وجہ سے کسی نے بھی سوال کرتے ہوئے اس کی تصویر نہ اُتاری تھی۔

لڑکپن کی تصویر کو اس طرح مختلف روپ دیتے ہوئے جو نقوش بن گئے تھے وہ غازیا سے واضح طور پر مختلف سے لگتے تھے۔ البتہ کوئی بہت زیادہ گہری نظر سے مطالعہ کرے تو شبیہہ مل جاتی تھی مگر اک دم دیکھتے ہی کوئی نہ پہچان سکتا تھا۔

غازیا نے بڑے اطمینان سے یہ پمفلٹ ملاح کو واپس کر دیا۔

ملاح جانتا تھا کہ:

"یہ اسی شخص غازیا کی تصویر ہے مگر ملاح کا بیٹا ابھی تک بے خبر تھا یا شاید ابھی تک اس کا اس سے باقاعدہ تعارف نہیں ہوا تھا۔ ویسے بھی غازیا چاہتا تھا کہ جب تک ملاح کے بیٹے اور اس کے درمیان اعتماد نہ بڑھ جائے اس وقت تک اسے نہ ہی خبر ہو تو اچھا ہے اور یہی استدعا اس نے ملاح سے کر رکھی تھی"

اس کی باتیں سن کر وہ چپ ہو رہا۔ ملاح کچھ زیادہ صحت مند نہیں تھا اس لئے عمومی طور پر کشتی پر جانے سے کتراتا تھا اور جو کچھ پہلے سے میسّر آیا ہوتا اس پر گزارا کر لیتا۔ زندگی کو مادی طور پر سنوارنے کا یہ طریقہ بہر حال کٹھن اور مشکل تھا۔ کشتی کی سواریاں اسے زیادہ پیسے نہ دیتی تھیں کیونکہ اس کام کو نیچوں کا کام سمجھا جاتا تھا اور بے ذرائع ہونے

کی بناء پر وہ کسی سے الجھتا اور نہ ہی کبھی طیش میں آتا کیونکہ ساتھ ساتھ کی بستیاں بڑی ذات والوں کی تھیں اور دور کوئی اگر اچھوتوں کی بستی تھی بھی تو اس کے افراد بس چاکری کے لئے رہ گئے تھے اور وہ ایسے ہی کاموں سے آمدنی حاصل کر کے زندگی گزار لیتے تھے۔ یوں بھی ان علاقوں میں وہ بڑی ذات والوں کی حکم عدولی نہیں کر سکتے تھے۔

پچھلے کئی روز سے ملاح طبیعت کے ناساز ہونے کی بناء پر کام پر نہیں جا رہا تھا اور غازیا کو اس کے ساتھ رہنا پڑ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اسکے بہتر ہونے پر وہ اسے الوداع کہہ دے گا اور کہیں اور جا رہے گا مبادا کہ اس علاقے میں اسکے بارے میں ہوتی ہوئی چھان بین کی وجہ سے پولیس کہیں ادھر آنکلے اور وہ اپنا بہتر طور پر بچ بچاؤ نہ کر سکے۔ اس دوران اس نے ایک شب ملاح سے پوچھ ہی لیا کہ:

آپ کے آس پاس کیا کوئی گھرانہ بھی ہے؟

ملاح نے کہا:

"کبھی تھے۔ لیکن بعد میں ان کے علم کا اندھیرا انہیں نگل گیا۔ یوں سمجھ لو کہ یہ بستی اجڑ گئی خردمندوں کی سازش سے"۔

غازیا نے کہا:

حیرت ہے کہ اس بستی میں کوئی تتلی رقص کے لئے اور کوئی بلبل نغمہ سرا ہونے کے لئے

تیار نہیں۔ بس اک ہُو کا عالم ہے اور دور تک سناٹا۔

یہ سن کر ملاح کو جیسے چپ لگ گئی ہو۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

پھر اس نے اداس لہجے میں کہا کہ لوگ کہتے ہیں:

"اس بستی کی صبحیں رنگ و نور میں رچی رہتی تھیں۔ فصل ربیع آتی تو خوشوں کی سنہری بالیاں جھمکوں کی طرح جھولتیں اور کانچ کی چوڑیوں کی طرح نغمگیں صدائیں دیتیں اور فصل خریف اپنے دھانی آنچلوں کو رم جھم میں بھگو کر پوربی ہواؤں میں رقصاں کر دیتی اور یوں بھیگی خوشبو زندگی کو حسین تر کرنے کے پیغام لئے پھرتی۔ یہ حسین اتنی تھی کہ حسن کی ہر تعریف اس کی جبیں پر نقش تھی اور جمیل اتنی کہ ارم کہنے کو جی چاہے۔ موسمِ گل آتا تو اتنے پھول کھلتے کہ بلبلوں کو شاخیں نہ ملتیں بیٹھ کر گیت گانے کو۔ تتلیاں رقص کرتے کرتے تھک کر گر جاتیں مگر یہ پھولوں کی قطاریں ختم ہونے کو نہ آتیں خوشبو اتنی اور ایسے کہ دور کے مسافر کہہ اٹھتے:

"یہ ہوائیں رحمت نگر کے سوا کہیں اور کی نہیں۔ (یہ نام انہوں نے اللہ کی رحمت کی بناء پر رکھا تھا) اور زمانوں پر نگاہ رکھنے والے یمن کی اس وادی کا حوالہ دیتے جو عذاب کے گھیرے میں آنے سے پہلے اتنی مہکتی تھی کہ بحیرۂ احمر میں داخل ہوتے ہوئے جہازی دُور سے کہہ دیتے تھے کہ یمن کے ساحلوں کی مہک آ رہی ہے"۔

غازیا کو محسوس ہوا کہ جیسے ملاح کی روح اسی زمانے میں پرواز کر رہی ہو اور وہ بتلاتا چلا گیا

کہ:

"کہتے ہیں کہ اس وادی میں بستـــی کی بنیاد ایک ایسے مسلمان نے رکھی تھی جو اللہ کا ولی تھا۔ اس لئے اس کا کوئی فرقہ نہیں تھا اور جو مسلمان اس کے ساتھ آ کر آباد ہوئے وہ بھی یا تو پہلے سے بے فرقہ تھے یا بے فرقہ ہو گئے اور یوں انہوں نے زندگی کا بھرپور لطف اٹھایا۔ وہ ایک بستی ہزاروں بستیوں پر بھاری تھی۔ کسی بھی مذہب کے دہشت گرد، آوارہ انسانوں کے گروہ، ڈاکو، چور، راہزن اور لٹیرے ادھر کا رخ کرتے نہ نظر اٹھا کر دیکھتے۔ وہ لوگ اتنے متحد و خوشحال اور طاقت ور تھے کہ غیر مذہب کے لوگ انہیں رشک بھری نظروں سے دیکھتے اور کئی مسلمان ہو جاتے۔

یہ کچھ بتلاتے بتلاتے ملاح کی آواز بھر آئی اور وہ آنکھوں میں آنسو لئے کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا"۔

ملاح نے کھوئی کھوئی آنکھوں اور کانپتے ہونٹوں سے پھر کہنا شروع کیا کہ بتلانے والے بتاتے ہیں کہ اس بستی کے باہر ایک تحریر آویزاں تھی جو یوں تھی کہ:

"اس بستـــی میں رہنے والے سوائے اللہ کے کسی سے خوف زدہ نہیں اور صرف محمد ﷺ کو آخری نبی تسلیم کر کے اس کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کائنات میں کسی شئے یا ہستی کو مقدس مانتے اور نہ راہنما تسلیم کرتے ہیں۔ دیگر انسانوں کو خبر ہو

کہ یہ لوگ عدل کرنے میں دیر نہیں کرتے اور عدل نافذ کر کے رہتے ہیں۔"

قریب کی بستیوں کے لوگ دیکھتے کہ وہاں جو غریب و نادار، بے کس و مسکین اور بے سہارا تھے انہیں بستی کے لوگوں نے مل کر طاقتور بنا دیا ہوا تھا اور جو جرم و برائی کی طرف مائل تھے انہیں بستی سے نکال باہر پھینکا ہوا تھا کیونکہ وہ اپنا عدل منوا لیتے تھے۔

جو اللہ کا ولی تھا وہ کہتا تھا کہ:

"زمین کے دامن پر صرف جبینوں کے نشان نقش ہو سکتے ہیں۔ سجدوں کی طرز کے نشانات سجدے کرنے والوں کے دلوں میں ہوتے ہیں ان کا کھوج وہاں لگایا جانا چاہیئے"۔

ملاح نے کہا:

سنیوں، شیعوں، وہابیوں اور دیگر فرقے والوں کے درمیان جو پہلا معرکہ پڑا اس میں سب سے پہلے اس تحریر کو ہٹایا گیا اور فرقوں نے مقابلے میں جو تحریریں آویزاں کیں۔ وہ یوں تھیں کہ:

"محمد ﷺ کے دین کا وہی پیروکار ہو سکتا ہے جو محمد ﷺ کے علاوہ فلاں فلاں ہستیوں کو بھی مقدس سمجھے اور ان کی یاد کے بڑھ چڑھ کر دن منائے اور زیادہ سے زیادہ رسمیں ادا کرے"

کہنے والے کہتے ہیں کہ:

ہر سال اس تحریر میں ہستیوں کے ناموں کا اضافہ ہو جاتا اور اس طرح واقعات اور رسموں کا

بھی اضافہ ہوجاتا۔ ماننے والے اپنا سارا سال ان ہستیوں کی رسمیں پوری کرنے یا واقعات کی یاد منانے میں صرف کردیتے۔

کہتے ہیں کہ:

''ہوتے ہوتے اتنی مذہبی رسمیں اور رواج بڑھ گئے کہ سارا سال ان کے تحفظ کے لئے ہر فرقے کے علماء بڑھ چڑھ کر اعلان کرتے۔ لاؤڈ سپیکروں کا شور۔ زنجیروں اور چھریوں سے ماتم کی آوازیں۔ اشکوں اور آہوں کے مناظر ایک کے بعد ایک کا عرس، دن رات وعظیں، ہر گلی میں مسجد، وہابیوں کے احتجاج، سنیوں کے شدید ردعمل، شیعوں کا ان دونوں کے خلاف اتحاد۔ آخر کار وہ سب آپس میں ایسے الجھے اور اایسا معرکہ پڑا کہ ساری کی ساری بستی کو ایک دوسرے نے آگ لگادی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی عورتوں اور مردوں کو قتل کردیا۔ بچے آگ میں جل گئے جو بچ گئے وہ مارے گئے۔ ایک دوسرے کے گھر حویلیاں، مزار، ماتم کدے، وعظ گاہیں غرض جو کچھ تھا سب کچھ کھنڈرات میں تبدیل ہوکررہ گیا۔ جو ایک دوسرے کو نیچا دکھانے، جھوٹا ثابت کرنے اور مارنے نکلے تھے وہ سب مارے گئے۔ جو گولیوں سے نہ مرے انہیں آگ کے شعلوں نے آلیا۔

غازیا ملاح کی باتوں میں منہمک تھا۔ کبھی وہ سوچ میں ڈوب جاتا اور کبھی اس کی توجہ ملاح کی روانی پر چلی جاتی۔

وہ سوچنے لگا کہ:

جس طرح چاند اپنی چاندنی لئے گواہی دیتا ہے کہ سورج روشن تر ہے جس کا وہ عکس لئے پھرتا ہے۔ ایسے ہی وقت اور جگہیں حسین ہیں نہ بدصورت یہ تو بس افراد اور اقوام کے رویوں کا عکس لئے رہتی ہیں۔

بہرحال گزرتا ہوا کوئی بھی لمحہ اس بستی سے پوچھ سکتا ہے کہ:

"کل جو صبح اتنی حسین تھی آج ویران کیوں ہے؟"

تو جواباً اس کی ویرانی بھی کہہ سکتی ہے کہ:

"اگر کوئی فرد یا قوم تہیہ کر لے کہ وہ سچائی اور عدل کو جھٹلا کر دم لے گی تو وہ وراثت میں یقیناً ویرانیاں ہی تقسیم کر کے جاتی ہے۔"

ملاح کی حالت سنبھل نہیں رہی تھی اور سامان زیست بھی کم ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے غازیا سے استدعا کی کہ اگر وہ برا نہ مانے تو مزید کچھ دنوں کے لئے اس کی جگہ پر کشتی کے پھیرے لگا لیا کرے۔ غازیا کے لئے یہ ایک عجیب تجربہ تھا مگر ایسا کہ جو ہر انسان کو جسم کی مشقت سے روزی حاصل کرنا سکھاتا ہے۔ لوگ آتے تھے لوگ جاتے تھے اور وہ مختلف لوگوں کی مختلف موضوعات پر گفتگو سنتا اور لطف لیتا مگر خاموش رہتا۔

اگلے چند روز تک وہ ناؤ پہ صبح ہونے تک رات بھر پھیرے لگاتا رہتا۔ وہ چاہتا تھا کہ ملاح

کی ہاتھ بٹائی کر سکے اور رات کو اکثر بھولے بھٹکے ہی نہیں بلکہ پار والی بستی کے ہندو جوان محنت مزدوری کر کے اور کبھی پسند کی رات گزار کر لوٹتے تو انہیں واپسی کے لئے ناؤ کا سہارا لینا پڑتا۔ اگر یہ ناؤ کسی وجہ سے نہ چل رہی ہوتی تو انہیں دوسرے پتن تک جانا پڑتا جو ان کے لئے تکلیف دہ تھا۔اسی پتن پر اگرچہ اور کشتیاں بھی تھیں مگر رات کا خطرہ کوئی کوئی ملاح ہی لیتا۔ رات کے مسافر کئی بار اس سے پوچھ لیتے کہ ملاح سے اس نے یہ ناؤ رات کے لئے کتنے پر لے رکھی ہے۔ غازیا ادھر ادھر کا حوالہ دے کر بات کو گول کر دیتا۔ مسافروں کا سفر دلچسپ ہو جاتا اور غازیا اپنی دھن میں کشتی کو پار لگا دیتا۔ کئی بار اسے زیادہ پھیرے مل جاتے اور کئی بار کم مگر یہ رات رات پر منحصر تھا۔کوئی رات رنگین ہوتی، کوئی اداس، کوئی پر کشش، کوئی بہت سیاہ، کوئی دودھیا چاندنی میں نہائی، کوئی میلوں بھری، کوئی خالی خالی، کوئی ستاروں بھری، کوئی کالی گھٹاؤں سے سرشار۔لوگ بھی ویسے ہی آر پار آتے جاتے۔ پچھلے کئی دنوں سے یہ رات کو باقاعدگی سے چلنے والی ناؤ ان کے لئے باعث حوصلہ تھی اور شام کو شہر کی جانب جاتے ہوئے لوگ ملاح سے پوچھ جاتے کہ رات کو ناؤ کے پھیرے لگیں گے یا نہیں اور اثبات میں جواب ملنے پر وہ بے دھڑک بھرپور رات مناتے یا کارخانوں میں روزی کمانے والے مزدوری کر کے لوٹتے۔

غازیا نے محسوس کیا کہ آر پار والی بستیاں زیادہ تر کٹر ہندوؤں کے زیر اثر تھیں اور ان

کے جوان حد سے زیادہ جوشیلے تھے۔ انہیں مسلمانوں کے خلاف اتنا بڑھکا دیا گیا تھا کہ وہ کسی بھی حوالے سے مسلمانوں کا نام تک لینا گوارا نہیں کرتے تھے۔ غازیا نے آتے جاتے مسافروں اور نوجوانوں سے باتوں باتوں میں مسلمانوں کے خلاف ان کی نفرت کم کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ وہ لوگ ہمیشہ بپھرے رہتے تھے۔

ہوتے ہوتے ملاح کو غازیا سے اس قدر عقیدت ہوگئی کہ وہ بہت جلد اس کے ساتھ اسلام کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے لگا لیکن غازیا نہیں چاہتا تھا کہ کسی کو بھی اسلام کی طرف زبردستی راغب کیا جائے جب تک کہ اس شخص کے دل میں روشنی حاصل کرنے کی خود کوئی تڑپ نہ اٹھے۔ اس وقت غازیا کے سامنے مستقبل کے لئے طے کئے گئے اس کے اپنے ارادے اور منصوبے تھے جس پر وہ ڈٹا رہنا چاہتا تھا اس لحاظ سے وہ فطرتاً اپنی ہٹ کا پکا تھا اور خطرات کو پہلے بھرپور سمجھتا پھر ان سے نبرد آزما ہونے سے گھبراتا نہیں تھا۔

غازیا نے ایک دن ملاح سے کہا:

''ہم اس عبرت گاہ کو دوبارہ کیوں آباد نہیں کرسکتے''

ملاح نے کہا:

''اجڑنے والی بستیاں دوبارہ آباد نہیں ہوتیں''

غازیا نے کہا:

"مگر یہ قانونِ فطرت نہیں جو اٹل ہو اور بدلا نہ جا سکے۔ اس نے قرآن کی ان آیات کا حوالہ دیا جن کا مفہوم یہ ہے کہ:

"تم (انسان) دیکھتے نہیں ہو کس طرح مردہ زمین پھر سے ہری ہو جاتی ہے"

"اور ہم (اللہ) مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ اٹھا لاتے ہیں۔"

"اور ہم دن کو رات اور رات کو دن میں پروتے چلے آتے ہیں"

ملاح کے لئے غازیا کی قرآن سے محبت اور اپنے ارادوں کے لئے قرآن سے راہنمائی حاصل کرنا مزید قابل رشک اور قابلِ ستائش بنا۔

اس نے کہا:

میرے عزیز!

"تم اپنے فیصلوں پر ڈٹ جاؤ۔ میرے کمزور ہاتھ کچھ کر سکے تو اس بستی کو پھر سے آباد کرنے میں تمہاری مدد ضرور کریں گے"۔

ملاح کا بیٹا کلدیپ بڑا جری اور قوت والا تھا وہ معقول حد تک پڑھا لکھا تھا اور اسی وجہ سے کشتی چلانا اپنے لئے چھوٹا کام سمجھتا تھا۔ روزگار نہ ملنے کی وجہ سے ردعمل کے طور پر وہ اوباشوں کا سرغنہ بن گیا تھا۔ تعلیم کی وجہ سے ذہین، چالاک اور پھرتیلا تھا۔ اسی وجہ سے انتہا پسندوں نے اسے اپنی تنظیم کا ممبر بنا رکھا تھا۔ ایک لحاظ سے اس علاقے میں انتہا پسندوں

کے خلاف اٹھنے والی کسی آواز یا سازش پر اس کا کام نگاہ رکھنا بھی تھا جس کی وجہ سے وہ وہاں کا باقاعدہ عہدیدار بھی تھا۔ چنانچہ اپنے مشن کے مطابق جبر و ظلم کے سلسلے میں وہ اس سے بھی کام لیتے تھے اور وہ ان کے بھروسے کا آدمی تھا۔

غازیانے اس کے باپ کو تو اپنے بارے میں سب کچھ بتلا دیا تھا مگر تا حال اس کے بیٹے سے سب کچھ چھپایا ہوا تھا۔ یہ نوجوان باپ کے کہنے میں نہیں تھا اور اس کی مشقت کی کمائی کو ضائع کرنے میں وہ کوئی عار نہیں سمجھتا تھا۔ انتہا پسندوں کے لئے کام کے بدلے میں وہ جو کچھ لیتا اسے بھی اللوں تللوں میں ضائع کر دیتا۔ جسمانی کام سے جی چراتا تھا اور بڑی ہی مجبوری کی حالت میں اگر کبھی ملاح لاچار ہوتا تو وہ کشتی کے پھیرے لگا لیتا۔ اس پر کوئی نصیحت اور کوئی اخلاقی رمز اثر کرتی ہی نہیں تھی۔ اس دن ملاح گھر پر نہیں تھا اور صبح سے ہی پھیروں پر گیا ہوا تھا۔ انتہا پسندوں کے ساتھ رہ رہ کر اس کی دوسروں کو ذلیل کرنے کی عادت پکی ہو چکی تھی اور جھجک اس لئے نہیں تھی کہ وقت پڑنے پر اس کی ایک آواز پر بہت سے اس کے ساتھی دوڑے آتے اور آتے ہی مقابل سے گولیوں کی زبان میں گفتگو کرتے اسی وجہ سے اس علاقے میں وہ چھپایا ہوا بدمعاش نما شخص تھا۔ انتہا پسندوں میں اس کی مقبولیت بھی اس کی انہی چند باتوں کی بناء پر تھی اور ان کی تنظیم اس لئے بھی منظم اور موثر تھی کہ ان میں اس طرح کے بڑی تعداد میں نوجوان ہوتے تھے۔

ملاح غازیا کے بارے میں سب کچھ جان جانے کے بعد قطعی طور پر نہیں چاہتا تھا کہ اس کا بیٹا غازیا کے بارے میں جان سکے۔ سو اس نے غازیا کو شروع میں ہی اپنے بیٹے کے لچھنوں کے بارے میں آگاہ کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ اس کے ساتھ کسی مقام پر الجھ کر مجھے آزمائش میں نہ ڈال دینا کیونکہ جب بھی کہیں معرکہ پڑتا ہے یا ضرورت پڑتی ہے تو یہاں کے عام اور انتہاپسند ہندو سبھی میرے بیٹے کا ساتھ دیتے ہیں"۔

غازیا کو احسان کے بدلے میں اگر ملاح کی بیماری کی وجہ سے اس کے لئے کشتی نہ چلانا پڑتی تو ممکن ہے وہ کبھی کا نئی راہ پر جا چکا ہوتا اور آج پیدا ہونے والے اس واقعہ سے محفوظ رہتا جو کہ ملاح کے بیٹے اور اس کے درمیان پیش آنے والا تھا۔

اس دن غازیا اپنا رختِ سفر باندھ رہا تھا اور اسے آخری دن جان کر چاہتا تھا کہ دوپہر سے پہلے ملاح کو کشتی پر ہی الوداع کہہ کر کہیں اور چلا جائے کہ ملاح کا بیٹا بڑے خونخوار ارادے سے اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے آتے ہی اسے کرخت لہجے میں کہا:

اجنبی!

"تم ہم میں سے نہیں ہو"

غازیا نے کہا:

"تم کس حوالے سے بات کر رہے ہو"

اس نے کہا:

"تمہارا لہجہ ہم جیسا نہیں ہے"

غازیا نے کہا:

"کیونکہ میں تمہارے دیس کا نہیں ہوں"۔

اس نے غازیا کو گریبان سے پکڑتے ہوئے کہا:

"تم میرے باپ کو دھوکہ دے سکتے ہو مگر میں نے علاقے میں سب پر نگاہ رکھی ہوئی ہے۔"

غازیا نے نہایت اطمینان سے اس سے اپنا گریبان چھڑاتے ہوئے ہلکی سی مسکراہٹ دے کر کہا:

میرے دوست!

"عبرت گاہ میں رہ کر نظر نہ رکھو گے تو خود عبرت بن جاؤ گے۔"

اس نے نئے سرے سے گریبان کو پکڑنے کی کوشش کی تو غازیا نے اسے سر سے اوپر اٹھا کر ذرا پرے زمین پر پٹخ دیا۔ غازیا نے پہلی بار کسی پر ہاتھ اٹھایا تھا اور یہ غصے کی حالت میں نہیں بلکہ بڑا ہی سوچ سمجھ کر اٹھایا تھا۔ اس نے پھر دوسری مرتبہ اسے اٹھایا اور دوبارہ زمین پر پٹخ دیا۔

اب تک اس کی دو چار ہڈیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ وہ اس قابل نہیں رہا تھا کہ جسم کو ذرا بھی

ہلا سکے۔ دونوں بار پٹخے جانے سے اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے سیدھا وہ جہنم زار میں جارہا ہو مگر اس نے پوری قوت سے اپنی چوٹوں اور درد کو سہا تھا۔ اگر چہ وہ مغلوب ہو چکا تھا مگر اس نے ابھی تک اپنی سخت جانی کا بھرم قائم رکھا ہوا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید اپنی چیخوں پر قابو نہ رکھ سکتا مگر وہ صرف کراہ رہا تھا۔

غازیا پھر تیسری بار اسے اٹھا کر سر سے اوپر لے جا کر سامنے پتھر کے اوپر پھینکنے ہی والا تھا کہ اس کے سامنے جیسے فضا میں ملاح کا چہرہ ابھر آیا ہو۔ اس نے بجائے پٹخنے کے اسے زمین پر لٹا دیا۔

غازیا نے بڑے تحمل سے اس سے علیٰحدہ ہوتے ہوئے کہا:

"اگر تمہارے باپ کا مجھ پر احسان نہ ہوتا تو وہ آ کر آج تمہیں شمشان ہی لے جاتا اور لوگ تمہاری چتا کے شعلے دیکھ رہے ہوتے۔ سمجھ لو کہ تمہارے باپ کے احسان کا بدلہ چکا دیا اور اگر وہ آئے تو بتلا دینا کہ آج کے بعد جو تم زندہ ہو تو یہ زندگی تمہیں اس کے احسان کے بدلے میں ملی ہے۔"

"اور تم جو پراسرار بنے رہتے تھے اور میری کھوج میں رہتے تھے اور جا کر پولیس سے انعام لینا چاہتے تھے صرف یہ بتانے کے لئے کہ تم نے اس دہشت گرد کو پکڑ لیا ہے اور تم نے انہیں میرا نام تک بتا دیا ہے صرف یہ ثابت کرنے کے لئے کہ تم بہت بڑے محبِّ وطن ہو"

میرے دوست!

تم دو دفعہ پولیس اسٹیشن جا چکے ہو صرف یہ باور کروانے کے لئے کہ تم ''بہت جلد انہیں اچھی خبر دو گے''۔

لیکن کبھی تم نے ان سے پوچھا کہ:

''جس شخص کو وہ گرفتار کرنا چاہتے ہیں'' کیا واقعی وہ دہشت گرد ہے۔''

غازیانے ذرا غصیلے انداز میں کہا :

''لیکن میرا خیال ہے کہ تم آگاہی کی باریک بینیاں نہیں سمجھ سکو گے۔ تم ایک ایسا دماغ لے کر پیدا ہوئے ہو جو جانوروں کو نصیب ہوتا ہے۔تم صرف ہوس اور لالچ کے غلام ہو''۔

نیچے گرا ہوا نوجوان شدید درد میں تھا مگر زیادہ اونچی کراہنے سے گریز کر رہا تھا اور اس کی باتیں بھی سن رہا تھا۔

غازیانے کہا:

''اب پڑے رہو اور کراہتے رہو اس وقت تک کہ جب تک تمہارا باپ آ کر تمہیں اٹھا نہیں لیتا اور میں سمجھتا ہوں تمہاری ذلتوں کی سزا تمہارے باپ کو بھی ملنی چاہیئے کیونکہ اسی نے تمہاری پرورش کی ہے۔اس لئے کہ کوئی پرورش کرنے والا کل کلاں کو یہ کہہ کر بری نہیں ہو سکتا

کہ اس نے تو جو کچھ بن پڑا اپنی اولاد کے لئے کیا مگر اولاد جوان ہو کر ہاتھ سے نکل گئی۔"

وہ غصے اور جوش میں کہتا گیا کہ:

"یہ سب فراریت اور جان چھڑانے کے بہانے ہیں"۔

"دراصل پرورش کے دوران ہی وہ ان کی لاپرواہیوں اور برائیوں کے ساتھی بن جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ رعائتیں دے دے کر اولاد کو برباد کر چکے ہوتے ہیں۔ تمہارے والد نے بھی تمہیں یوں ہی برباد کر ڈالا ہے اور اب آ کر دیکھ لے تمہارا انجام اور تب تک تم چیونٹیوں کی خوراک بنے رہو۔"

یہ کہہ کر اس نے قدم بڑھائے ہی تھے کہ ملاح کے بیٹے سے درد بھری چیخ نکل گئی کیونکہ عام انسان کا اس حالت میں اس سے زیادہ ضبط مشکل تھا۔ غازیا نے مڑ کر دیکھا تو وہ کراہتے ہوئے تڑپ رہا تھا۔ ایک لمحے کے لئے اس نے سوچا تو سہی کہ یہ شخص اگر بچ گیا یا شفایاب ہو گیا تو انتقام کے لئے متعلقہ ایجنسیوں کو اس کے بارے میں بتلا سکتا ہے مگر پھر سوچا کہ اگر ملاح کے آنے تک یہ یوں ہی پڑا پڑا مر گیا یا وہاں سے گزرنے والے جنگلی کتوں یا گیدڑوں کی خوراک بن گیا تو وہ ایک بھاری بوجھ لئے جیتا رہے گا کہ وہ ملاح جس نے اسے پناہ دی اس نے اس کا ہی بیٹا چھین لیا"۔

وہ واپس مڑا اور اسے اٹھا کر کمرے میں ایک طرف جا کر لٹا دیا تا کہ اس کی بہتر تیمار

داری ہو سکے۔ شام تک اس کے علاج کے لئے جو بن پڑا اس نے کیا۔اس دوران اس نے نوجوان سے کوئی خاص بات نہ کی سوائے اس کے کہ جس کی اسے ضرورت تھی وہ اسے مہیا کرتا رہا۔ملاح کے آنے کے بعد وہ اس کے بیٹے کو اس کے حوالے کر کے چلا جانا چاہتا تھا۔

ذرا شام ڈھلی تو ملاح تھکا ہوا لوٹ آیا۔ کچھ دیر کے بعد غازیا نے اس کے بیٹے کے سامنے اسے لے جا کر سارے واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ملاح کو بیٹے کی حالت دیکھ کر صدمہ تو ہوا لیکن اسے غازیا سے بھی ایک انجانی سی عقیدت ہو چکی تھی۔غازیا نے ملاح کی مہربانیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے جانے کی اجازت چاہی۔ ملاح نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

محمد غازیا!

"کیا یہ ضروری ہے کہ تم مجھے اس حالت میں الوداع کہو کہ جب میرا بیٹا بھی اب میری کوئی مدد نہیں کر سکتا اور اسے اب کچھ کرنے کے قابل ہونے کے لئے کچھ عرصہ درکار ہو گا۔اس لئے اگر تم مجھ پر احسان کر سکتے ہو تو کم از کم اگلے چاند تک ٹھہر جاؤ۔

غازیا نے کہا:

اس کے لئے پورا ایک مہینہ انتظار کرنا پڑے گا۔

ملاح نے کہا:

اس دوران شاید میرا بیٹا سنبھل جائے۔

غازیا نے کہا:

لیکن اس کا سنبھلنا ہم دونوں میں سے کسی ایک کی موت کا باعث ہوگا اور اب وہ اس راہ پر چلتا جارہا ہے جو سلامتی کو نہیں جاتی۔ جس کا انجام سوائے ذلت اور رسوائی کے کچھ نہیں؟"

وردتو تھی مگر اس کا بیٹا اپنے باپ اور غازیا کے درمیان ہوتی ہوئی گفتگو کو سن رہا تھا۔

ملاح نے کہا:

"تو اس دوران میں کس کے سہارے رہوں گا"۔

غازیا نے کہا:

یہ بیٹا پہلے بھی آپ کا کونسا سہارا تھا۔ اگر یہ سہارا بن سکتا تو آپ کے بڑھاپے کو یوں سزا نہ دیتا اور یہ پتوار آپ کی بجائے اس کے ہاتھ میں ہوتے۔

ملاح نے کہا:

"میرا بیٹا میرے لئے چاند کی مانند ہے اور یوں سمجھو کہ میں اگر چاند کو پکڑ نہیں سکتا تو کبھی نہ کبھی اس کی چاندنی میں بیٹھ تو جاتا ہوں۔ مہربانی سے تم کچھ دیر اور ٹھہر جاؤ"۔

غازیا نے کہا:

میرے بزرگ!

میری روح تمہاری آواز کو رد نہیں کر سکتی۔ اس لئے مجھے آپ وفاداروں میں پائیں گے اور آپ کو یاد ہوگا کہ میں نے یہ ہی آپ سے وعدہ کیا تھا سو نبھا رہا ہوں تا کہ کل کو میرا دل میری تحسین کر سکے۔ لیکن دھوکے میں نہ رہنا۔ آپ کا بیٹا آپ کے لئے روشنی نہیں لا سکتا، یہ آپ کی آنکھوں کا نور نہیں بن سکتا، یہ بے وفا اور حریص ہے وہ سامنے گزرتے ہوئے جنگلی جانور کی طرح۔۔۔۔"

ملاح نے کہا:

"جتنا میں اپنے بیٹے کے بارے میں جانتا ہوں کیا تم اس سے زیادہ جانتے ہو"۔

غازیا نے کہا:

"اس نے فلاں فلاں کمزور و ناتواں اچھوتوں کو قتل کرنے کے لئے فلاں فلاں اونچی ذات والے سرداروں سے رقم لے رکھی ہے اور فلاں علاقے کے عیسائیوں کے چرچ کو آگ لگانے کے لئے اس نے انتہا پسندوں کے فلاں شخص سے سودا طے کر رکھا ہے اور مجھے پکڑوانے کے لئے یہ کل صبح آٹھ بجے تک فلاں پولیس اسٹیشن جانے والا تھا کیونکہ گزری ہوئی رات کو اس نے ان سے یہی وعدہ کیا تھا مگر رات کو یہ پولیس والوں کو اس لئے لے کر نہیں آیا کہ کہیں وہ انعام کی خاطر اس کا نام نہ نکال دیں سو یہ فلاں اخبار کے نمائندے کے

سامنے مجھے گرفتار کروانا چاہتا تھا۔"

ملاح کا بیٹا یہ ساری گفتگو سن کر ششدر رہ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس شخص نے اس کی ایک ایک حرکت پر نگاہ رکھی ہوئی تھی اور یہ سب کچھ جاننے کے بعد اگر اس نے اسے زندہ رہنے دیا ہے تو یہ واقعی ایک بہت بڑا شخص ہے اور یہ انتہا پسندوں اور پولیس کے ہاتھ آنے والا نہیں۔ دوسری اہم سوچ وہ جس کے گھیرے میں آ چکا تھا یہ تھی کہ:

"جو شخص ناتوانوں اور کمزوروں کا سہارا بننے کی تگ و دو میں ہے وہ کیونکر دہشت گرد ہو سکتا ہے۔"

ملاح اپنے بیٹے کے بارے میں غازیا سیسب کچھ سن کر جیسے سکتے میں آ گیا ہو اور اس کی روح کے آئینے چکنا چور ہو گئے ہوں۔ اسے یہاں تک تو گوارا تھا کہ اس کا اٹھنا بیٹھنا انتہا پسندوں کے ساتھ تھا مگر یہ کہ وہ دھیرے دھیرے قاتلوں کی صف میں شامل ہو جائے گا گوارا نہیں تھا اور یہ اس کی برداشت سے ہی باہر تھا۔ وہ خود بھی کٹر ہندو تو تھا مگر یہ کہ اس کا بیٹا عیسائیوں کے گرجے کو آگ لگا کر جرم عظیم کا مرتکب ہو قطعی طور پر قبول نہیں تھا۔ اس نے آنکھوں میں آنسو لئے غازیا کو مخاطب ہو کر کہا:

میرے عزیز!

"حیرت ہے تم نے یہ سب کچھ جاننے کے بعد بھی اسے زندہ رہنے دیا۔ اس لئے اب

میں نہیں چاہتا کہ آپ یہاں رہ کر اس کا نشانہ بن جاؤ۔ میرے ساتھ جو گزرے گی سو گزرے گی لیکن تم وہاں چلے جاؤ جہاں تک اس کی رسائی نہ ہو سکے اور تمہارے دشمنوں کے خونی پنجے تم تک نہ پہنچ سکیں اس لئے کہ جن لوگوں سے اس نے رابطہ کر رکھا ہے وہ یہاں تک ضرور آئیں گے اور پھر نتائج کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔"

غازیا نے اس کی جانب الوداعی نگاہوں سے دیکھا اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ وہ شاید چند قدم ہی گیا ہوگا کہ اس کے بیٹے نے کراہتے ہوئے پورے زور سے اسے واپس آنے کی صدا دی۔ اس بار اس کی آواز میں سوز بھی تھا اور درد بھی۔

غازیا کے دل نے کہا:

"اس آواز کا درد عامیانہ نہیں ہے"

"اس لئے لوٹ جانا بہتر رہے گا"

عقل نے کہا:

"اٹھتے ہوئے قدم واپس نہیں ہونے چاہئیں۔ نئی منزل زیادہ محفوظ و پرسکون ہو سکتی ہے۔"

دل نے کہا:

"ممکن ہے نئے لوگ اتنے درد سے آواز نہ دیں جتنی کہ یہ آواز ہے۔ بہتر ہے لوٹ جاؤ اور اس کی بات سن لو"۔

عقل نے کہا:

"مجرم اور گنہگار راہ سے ہٹے ہوئے لوگ ہوتے ہیں وہ بھروسے کے قابل نہیں ہوتے۔ان کی طرف لوٹ جانا فریب میں مبتلا ہونے کے مترادف ہوتا ہے"۔

دل نے کہا:

"یہ اٹل قانون نہیں" ضروری نہیں کہ ہر دشت صرف کانٹے ہی اُگلے۔ کئی برسات اور محنت والے ہاتھوں کے انتظار میں ہوتے ہیں تا کہ پھلوں سے اور پھولوں سے زمین کا دامن رنگین کرسکیں۔ایسے ہی انسان کے دل وشعور کا حلقۂ دامن اتنا بھی تنگ نہیں کہ ان پر محبت کی سچائیاں اور واقعات کی آگاہیاں نازل نہ ہوسکیں۔

اس نے سوچا کہ:

"یہ جتنا سخت جان اور سخت دل ہے اگر راہ پر آ گیا تو بہتر ساتھی ثابت ہوسکے گا۔"

یہ سوچتے ہوئے اس کے قدم کچھ دیر کے لئے رک گئے تھے۔وہ آگے بڑھنے یا لوٹ جانے کی کشمکش میں تھا کہ ایک بار پھر اس کی آواز نے اسے واپسی کیلئے مجبور کر دیا۔ وہ مڑ کر اس کے قریب چلا گیا اور اس کے سر پر جا کر اپنا محبت بھرا ہاتھ رکھ دیا۔ غازیا نے دیکھا کہ:

اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملا رہے تھے۔ اس کے کئی بار ہونٹ کانپے مگر بات نہ ہوسکی۔ غازیا نے اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا:

”مجھے یقین ہے کہ مجھے ایک بہادر ساتھی مل گیا ہے اور تم یقین رکھنا کہ تم نے سوزِ محبت سے مجھے واپسی کے لئے آواز دے کر خسارے کا سودا نہیں کیا۔

اگرچہ بعد میں پولیس کو فریب دے کر کلدیپ نے جان چھڑا لی تھی مگر اب یہ بات عام ہو چکی تھی کہ آشرم سے بھاگنے والا زندہ ہے اور اس کا نام غازیا ہے مگر تا حال اس کی پہچان کے لئے کوئی صحیح تصویر سامنے نہ آئی تھی۔ ان علاقوں میں غازیا نے بھی اپنا نام سوائے ملاح اور کلدیپ کے کسی پر ظاہر نہ کیا ہوا تھا۔

پچھلے دنوں سے کسی نیلا دیوی نام کی خاتون کے سوئمبر کا چرچا تھا سو اِس سوئمبر کی تیاریوں کی ہما ہمی میں یہ بات دب گئی کہ آشرم سے فرار ہونے والے کی گرفتاری کے لئے شروع کی گئی جدوجہد جاری ہے۔ بس اتنا تھا کہ غازیا جب آر پار کے پھیرے لگا رہا ہوتا تو بعض پولیس والے جو سادہ کپڑوں میں ہوتے وہ اسے ایک سادہ ملاح جان کر بہت سے پمفلٹ یہ کہہ کر دے جاتے کہ:

”مسافروں میں اسے بانٹتے رہنا اور اگر کبھی کسی پر شک گزرے تو اس کے بارے میں فلاں قریب کے تھانے میں اطلاع کر دینا“۔

”ملاح کی حیثیت سے غازیا وہ پمفلٹ بانٹتا رہا۔ اس کا ایک فائدہ اسے یہ بھی ہوا کہ کسی کو بھی شائبہ تک نہ ہوا کہ پمفلٹ بانٹنے والا دراصل وہی ہے جس کی کہ پولیس کو تلاش ہے

یا جس کی گرفتاری پر اچھا خاصا انعام رکھا جا چکا ہے۔ غازیا کو یوں بھی اعتماد تھا کہ پمفلٹ پر چھپنے والی تصویر اس سے بہت ہی کم ملتی ہے اور اس طریقے سے تو ویسے بھی کوئی اس کی طرف نظر بھر کر نہ دیکھتا"۔

کشتی کے پھیرے اسے ان علاقوں کے لوگوں کے کلچر سے واقفیت کروانے میں اہم کردار ادا کر رہے تھے۔ عبرت گاہ کے اردگرد بسنے والے مسلمانوں کا صفایا کر دیا گیا تھا۔ اچھوتوں کے ساتھ خون خرابہ کر کے انہیں مزید جنوبی جانب دھکیل دیا گیا تھا اور دوسرے کم ذات والے اپنے جیسوں کا حشر دیکھتے دیکھتے ادھر ادھر کوچ کر چکے تھے اور اب وہاں کسی کی مجال نہیں تھی کہ دم مارتا۔

اس کی کشتی پر سوار جب ظلم کے مارے سفر کر رہے ہوتے اور عورتیں آنسو بہا رہی ہوتیں اور بچے اپنی چھاتیوں سے ہاتھ لگائے کسی نجات دہندہ کے منتظر بیٹھے ہوتے تو اس کا دل بے قابو ہو جاتا مگر وہ بڑی قوت سے اپنے اُبلتے ہوئے جذبوں پر قابو پا لیتا مبادا کہ وہ فوری طور پر کسی آگ وانتقام کا شکار ہو جائے مگر آہستہ آہستہ اس کا شعور اسے نئی حکمت عملیوں کے بارے میں آگاہی دینے لگا۔

غازیا کی عادت تھی کہ بولے بغیر زیادہ اشاروں سے ہی کام لیتا تھا تاکہ کہیں کسی چھوٹی سی بات پر اسے الجھنا نہ پڑے۔ اس کی رائے تھی کہ:

”موزوں وقت پر ہلکا سا غیر موزوں لفظ حالات کو بگاڑ دیتا ہے۔ دلائل شروع ہو سکتے ہیں اور تلخیاں بڑھ سکتی ہیں“۔

اسی دوران ایک دن ایک شخص اس کی کشتی میں آ کر بیٹھ گیا۔

بیٹھنے والا اچھی عمر کا شخص تھا۔ دریا کے اس کنارے کے قریب پہنچ کر اس نے بتایا کہ وہ فلاں جگہ پر اپنی بیٹی اور اس کے بچوں کو لینے جا رہا ہے۔ اسے زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑے گا کیونکہ وقت ان سے طے ہو چکا ہے اور وہ چند قدموں کے فاصلے پر مندر کے پاس صرف اس کے انتظار میں ہونگے“۔

وہ شخص پار والے پتن پر جا کر اتر گیا۔ غازیا نے کشتی کو عارضی طور پر لنگر کیا اور ستانے کے لئے پاس والے برگد کے سائے تلے چل پڑا۔ یوں بھی وہ اب تک تھک چکا تھا۔ اترنے والا شخص بڑی تیزی سے مندر کی جانب چلا گیا جو اس برگد کے دائیں طرف ذرا اٹھے ہوئے ٹیلے پر تھا۔

اس شخص کا اپنی بیٹی کو اتنی محبت اور وقار سے لانا غازیا کو اچھا لگا۔ وہ برگد کے سائے تلے لیٹا اس کی زمین سے لگی شاخ کو پکڑے سوچ ہی رہا تھا کہ اچھے خاندانوں میں بیٹیوں کو کتنا وقار اور محبت دی جاتی ہے کہ اسے سامنے اسی مندر کے پاس ہلکا سا شور سنائی دیا۔ یہ تلخ قسم کا شور تھا جو عمومی گفتگو کے شور سے مختلف تھا۔ وہ اسی شاخ کے سہارے تیزی سے اٹھا اور بادل

نخواستہ اس مندر کی جانب چل دیا۔

مندر کے باہر ہی سے اسے عجیب منظر نظر آیا۔ وہ کچھ لمحوں کے لئے دم بخود سکتے کی حالت میں کھڑا رہا۔ اس نے دیکھا کہ کشتی سے اترنے والے شخص کو ایک شخص دھکے دے کر مندر سے نکال رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:

"تمہیں کیسے جرأت ہوئی کہ اس مندر میں آؤ جو بڑی ذات والوں کے لئے ہے اور جہاں گیتا پڑھی جا رہی ہے"۔

دھکے کھانے والا کہہ رہا تھا:

"مگر میں اچھوتوں کا سردار ہوں"

اور دھکے دینے والا کہہ رہا تھا:

"لیکن تم ہو تو اچھوت"

اس کی بیٹی اپنے بچوں کو لئے باپ کی اس طرح توہین ہوتے دیکھ رہی تھی مگر سہمی ہوئی سراسیمگی کے عالم میں کھڑی تھی۔ اس کا بس نہیں چلتا تھا کہ آگے ہو کر اپنے باپ کو بچائے کہ جس کے دھکے دینے والوں نے کپڑے تک پھاڑ دیئے تھے۔

پچھلے کئی دنوں سے غازیا ایسے مناظر دیکھتا آ رہا تھا اور بار بار اپنے اوپر قابو پانے کی مشق میں لگا رہتا مگر اس بار وہ ضبط نہ کر سکا۔ اس نے آگے بڑھ کر دھکے دینے والے

کے ہاتھ کو روکتے ہوئے کہا:

"اسے کیوں دھکے دے رہے ہو؟"

انہوں نے کہا:

"یہ نجس اور اچھوت ہے"

غازیا نے کہا:

"مگر یہ بھی ہندو ہے"

انہوں نے جھنجھلا کر کہا:

یہ کمترین اور اچھوت ہیں۔ ان کے لئے ہندو مت نے الگ ضابطہ بنا رکھا ہے۔

اس نے کہا:

"یہ انسانوں کا بنایا ہوا نظام ہے جو فرسودہ ہو چکا ہے اس لئے اسے بدل دیا جانا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مقدس نہیں ہوسکتا۔ تم اچھوتوں کو جینے دو۔ وہ یہ زمین چھوڑ کر کہاں جائیں۔"

انہوں نے کہا:

"ان مندروں سے اتنی دور کہ جہاں ان کے کانوں میں گیتا کی آواز نہ جا سکے۔

اس نے کہا:

"مگر یہ سرزمین ہی مندروں کی ہے۔ پھر ان سے دور وہ کہاں جائیں"؟

انہوں نے کہا:

"تو تم ہمیں کیا سبق دینا چاہتے ہو"؟

اس نے کہا:

"یہ کہ انتہا پسندی کی تمہاری روش بھارت کو برباد کر کے اس پر زوال طاری کر دے گی۔"

ایک کرخت لہجے والے نے آگے بڑھ کر کہا:

"تم ملاح ہو اور اپنے کام سے کام رکھو اور بتلاؤ کہ تم ہمارے طریقوں سے کیوں اختلاف کرتے ہو۔"

اس نے کہا:

"اس لئے کہ جس انتہا پسند نظام کی تم بات کرتے ہو یہ تمہارے بھگوان کا نہیں بلکہ انسانوں کا بنایا ہوا ہے۔ اس لئے وہ محترم اور قابل اعتبار نہیں ہو سکتا۔ اس وجہ سے تم ان رسموں کا دفاع بھی نہیں کر سکتے جنہیں چند انسانوں نے اپنے مفادات کے لئے تیار کر کے لاگو کر رکھا ہے اور اب اس نظام کو مسترد کر دینا چاہیئے"۔

وہاں اکھٹے ہو جانے والے ہندوؤں کو مشتعل کرتے ہوئے کرخت لہجے والے نے کہا:

یارو سنو!

"نیچ لوگوں میں جب کوئی جوشیلا پیدا ہو جاتا ہے تو وہ نیچوں کو اکساتا ہے اور اُن کے حقوق

اور بیداری کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ حالانکہ اسے علم ہونا چاہیئے کہ بھگوان نے انہیں صرف زندہ رہنے اور مرنے کے لئے پیدا کیا ہے اور ہمیں بہتر طور پر زندہ رہنے اور بہتر طور پر مرنے کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر کسی کو شک ہے تو وہ اگلے جنم میں پوچھ لے بھگوان سے کہ اس نے ایسا کیوں کیا"۔

ملاح (غازیا) نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

یہ تمہارے معاشرے کی خطا ہے ان کے جنم کی خطا نہیں۔ اور غور سے سن لو کہ:

"دنیا میں اب یہ نظام نہیں ہے"۔

ایک بوڑھے انتہا پسند اور کٹر ہندو نے آگے بڑھ کر کہا کہ:

"تم جاہل ہو اور نہیں جانتے کہ یہ نظام کی خرابی نہیں بلکہ دنیا میں عقل کی خرابی ہے۔ نیچ ذات والے فطرتاً نیچ ہوتے ہیں اس لئے نیچ ذات والوں کے لئے جو نظام وضع کیا گیا ہے وہ اسی میں بہتر رہ سکتے ہیں"۔

ملاح نے کہا:

"مگر اس طرح کے نظریات رد کئے جا چکے ہیں"۔

انہوں نے مشتعل ہوتے ہوئے کہا:

"تو تم اچھوتوں کی وکالت کرنے آئے ہوتا کہ انہیں پستی سے اٹھا کر ہمارے سروں پر

بٹھا دیا جائے"۔

انہوں نے دانت پیستے ہوئے کہا:

"دوسرا راستہ ان کی سماعتیں ختم کر دینے والا ہے جو ان کے لئے آسانیاں پیدا کر دے گا اور

یہی ہمارے آباواجداد کرتے آئے ہیں"۔

اس نے کہا:

"مگر اس طرح تو وہ پرندوں کی آواز تک نہیں سن سکیں گے۔ وہ تو بے زبان ہو کر رہ جائیں

گے۔"

اس بوڑھے ہندو نے کہا:

"تم ملاح ہو۔ ہم پھر تمہیں وارننگ دیتے ہیں کہ:

"ہمارے راستے میں مت آؤ"۔

اور سنو!

ہم اونچے لوگ نسل در نسل اپنے دھرم کے اونچ نیچ پر مبنی نظام کو بچاتے آرہے ہیں۔

اس کے راستے میں ہمارا کوئی بیٹا یا بزرگ بھی آئے گا تو ہم اسے کاٹ کے رکھ دیں گے۔ ہم

یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ نیچ ذات والوں میں کوئی سر اٹھا کر مندر کا سہارا لے کر اس

علاقے کے پورے نظام کو ملیا میٹ کرنے کی بات کرے۔

غازیا نے اچھوتوں کے سردار، اس کی بیٹی اور بچوں کو کشتی کی جانب جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بڑی ذات والوں کو اتنا ضرور کہا کہ:

"جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ ان کیلئے بھگوان کا فیصلہ نہیں ہے۔ان کے لئے بھی گیتا اتنی ہی مقدس ہے جتنی تمہارے لئے اور ان کے لئے بھی یہ مندر اتنا ہی مقدس ہے جتنا تمہارے لئے"

وہ یہ کہہ کر انہیں لئے مندر کی سیڑھیوں سے اتر گیا اور کشتی میں سوار کر کے پار والے پتن کی جانب چل دیا۔

وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا کہ:

"دریافت ہونے والے کھنڈرات واقعی ایسی گواہی دیتے ہیں کہ پرستش گاہوں پر قابض لوگ دوسروں کو اچھوت اور حقیر ہی گردانتے رہے اور وہ اپنے رویوں اور گناہ وثواب کی کہانیوں سے اتنا خوف زدہ کر دیتے کہ عبادت گاہیں پر اسرار اور خوف پیدا کرنے والی عمارات بن کے رہ گئیں اور ہوتے ہوتے لوگ وہاں جانے سے کترانے لگے۔

اچھوتوں کے سردار نے کہا:

اے نوجوان!

تم کون ہو؟

اس نے کہا:

"میں مسلمان ہوں اور میرا نام غازیا ہے"

سردار نے کہا:

"اگر وہ جان جاتے تو تم بہت بڑی مشکل میں پڑ جاتے"۔

اس نے کہا:

"ہاں۔مگر مجھے کسی لمحے تو جینے کا آغاز کرنا ہے"

سردار نے کہا:

"آپ نے ہمیں بچا کر بہت بڑا احسان کیا ہے"

اس نے کہا:

"لیکن میرے لئے وہ لمحہ قیمتی ہے کیونکہ میں نے عدل کے لئے آواز بلند کی"۔

سردار نے کہا:

ہمارا قبیلہ جنوب کی جانب فلاں سمندری قلعے کے قریب رہتا ہے۔ وہاں صندل کے درختوں کے جھنڈ شروع ہوتے ہیں اور مشرق کی طرف چلے جاتے ہیں۔آپ کا کبھی اس جانب آنا ہو تو ہمارے مہمان بن کر آنا۔"

اس دوران کشتی اس کنارے تک جا چکی تھی۔غازیا نے انہیں ہلکی سی مسکراہٹ سے

الوداع کہا اور کرایہ لینے سے انکار کر دیا البتہ اگلے دنوں کے لئے اس نے کشتی چلانا ترک کر دیا تا کہ تشدد پسندوں سے محفوظ رہ سکے۔

بعد میں مندر کے اس واقعہ کا چرچا ہوا تو سہی اور بہت سے جوشیلے نوجوان ملاح کے خلاف مارا ماری کرنے کے لئے تیار تو ہوئے مگر نیلا کے سوئمبر کے چرچے اور اس کے متعلق تیاریوں نے اس واقعہ کی اہمیت کو گھٹا دیا اور وہ نیلا کے سواگت کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ انتہا پسندوں نے ویسے بھی اس علاقے میں اچھے خاصے فنڈ تقسیم کر رکھے تھے۔ البتہ "عبرت گاہ" کی شمالی جانب ذرا ہٹ کر انتہا پسندوں کے فنڈ سپر انے مندر کی مرمت و تزئین شروع تھی جسے چند دنوں تک مکمل ہو جانا تھا۔ چنانچہ یہ طے پایا کہ مندر کی مرمت و آرائش کا افتتاح نیلا کے سوئمبر سے ہوگا تا کہ آئندہ بھی اگر کوئی سپوتری سوئمبر کرانا چاہے تو وہ بھی اسی مندر میں آکر اپنی شرط کا اعلان کرے۔ مندر کے آنگن کو بہت وسیع کر دیا گیا تھا اور اسے سطح زمین سے کافی بلند رکھا گیا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ آئندہ سالوں میں آنے والے سیلاب کہیں اسے گزند نہ پہنچائیں۔

نیلا کی رہائش کا انتظام دریا کے اس پار والی بستی میں کیا گیا۔ جسے فرط جذبات میں وہاں کے جوانوں نے نیلا دیوی کے جاں نثاروں کی بستی کا نام دے دیا تھا۔ اس پار یعنی عبرت گاہ کی جانب والے مندر میں تو بس سوئمبر کی شرط کا اعلان کرنا تھا۔

رات کو کشتی کے پھیروں میں لوگوں کی زبانی انہیں معلوم ہو چکا تھا کہ نیلا دیوی آنے والی ہے اور اس کے سوئمبر کا اعلان ہوگا اور جو جری جوان اس کی شرط پوری کرے گا نیلا اسے ہی جیون ساتھی چنے گی۔

کلدیپ نے کئی بار مسافروں سے پوچھا تھا کہ:

''اس کی شرط کیا ہے''

لیکن کوئی بھی نہ بتلا سکتا تھا۔

سب کا کہنا تھا کہ:

''وہ موقع پر شرط کا اعلان کرے گی۔''

لوگوں تک اس کے سراپے کے جو قصے پہنچے تھے وہ ہندو نوجوانوں کو حیران کر دینے والے تھے۔

نیلا برہمن زادی تھی اور برہمن سردار کی بیٹی تھی جو کہ جنوبی بھارت ہی کے ایک شہر میں بسے ہوئے تھے۔اس کے آباواجداد مسلمانوں کے دشمن تھے۔ وہ اچھوتوں کو بھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ یہ دشمنی اسے وراثت میں ملی تھی اور اسے بچپن سے ہی ایسی تربیت گاہوں میں تربیت دلائی گئی تھی جو مسلم دشمنی میں مشہور تھیں۔

نیلا کی کٹر اور متعصّبانہ صلاحیتیں پہلے پہل اس وقت منظر عام پر آئیں جب اس نے اپنے

دیہات کے آس پاس کے علاقے سکھوں اور اچھوتوں پر مسلسل ظلم کے ذریعے خالی کروا لئے اور وہ یہ ظلم سہتے ہوئے ایک رات وہاں سے کوچ کر گئے تھے۔ اگلی صبح بڑی ذات کے ہندوؤں نے دیکھا کہ وہ ان کے علاقے سے جا چکے تھے اور پیچھے صرف ان کی بے بسی کے نشانات رہ گئے تھے۔ وہ راکھ اور خاک، وہ پھٹے ہوئے دوپٹے اور چادریں، وہی آگ سے جھلسی ہوئی دیواریں جنہیں نیلا نے رات کے اندھیرے میں آگ لگوادی تھی۔ مکین تو بچ نکلے تھے مگر آگ نے بہت کچھ خاکستر کر دیا ہوا تھا۔ لگتا تھا جلدی میں وہ بہت کچھ لے جانا بھول گئے یا لے جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ بعد میں قبیلے کے بڑے لوگوں کے کام آیا۔

البتہ پہلے کی طرح مندر میں گھنٹیاں بجتی رہیں اور طاقت ور ہندو اچھوتوں کو نکالنے کا جشن مناتے رہے۔ وہ شادماں تھے کہ ان کا علاقہ نجس اور اچھوت لوگوں سے پاک ہوا اور نیلا ان سے مبارکیں وصول کرتی رہی۔

انتہا پسندوں نے غنیمت جانا اور اس پر مزید کام شروع کر دیا اور مختصر عرصے میں اسے ایک بڑی مسلمان دشمن بنا ڈالا۔ اس نے اپنے گھر کے در و دیوار، وشنو، شکتی، سوریا اور گینشا کے بتوں سے سجا لئے۔ ایک روز الہ آباد جہاں گنگا اور جمنا دریا آپس میں ملتے ہیں اور جہاں گاندھی کی راکھ بہائی گئی تھی وہاں ہر تین سال بعد ہونے والے کومبا میلے کے موقع پر نیلا نے

موقع پر موجود ہندوؤں کو اپنی ایک مختصر سی تقریر سے مشتعل کر کے قریب کی بستی میں بے گناہ مسلمانوں کا قتلِ عام کروا ڈالا۔ یہ تھی وہ نیلا دیوی جس نے سربیا سے واپس بھارت میں آ کر اپنے سوئمبر کی شرط کا اعلان کرنا تھا۔

نیلا کے جانثار اپنی قوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پورے جشن کے ساتھ جا رہے تھے۔ وہ تیار بیٹھے تھے کہ جب وہ بھارت کی زمین پر قدم رکھے گی تو آگے بڑھ بڑھ کر بھارت میں رہنے والوں کو بتلا دیں گے کہ بھارت ہندوؤں کا ہے۔ اب دوسرے اپنی خیر منائیں اور خصوصاً مسلمان چھوڑیں اس زمین کو یا نئے طور اور نئے سرے سے شدھی سنگھٹن کے لئے تیار ہو جائیں۔ ان تشدد پسندوں سے اب رہا نہیں جا رہا تھا۔ نیلا کی آمد نے انہیں بے تاب کر رکھا تھا۔ اسے پہلے سے ہی ان کی تنظیم کا سربراہ مقرر کر دیا گیا ہوا تھا۔ انہیں آج تک کے اپنے منصوبوں کی ناکامیاں اب کامیابیوں میں بدلتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔

سورج غروب ہونے کو تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ اسی روز دُور دُور تک سیاہ گھٹائیں تھیں۔ رہ رہ کر ابھرنے والی بجلی کی چمک اور کڑک کے ساتھ وہ بڑھتی ہی آ رہی تھیں۔ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ بہت جلد شام کے اندھیرے کو سیاہ تر کر دیں گی۔ درد اور مشکلات سے لبریز سیاہ رات کتنی بھی مختصر ہو گزارنے والوں کو تلخیوں سے بھری عمر لگتی ہے۔

نیلا مشرقی یورپ میں بھی فوجی آفیسر کی حیثیت سے وہاں کے مسلمانوں کے خلاف کئی

حربے آزما چکی تھی اور وہاں کے مسلمانوں کو ختم کرنے اور ان کی نسل کے بچوں کو مختلف ممالک میں بجھوانے کے منصوبے میں اسی کی رائے شامل تھی۔

نیلا کا دماغ مسلمانوں کا قتلِ عام کروانے کے لئے بڑی تیزی سے حرکت میں آتا تھا۔ سربیا میں اس نے بھارتی ہونے کے باوجود اسی وجہ سے تیزی سے ترقی کی تھی کہ بوسنیائی مسلمانوں کو برباد وفنا کرنے کی کوئی کسر جو سربیا والوں سے رہ گئی تھی وہ اس نے پوری کر دی۔ حیرت ہے کہ جوانی میں ہی اس نے اتنی خونخوار اہلیت کی کس طرح اپنی روح میں پرورش کی۔ ظلم کا جب بھی کوئی نیا حربہ سوجھتا وہ اسے بوسنیا کے بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور نہتے جوانوں پر کامیابی سے آزماتی اور اس طرح اجتماعی قبروں کا منصوبہ بھی اسی نے سربیا والوں کو پیش کیا۔ نیلا کا نظریہ یہ تھا کہ:

"معصوم اور نام نہاد شریف اصل میں انسانیت کے بدترین دشمن ہیں۔ انہیں ویسے ہی ان کی معصومیت اور نام نہاد شریف ہونے کی سزا ملتی رہنی چاہیے۔ اگر ایسے لوگوں کو قتل نہ بھی کیا جائے تو انہیں ویسے ہی جیلوں میں بند رکھنا چاہیئے تاکہ طاقتوروں کی دنیا کیڑے مکوڑوں سے پاک رہے اور درندوں کی دنیا میں صرف درندوں کا ہی راج رہے۔ معصوم تو صرف ان کی خوراک بننے کے لئے اپنے آپ کو موٹا کرتے ہیں۔"

آخر وہ شام آئی اور لوگ جمع ہونے لگے اس جگہ پر کہ جہاں نیلا جلوہ افروز ہونے کو تھی۔

اس دن کلدیپ کو کشتی کے بہت زیادہ پھیرے لگانے پڑے کیونکہ اک ہجوم کو اس پار اترنا تھا۔ سب کشتیوں والے تھکن سے چور تھے اور پھیرے لگا لگا کر مضمحل ہو چکے تھے۔

شام رات میں ڈھل گئی۔ شمعیں جلائی جاتی رہیں۔ رقص ہوتا رہا۔ لوگ گاتے رہے۔ ستارے ایک ایک کر کے جھلملانے لگے۔ نگاہیں مندر کے آس پاس دیکھتی رہیں۔ لوگ انتظار میں گھڑیاں دیکھ دیکھ کر تھک گئے کہ کب چاند کی پہلی کرن پھوٹے اور نیلا سامنے آئے اور اپنے سوئمبر کی شرط کا اعلان کرے۔ یہی طے پایا تھا کہ جب رات شروع ہو گی تب نیلا آئے گی اور تب اپنی آواز میں جو کہے گی اسے حرفِ شرط سمجھا جائے گا۔ ان کے لئے کڑا امتحان تھا۔ جو انتظار میں تھے وہ ایک ایک لمحے کا حساب رکھ رہے تھے۔ وہ جینا چاہتے تھے زلف کے سر ہونے تک۔ ان میں سوائے کلدیپ کے سبھی مسلمانوں کو برباد کرنے کے دعویدار تھے۔ بلند بانگ دعوے، کہانیاں، ستم کی داستانیں بڑھ بڑھ کر نیلا کے سامنے پیش کی جانے والی تھیں۔ بتایا جانا تھا کہ یہ علاقہ مسلمانوں کے لئے جہنم بنا دیا گیا ہے۔ بتایا جانا تھا کہ کوئی مسلمان دیکھنے کو نہیں ملتا۔ بتایا جانا تھا کہ مسلمانوں کو اب دور دور تک بچانے والا کوئی نہیں کیونکہ کٹر ہندو اور تشدد پسند جوانوں کے جتھے مسلمان کو دیکھتے ہی اس پر جھپٹ پڑتے ہیں''

کلدیپ بھی انتظار میں تھا۔ وہ دور ہی تقریباً سب سے پیچھے کھڑا تھا۔ اسے ہندو جوانوں کی جوانی دیکھ کر غازیا کی یاد آئی۔ وہ ابھی تک غازیا سے زیادہ کسی سے متاثر نہیں تھا۔ اسے تصورات میں ہی غازیا ان سب میں بہتر انسان محسوس ہوا۔

لوگ نیلا دیوی کے سوئمبر میں شامل ہونے کے لئے اس جانب تیز تر قدموں سے بڑھے جا رہے تھے۔ وہ ان سرمدی اور جاودانی نغموں کی لذت سے محروم تھے جو انسان کو الفت و محبت کی مسرتیں عطا کرتی ہے کیونکہ ان کی روحیں نفرت اور تعصب سے لبریز تھیں۔ کوئی غیب کی آواز بھی انہیں متوجہ نہیں کر سکتی تھی کہ زندگی کے رویّوں کا حسن کائنات کے رویّوں سے سیکھو۔ وہ تیز تر تھے اور سوئمبر جیتنا چاہتے تھے۔ خزاں کی ویرانیاں انہیں سبق سکھانے میں ناکام تھیں۔ ڈھلتے سورج کی کرنیں بھی انہیں ہی آگاہی دیتی ہیں جن کی روحیں روشنی منعکس کرتی ہیں اور تب وہ ہر زوال، ہر عتاب اور عذاب سے محفوظ رہنے کی مناجاتیں کرتے رہتے ہیں۔ سوئمبر کیا تھا! یہ ایک لحاظ سے نئے زمانے میں رقم ہوتی ہوئی تاریخ کا دیباچہ تھا۔

ہندو نوجوان زیادہ بے تاب تھے کیونکہ وہ شرکت کر رہے تھے تاکہ مقابلہ جیت کر نیلا دیوی کا ہاتھ تھام سکیں۔ بوڑھے جو تھے وہ تماشائی کے طور پر شامل تھے۔ گاؤں کے گاؤں اُمڈ آئے تھے۔ خواتین، بچے غرض ہر عمر کے لوگ تھے۔

سننے والوں نے نیلا کے بارے میں بہت کچھ سن رکھا تھا۔ دیکھنے والے بار بار دیکھنا چاہتے تھے۔ جو پہنچ چکے وہ اپنے آپ کو خوش نصیب گردانتے تھے جو راہ میں تھے وہ تیز تر قدم بڑھا رہے تھے۔ پیچھے رہ جانے والے پچھتاوے میں تھے۔ یہ عجیب منظر تھا۔ سوئمبر کی شرط کا اعلان باقی تھا کیونکہ ابھی نیلا کا ڈولا نہیں آیا تھا۔ لوگ ہر جانب تھے۔ کچھ کو چپ لگی تھی۔ کچھ بول رہے تھے۔ مگر ہر زبان بہت سے لفظوں کو سجائے تیار تھی کہ کب وہ آئے اور وہ اظہار کرے۔

نیلا دیوی کے بارے میں بھارت کے نامور اخباروں نے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا۔ اس کے بارے میں روز ایک نیا تعارف چھپتا۔ اس کے کارنامے گنوائے جاتے۔ اس کی شخصیت کو اس طرح پیش کیا گیا جیسے کوئی دیومالائی کردار ہو۔ جاننے والے جانتے تھے کہ بھارت کے لحاظ سے وہ واقعی ہی ناقابلِ فراموش اور ناقابلِ شکست شخصیت کی مالک تھی۔ ہندوؤں کی تمام تشدد پسند اور کٹر ہندو پارٹیاں اس کی شخصیت کے احترام پر متفق تھیں اور اس کی ہر لحاظ سے مددگار تھیں۔ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی نمبر ایک دشمن تھی۔

جو کچھ نیلا دیوی کو بتایا جانے والا تھا کلدیپ کو اس سے شدید دھچکا لگا۔ اسے نیلا اپنے تمام تر حسن کے باوجود بے حسن لگنے لگی۔ وہ ایسی داستانیں نہیں سننا چاہتا تھا جو صرف خون وظلم سے رنگین ہوں۔ وہ یہ قصے نہیں سننا چاہتا تھا جو کسی بے سہارا مسلمان کو تڑپا تڑپا کر مارنے

پر مبنی ہوں۔ وہ روتے اور بلکتے مسلم بچوں کو دیئے گئے دکھوں کی کہانیاں نہیں سننا چاہتا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ وہ بلند آواز میں کہہ دے کہ:

"نیلا اور سارے کے سارے مردہ باد"

لیکن وہ جانتا تھا کہ ایسی آواز کا مطلب اس کا ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا جانا ہوگا اور مجمع میں سے کوئی بھی اسے نہیں بچائے گا۔ اس کی مجبوری تھی۔ وہ پیچھے کھڑا دیکھتا رہا اور سنتا رہا۔

زندگی حسین سہی مگر صرف اس وقت تک جب تک کہ کوئی کسی کا حق مارنے والا نہ ہو یا عدل کے ساتھ احسان بھی کرنے والا ہو مگر آج کی رات تو محبت کی راہوں کو جانے والے ایسے تمام فلسفے بے وقعت کر دیئے گئے تھے۔

نیلا کا ڈولا بڑی شان سے مندر کے آنگن میں اتارا گیا۔ بڑی شوکت اور کروفر سے وہ ڈولے سے نکلی۔ سب ادھر دیکھ رہے تھے۔ ایڑیاں اٹھا کر اور سر اوپر کر کے سب ادھر دیکھ رہے تھے کہ جدھر وہ دیکھ رہی تھی۔

مندر کی سیڑھیوں کے پاس والے چبوترے پر کھڑے ہو کر نیلا دیوی نے نیچے سامنے کھڑے کٹر اور تشدد پسند ہندو نوجوانوں کے ہجوم پر نگاہ ڈالی جو اس کی ایک جھلک دیکھنے آ گئے تھے اور جو اس کی زبان سے اس کے اپنے سوئمبر کی شرط سننے کے مشتاق تھے۔ یہ ایک جشن کا سماں تھا۔

نیلا نے بنا تمہید کے اپنے الفاظ سے ان کے ذہنوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اس نے بلند آواز سے ان سب کو یوں مخاطب کیا کہ:

''ہندو دھرم کے لئے جینے مرنے والے نوجوانو سنو!

''ہماری زندگیوں کا مقصد خلیج بنگال کی لہروں سے لے کر بحیرۂ احمر کے کناروں تک توحید پرستوں کو اچھوت بنا کر دم لینا ہے۔ ہمیں اور ہماری نسلوں کو اس وقت تک یہاں کے مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنی ہے جب تک یہ واپس صحرائے حجاز میں نہیں چلے جاتے یا ہمارے دیوتاؤں کے سامنے سجدوں میں نہیں گر جاتے۔''

تالیوں کا شور اٹھا اور اس کی گونج دیر تک رہی۔

اس نے خطاب جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

''تاریخ کہتی ہے کہ:

''پاکستان کے نیوکلیئر دھماکوں سے وہاں کے کالے پتھر سفید ہو گئے تھے۔ مگر اس سے ہماری دنیا میں کیا فرق پڑتا ہے اس لئے کہ ہمارے صنم کدوں میں ہر رنگ کے پتھر کی مورتیاں موجود ہیں جو ایسے پتھروں اور پربتوں کی حکمران ہیں۔''

ہجوم نے ان چند الفاظ پر بے پناہ تالیاں بجائیں اور نوجوان واہ واہ کہہ اٹھے۔

نیلا کا چہرہ نفرت و جوش سے اور بھی سرخ ہو چکا تھا۔ کٹر ہندو اس کی بات پر مسلمانوں

کے خلاف نعرے لگا رہے تھے۔ وہ کہتی چلی گئی کہ:۔

نوجوانو سنو!

''اب محمود وغوری کے قرض چکانے کا وقت آ گیا ہے۔ بابری مسجد کو تباہ کرنے والوں نے ایک لحاظ سے اپنی جد جہد کا نئے سرے سے آغاز کر دیا تھا۔ اور اب اس کا تاریخی تسلسل جاری رکھو اور اس سے حوصلہ پاتے ہوئے شروع کی گئی جدوجہد کو تیز تر کر دو۔ مسجدوں پر مسجدیں برباد کرتے جاؤ۔ جہاں جہاں مسلمان انہیں بچانے کے لئے آگے آئیں تم مار دھاڑ کرتے آگے بڑھتے جاؤ۔

جب وہ یہ الفاظ کہہ رہی تھی عین اس وقت عبرت گاہ کی ویران مسجد سے عشاء کی اذان کی بلند ہوتی ہوئی صدا کے پہلے ہی کلمات ''اللہ اکبر'' پر نیلا تلملا گئی۔ ہجوم میں سے ایک نے با آوازِ بلند کہا:

دیوی!

میں یہ آواز پہچانتا ہوں کیونکہ میں اس آشرم کے سیمینار میں تھا اور یہی وہ شخص ہے جو وہاں پر ہندو دھرم کے خلاف سوالات اٹھا رہا تھا اور میں یقین سے کہتا ہوں کہ یہ آواز وہی ہے جسے تلاش کرنے اور حکومت کی طرف سے زندہ و مردہ گرفتار کرنے کے لئے انعام رکھا جا چکا ہے اور اسے ہی مسلمانوں کا ایجنٹ اور دہشت گرد قرار دیا گیا ہے۔

نیلا اور بھی تلملا گئی اور نفرت کے آلاؤ میں اس نے زوردار آواز میں اپنے سوئمبر کی شرط کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ:۔

"جو نوجوان اس مسجد کو تباہ کر کے اذان دینے والے کی لاش کو میرے سامنے پہلے لائے گا یہ سوئمبر کا ہار اسی کے گلے میں ڈالا جائے گا۔"

ابھی وہ اپنی بات بھی مکمل نہ کر پائی تھی کہ سب نوجوان اپنی بندوقوں اور ہتھیاروں سمیت پوری قوت سے اس مسجد کی جانب بھاگنے لگے۔ نیلا کے ساتھ جذباتی لگاؤ اور اس کی راہنمائی میں مسلمانوں کے خلاف شدید نفرت کے الاؤ لئے اس مؤذن کو قتل کرنے کے لئے ہر ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی تگ ودو میں تھا۔

کٹر ہندو خوشی سے پھولے نہیں سماتے تھے۔ اب تو ان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا۔ وہ اپنی تنظیم کے کرتا دھرتا کی ذہانت پر عش عش کر اٹھے کہ جس نے نیلا کو نوجوانوں کے شعبے کی سربراہی کے لئے چنا تھا۔

نیلا نے گرجدار آواز میں جھنجھلا کر کہا:۔

"یہ آواز ناقابلِ برداشت ہے"

مؤذن کی آواز پھر ابھری کہ:

"اللہ اکبر اللہ اکبر"

یعنی:

"یہ جہاں، یہ کائناتیں اور سب عالمین میں کوئی ایسا نہیں جو اپنے برتر ہونے کا دعویٰ کر سکے۔ یہ صرف اللہ کو زیبا ہے کہ انسان بھی تسلیم کرلیں کہ بڑائی' عظمت' برتری ملکیت اور حکمرانی صرف اللہ ہی کے شایانِ شان ہے اور باقی سب بتانِ آزری" اور وہ اکبر اس لئے ہے کہ:

"ہر شے، ہر انسان، سب ذی روح مر جانے اور فنا ہو جانے والے ہیں مگر اسے موت ہے نہ زوال"۔ وہ برتر اس لئے ہے کہ سب کچھ اس کی تخلیق ہے اور وہ ہر مثال سے بالاتر ہے۔ اسی لئے اس کی تصویر بنائی جاسکتی ہے اور نہ تصوراتی مجسمے اور صنم اس لئے کہ اللہ ہی عظیم و لاشریک ہے چنانچہ ہر انسان، ہر بت، اور ہر مادی و غیر مادی شے کی برتری کو مسترد کر کے اسی کی لازوال حکمرانی تسلیم کرلو تاکہ شعور اور روح کسی بھی دوسرے کے خوف سے آزاد ہو سکیں۔"

نیلا نے بلند آواز سے کہا:

"اور تیز کرو اپنی رفتار وہ یہ اذان مکمل نہ کرنے پائے۔"

اس آواز نے قتل کرنے اور تشدد کرنے والوں کے لئے مہمیز کا کام کیا۔ انہیں یوں لگا کہ ان کے ہاتھ میں بجلی کا چھانٹا آگیا ہے اور وہ راہوارِ ہوا پر آن کی آن میں موذن

کو ریزہ ریزہ کر کے مسجد کی اینٹ سے اینٹ بجا دیں گے۔

نیلا مندر کی بلندی پر کھڑی مسجد کی جانب نوجوانوں کی بڑھتی ہوئی یلغار کا نظارہ کر رہی تھی۔ان بھاگتے ہوئے نوجوانوں میں بچے اور بوڑھے بھی اینٹ، پتھر اور ڈنڈے اٹھا کر شامل ہو چکے تھے۔ ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ نوجوان تو نفرت کے علاوہ سوئمبر کی شرط پوری کرنے کی دوڑ میں تھے مگر بچوں میں اگر کوئی کامیاب ہو بھی جاتا تو وہ نامراد ہی رہتا۔لیکن یہ زندگی کا المیہ ہے کہ پتھر مارنے والے کم ہی اپنی حرکتوں کا تجزیہ کرتے ہیں۔ یہ منظر تقریباً اس منظر سے ملتا جلتا تھا جو بابری مسجد کو تباہ کرنے کے لئے پیدا ہوا تھا۔فرق صرف یہ تھا کہ اس مسجد کو بچانے کے لئے پھر بھی کچھ مسلمان نعرۂ تکبیر کی للکار کے ساتھ بے حساب ہندوؤں پر جھپٹے تھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تھے مگر اس ویران بستی میں اس مسجد کو بچانے والا کوئی نہ تھا۔

نیلا کو بچوں کا اس طرح شامل ہونا نہایت حوصلہ افزا لگا اور اسے یقین ہو گیا کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کی جو تحریک شروع کی گئی ہے اسے آئندہ نسل بھی جاری رکھے گی۔

نفرت سے سرشار نوجوانوں کا ہجوم بڑی تیزی سے مسجد کی جانب بڑھتا ہی جا رہا تھا اور اذان اپنے اعلان کے ان الفاظ تک آ پہنچی تھی کہ:

”اشہد ان لا الہ الا اللہ ــــــــــاشہد ان لا الہ الا اللہ“

"اشهد ان محمد الرسول الله ـــــ اشهد ان محمد الرسول الله"

یعنی "میں اس ناقابلِ تردید سچائی کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی کسی بھی وقت اور کہیں بھی پرستش کے لائق نہیں اور میری یہ بھی گواہی ہے کہ محمد ﷺ ہی اللہ کے وہ آخری پیغام دینے والے ہیں جو انسانوں کو اس نظامِ حیات کی آگاہی دیتا ہے جس پر عمل کر کے نسلِ آدم ہمیشہ کے لئے اطمینان و سرخوشی حاصل کر سکتی ہے"۔

کلدیپ ہجوم سے بہت پیچھے رہ چکا تھا۔ بھاگنے والے کئی جوانوں نے اس کی علیحدہ کھڑی کشتی سے چپواروں کو نکال کر ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہا۔ چپوار نہ نکلنے کے باعث وہ مایوسی اور طیش میں اسے خالی دریا میں دھکیل کر دوسری کشتیوں کی جانب چل پڑے تھے تاکہ وہاں سے چپوار نکال کر لے جائیں اور جب تک کلدیپ وہاں پہنچا وہ دریا کی لہروں میں یوں ہی بہتی جا رہی تھی جسے اس نے تیر کر بڑی تگ و دو کے بعد ذرا دور سے جا پکڑا تھا۔ وہ ابھی تک دریا میں تھا اور اسے ہجوم کی آواز عبرت گاہ میں سے سنائی دے رہی تھی۔ بہت سے لوگ نہ بھاگ سکنے یا وہاں نہ پہنچ سکنے کے باعث راستے میں ہی کسی اونچی جگہ پر کھڑے ہو کر نظارہ دیکھ رہے تھے اور شور و آواز سن رہے تھے۔ ان میں سے کچھ نوجوان بہت پیچھے رہ گئے تھے اور وہاں پہنچ جانے والوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نیلا کے لئے یہ بڑا دلچسپ نظارہ تھا۔ اس کے لئے اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ اس

تگ ودو میں کتنے اپنی جانوں سے جاتے ہیں بالکل ایسے جیسے کہ جلتی شمع پر کتنے پروانے جل جاتے ہیں اسے پرواہ نہیں ہوتی۔ وہاں پہ تو دونوں کے جلنے میں فرق ہوتا ہے۔ یہاں پر دونوں کی نفرت کی آگ ایک جیسی تھی جسے نیلا کا خونی روپ بھڑکا رہا تھا۔ نیلا نے دیکھ لیا تھا کہ جو نوجوان وہاں نہ جا سکے۔ وہ ویسے ہی شکست کھا گئے۔ اس لئے کہ وہ کمزور تھے اور پھرتیلے نہیں تھے یا ممکن ہے کہ وہ اتنے بہادر نہ ہوں اور جو وہاں پہنچ گئے ان میں سے کون کامیاب لوٹتا ہے یہ بذاتِ خود ایک دلچسپ مرحلہ تھا۔ اس کے اردگرد بڑی عمر کے مرد کھڑے محوِ انتظار تھے اور بار بار اسے تحسین بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ اچانک وہ آواز خاموش ہوگئی اور اذان مکمل نہ ہونے پائی تھی۔ نیلا سمجھی کہ مؤذن مار دیا گیا ہوگا اور اردگرد والے سمجھے کہ اب اسے مارا اور گھسیٹا جا رہا ہوگا۔ اگر حالات کی فطری نوعیت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو ان کے اندازے عین حقیقت تھے۔

کلدیپ کو نامکمل اذان سے خوف پیدا ہوا۔ اس کی روح لرز کر رہ گئی۔ ایک لمحے کے لئے اسے خیال آیا کہ شاید غازیا کو مار دیا گیا ہوگا لیکن اس کا اندازہ تھا کہ غازیا ان سب سے زیادہ ذہین اور پھرتیلا ہے۔ وہ ان کے ہاتھ آنے والا نہیں کیونکہ وہ بہت جلد حالات کو بھانپ لیتا ہے۔ لیکن اس نے سوچا کہ یہ سب دل کو تسلی دینے کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ پھر بھی اسے خیال آیا کہ اگر بھاگتے ہوئے نوجوان اس تک پہنچ گئے ہوں تو وہ کس کس کا مقابلہ

کرے گا۔ بھاگنے والوں میں کچھ اسلحہ سے لیس بھی تھے اور بندوقوں کو ہوا میں لہراتے ہوئے گئے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ اتنوں کا مقابلہ کرنا انسانی بس کی بات نہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اگروہ بھاگنا شروع کردے گا تو ان سے بچ کر کہاں تک بھاگ سکے گا۔ اس کے دل میں بہت سے وہم اور بہت سے وسوسے پیدا ہو کر رہ گئے۔ اسے بالکل سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر ہندو ہوتے ہوئے بھی وہ کیوں غازیا کو گنوانا اور نیلا کو پانا نہیں چاہتا۔ اس کا دل کہتا تھا کہ اگر نیلا کوئی اور شرط رکھتی تو وہ پوری قوت سے جیتنے کی کوشش کرتا اور بہت ممکن تھا کہ وہ جیت بھی جاتا کیونکہ لہروں پر اک عمر تک پتوار چلاتے رہنے سے اس کے ہاتھ عام انسانوں سے کہیں زیادہ توانا تھے اور بستی میں تنہا اپنے گھر کے تحفظ کے لئے پریکٹس کرتے رہنے سے اس کا نشانہ یوں بھی بے خطا تھا اور ویسے بھی وہ مہم جُو تھا اور مقابلے جیت لیا کرتا تھا۔ لیکن یہ عجیب مقابلہ آن پڑا تھا۔ وہ بہت آہستہ آہستہ کشتی کو چلاتا ہوا واپس کنارے کی جانب لا رہا تھا۔ نیلا دور کھڑی اس کشتی کو آہستہ خرام دیکھ رہی تھی۔ اس نے اردگرد والوں سے پوچھ ہی لیا کہ فلاں کشتی والا مقابلے میں کیوں شامل نہیں ہوا!

ان میں سے ایک نے جواب دیا:

''وہ نیچ ذات کا ہو گا اس لئے اس کی جرأت نہیں پڑی ہوگی کہ مقابلے میں شامل ہو''۔

دوسرے نے کہا:

''وہ ویسے ہی کمزور و ناتواں ہوگا اور شرمندگی سے بچنے کے لئے کشتی میں ہی سوار رہا ہوگا''۔

نیلا نے کہا:

''میری نظر کہہ رہی ہے کہ ماجرا کوئی اور ہے اور آپ کے جوابات کمزور و بے معنی ہیں۔ جوان ہوتے ہوئے مقابلے سے گریزاں رہنا کسی ہندو نوجوان کی نیلا کے لئے نفرت کی غمازی کرتا ہے اور اس جیسے نوجوان کا سلامت رہنا نیلا کی تنظیم کے لئے خطرناک ہوسکتا ہے۔ چنانچہ اس بارے میں معلومات حاصل کر کے اسے قتل کر دینا تنظیم کو مضبوط تر کرنا ہوگا تا کہ اس جیسے نوجوان آئندہ اپنی نیتوں کو درست کرلیں۔

جب تک نیلا نے اپنے پاس کھڑے ایک شخص سے اس نوجوان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے کہا تب تک لوگ عبرت گاہ میں پہنچ چکے تھے اور وہ اس مسجد کی جانب قدم بڑھا رہے تھے۔ غازیا اذان کو ادھورا چھوڑ کر اس جگہ جا چھپا تھا جس کے بارے میں ملاح نے بتلایا تھا کہ وہ مشکل وقت میں پناہ گاہ کا کام دے گی۔ ملاح بوڑھا ہونے کی وجہ سے تیز بھاگ کر وہاں تک نہ جا سکتا تھا۔ آنے والے قریب آ چکے تھے۔ وہ اپنی مستی میں اذان کے وہی الفاظ دہرا رہا تھا جو اس نے مسلمان ہو جانے کے بعد پچھلی کسی شام کو غازیا سے سیکھے تھے۔ یہ الفاظ بار بار اس کی زبان پر آ رہے تھے۔ ایک لحاظ سے ان لمحوں میں اس کے

جسم و جان اور قلب و شعور ان الفاظ کی تاثیر سے جھوم رہے تھے۔

ہجوم میں سے ایک سورمے نے تیزی سی آگے بڑھ کر آؤ دیکھا نہ تاؤ دھکا دے کر اسے گرا دیا۔ اس وقت اس کے ہونٹوں پر "اشھدان لاالہ الاّ اللہ اشھد ان محمد الرسول اللہ" کے الفاظ جاری تھے۔ گرانے والے نے ساتھ ہی دو چار گولیاں اس کے جسم میں پیوست کر دیں۔ پیچھے آنے والے ایک بپھرے ہوئے شخص نے جو مسجد کو آگ لگانا چاہتا تھا اس نے اس پر تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ ہجوم رک گیا اور آگ کے گرد اکٹھا ہو گیا۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ وہ سمجھے کہ ہم نے عظیم و یادگار کارنامہ سرانجام دے دیا ہے۔ کچھ دیر تک وہ آگ لگی رہی۔ لوگ دیکھتے رہے۔ پھر انہوں نے سورمے کو کندھوں پر اٹھا لیا اور جلی ہوئی لاش کی راکھ کو دو دوسرے آدمیوں نے اٹھا لیا تاکہ نیلا کے سامنے پیش کیا جا سکے۔ اسے سارے ہجوم نے دیکھا۔ کوئی نہ پہچان سکا کہ مرنے والا وہی تھا جو انہیں ساری عمر پار لگاتا رہا۔ اندھا انتقام اور اندھی نفرت کے نتائج ایسے ہی المیوں کی صورت میں نکلتے ہیں۔ جو جل گیا وہ راکھ تھا۔ اسے کون پہچان سکتا تھا۔

سوئمبر کامیاب رہا تھا۔ شرط کو پورا کر دیا گیا تھا اور نعروں کی گونج میں مالا اچھالی گئی اور اس کے گلے میں پڑ گئی جس نے کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ ہجوم نے کہا:

"یہ حسین رات ہے"

رات یہ سہانی سہی پرجشن حسین تر تھا۔ زمین کا چہرہ دمک اٹھا۔لوگ کہتے تھے کہ ایسا روشن چاند جوزمین سے قریب تر ہوکےگزرے وہ باون سال کے بعدنکلتا ہے۔سوئمبر والے اس رات کوشگون کی رات قرار دے رہے تھے۔نیلا سامنےغروروکروفر کانشان تھی۔ کامیاب ہونے والا سر بلند تھا۔یہ سماں اور تھا۔کچھ دیکھنے والوں سے دیکھا نہ جا رہا تھا۔ دیوی مقدس ہوچکی تھی۔اس نے سرزمین بھارت کی رگوں میں مسلمانوں کے خلاف مزید نفرت بھر دی تھی اور بڑی دیدہ دلیری سے مؤذن کو ہلاک کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔

مغنی نیلا کی شان میں گیت گا رہے تھے۔مدح کرنے والے مدح کررہے تھے۔سرمایہ داروں نے تحائف کے انبار لگا دیئے تھے۔نغمات اٹھ رہے تھے۔ساز بج رہے تھےاور رقص کرنے والے رقصاں تھے۔

اگنی کے شعلے بلند ہو رہے تھے۔نکاح پڑھانے والا اس کے پاس بیٹھا اپنے دھرم کے مخصوص کلمات پڑھ رہا تھا۔سوئمبر جیتنے والے شخص کے دامن سے نیلا کا آنچل بندھا ہوا تھا اور وہ پھیرے مکمل کر رہی تھی۔ آلاؤ روشن تھا۔نیلا کے قدم جب آخری پھیرا مکمل کر چکے اور نکاح ہوگیا تو کسی نے آکر ایک کاغذ اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔

یہ کاغذ عام نہیں تھا اس لئے اسے کھولنا پڑا۔ اس میں لکھا گیا ہر ہر لفظ چونکا دینے والا تھا۔ اس میں یوں لکھا گیا تھا کہ:

نیلا دیوی کے نام!

کتنی مہکی ہوئی پرشور ہے اس رات کی دھڑکن۔

کتنے نغمات سے تو نے اسے سینچا ہے۔

اپنی مانگ ستاروں سے سجانے کے لئے

ایک معصوم کا تو نے لہو بیچا ہے۔

جسے ہلاک کیا گیا ہے، وہ میں نہیں کوئی اور ہے۔ آپ اپنے ان حسین چہروں کو بچا کر رکھتیں تو اچھا تھا۔ یہ کسی اور وقت کام آتے۔

یوں بھی آپ کے ہاتھ اور ہونٹ خونِ مسلم سے رنگین ہیں۔ اس رنگ کا آپ پر بہت بڑا قرض ہے جو آپ کو ہی اتارنا ہوگا۔ آپ نے مشرقی یورپ کے بعد اس علاقے میں بھی معصوم مسلمانوں کے قتلِ عام کی ہولی کا منصوبہ بنا رکھا ہے۔ یہ حد سے گزرنا ہے۔ تم ہمارے لئے جینے کے دروازے بند کر دینا چاہتی ہو۔ یہ سب کچھ بنا ہمارے قصور کے کیا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے آپ اک نئی کشمکش کا آغاز کر رہی ہیں۔ ورنہ یہاں کے ہندو اور مسلم صدیوں سے محبتوں میں رہ رہے تھے اور رہنا چاہتے تھے۔ وہ الفتوں کے شیریں چشموں سے سیراب ہوتے آ رہے تھے۔ تم نے ان سب کو زہر آلود کر دیا ہے۔ میرا یہ وعدہ رہا کہ اس کشمکش سے اب میں اس وقت تک تمہیں آزاد نہیں ہونے دوں گا جب تک کہ تمہارے منصوبوں سے قتل ہونے والے ہر خون

کا حساب نہیں لے لوں گا۔

تمہاری یلغار کا منتظر

غازیا

نیلا کے لئے یہ چند الفاظ کرب آمیز تھے۔وہ ایسے شخص کو جیون ساتھی بنا چکی تھی جو شرط کی اصل پوری کرنے میں ناکام رہا۔ وہ پل بھر میں غازیا کو ختم کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن مٹھی میں ریت کی طرح فی الحال یہ حالات بھی اس کے ہاتھ سے نکل رہے تھے۔

کلدیپ سب سے پیچھے کھڑا بہت زیادہ اداس ہو گیا۔اس کا جی چاہتا تھا کہ اس کے بس میں ہو تو وہ سارے ہجوم کو خاک میں ملا دے۔ اصل میں اسے غازیا سے بے پناہ محبت ہو چکی تھی۔وہ اس کی عظمت سے بے حد متاثر تھا۔ اسے یقین تھا کہ اذان دینے والا غازیا ہی تھا جو ہجوم کے ہتھے چڑھ گیا۔اسے رہ رہ کر غازیا کا چہرہ دکھائی دے رہا تھا اور اس کی باتیں اس کے کانوں میں گونج رہی تھیں۔اس وقت رات آدھی سے بھی زیادہ گزر چکی تھی اور جشن منانے والے ابھی تک جیسے تازہ و پر رونق تھے۔ابھی تک ایک سے ایک بڑھ کر رقص و نغمات میں محو تھے۔کلدیب کو جیسے ہر لمحہ اندھیرا لگ رہا ہو۔وہ غازیا کی یادوں میں ڈوبا فضاؤں کو گھور رہا تھا۔ وہ اونچی بول سکتا تھا اور نہ وہاں رو سکتا تھا۔ وہ خاموش مبہوت کھڑا سامنے دیکھ رہا تھا کہ کسی نے آ کر بادِ شمیم کی طرح پیچھے سے اس کے کندھے پر ہولے سے ہاتھ رکھتے ہی خاموش رہنے کا اشارہ

کیا۔اس نے دیکھا تو وہ غازیا تھا۔

خط دینے والا ہجوم میں ادھر ادھر ہو چکا تھا۔ نیلا نے وہ خط اپنے کسی چاہنے والے کا مبارک نامہ سمجھ کر فوری پڑھا تھا یا ممکن ہے انتہا پسندوں کے کسی سربراہ کی جانب سے کوئی فوری پیغام سمجھ کر اسے جلد پڑھ لیا ہو۔ جو کچھ بھی تھا اب وہ غصے سے تلملا رہی تھی۔اس نے راز کو افشا کرنا بہتر سمجھا۔آخر نمودار ہونے والے غازۂ سحر نے خبر دی کہ رات شکست کھا چکی اور دروازۂ فضا وا ہونے کو ہے۔ صبح آنے کو ہے۔تب نیلا نے جشن ختم کرنے سے پہلے حاضرین کو یوں مخاطب کیا:

آنے والے غیور لوگو!

مجھے خوشی ہے کہ آپ نے اس سوئمبر میں بھر پور حصہ لیا۔ آپ کا یہ جذبہ یہاں کی اقلیتوں اور خاص کر مسلمانوں پر دہشت طاری کر دے گا۔ مجھے یہ بھی خوشی ہے کہ جسے میں نے شریکِ حیات منتخب کیا ہے اس نے اپنے جذبے سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ ہمارے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے گا۔البتہ غازیا بچ جانے میں کامیاب ہو چکا ہے اور اس کا خاتمہ ضروری ہے۔''

یہ کہنا تھا کہ ہجوم سکتے میں آ گیا۔ ادھر ادھر چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔مارنے والے تذبذب میں مبتلا ہو گئے کیونکہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے کسی کو ہلاک کیا تھا۔''

نیلا نے غازیا کی جانب سے آئے ہوئے خط کو بلند کر کے ہوا میں لہراتے ہوئے کہا:

اس شخص نے یہاں کی ساری ہندو کمیونٹی کو للکارا ہے۔اب یہاں کے نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی للکار کا جواب دیں۔

نیلا کی زبان سے یہ الفاظ کیا نکلے کہ وہاں پر موجود سورماؤں نے اپنے وعدوں سے اور نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا۔ ہر ایک ،ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر غازیا کا پیچھا کرنے اور اسے ختم کرنے کا وعدہ کر رہا تھا۔ کئی اپنی بندوقیں لے کر اسے ڈھونڈنے اسی وقت نکل کھڑے ہوئے۔ جو سمجھدار تھے انہوں نے کسی سکیم اور طریقے کے تحت اسے تلاش کرنے کا سوچا۔ بہرحال نیلا نے انہیں آئندہ کے لئے لائحہ عمل دے دیا۔

حقیقت میں نیلا کا براہِ راست آج تک کسی دشمن سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ کسی نے بھی کسی جگہ اسے یوں للکارا نہیں تھا۔وہ جان گئی تھی کہ" وہ جسے جیون ساتھی بنا چکی ہے وہ غازیا کا سایہ تک بھی نہ چھو سکا تھا" یوں اسے یقین ہو گیا کہ غازیا کا مقابلہ کرنے کے لئے اسے تنظیمی طور پر بہتر حکمت عملی اختیار کرنی پڑے گی۔غازیا اسی وقت ہجوم میں سے کسی کو ساتھ لے کر مندر کی پچھلی جانب والے بیلے سے ہوتا ہوا کہیں کا کہیں جا چکا تھا۔ جسے ساتھ لیا گیا وہ کلدیپ تھا"۔

غازیا نے دور کسی ایک مقام پر اسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کر دیا اور بتلا دیا کہ:

”تمہارے سامنے تمہارا والد ملاح مسلمان ہونے کے بعد بار بار قرآن پڑھتا رہتا تھا اور اس شام جب میں نے عشاء کی اذان دینے کا ارادہ ظاہر کیا تو اس نے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تھا کہ:

”یہ آواز ضرور فضاؤں میں گونجنی چاہیئے“

کلدیپ نے سر جھکا لیا اور اس کی آنکھوں سے بڑی دیر تک آنسو بہتے رہے۔ غازیا نے اسے کئی بار سینے سے لگا کر دلاسہ دیا۔ جب وہ ذرا سنبھلا تو غازیا نے اسے بتلایا کہ وہ اللہ کی راہ میں نیلا کے مقابل جنگ کا آغاز کر چکا ہے اور اگر اللہ کو منظور ہوا تو وہ ضرور ”عبرت گاہ“ نئے سرے سے آباد کر کے دینِ اسلام نافذ کرے گا اور یہی اس کی زندگی کا مقصد ہے۔

اس نے کلدیپ کو کہا کہ وہ اس کی مدد کرنے یا ساتھ دینے کا پابند نہیں ہے۔ مگر کلدیپ نے آہ بھرتے ہوئے کہا:

اے معزز انسان!

اگرچہ میں ہندو ہوں اور تمہارے دین کو ابھی تک نہیں سمجھ سکا لیکن آپ مجھے وفاداروں میں پائیں گے اور اگر زندگی رہی تو یقیناً آخری لمحے تک اس جنگ میں میں تمہارا ساتھ دوں گا۔

غازیا چند لمحوں کے لئے خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کلدیپ سے کہا کہ:

”تم قطعی طور پر ظاہر نہ ہونے دینا کہ مرنے والا تمہارا والد تھا۔ تم نیلا اور اس کے

ساتھیوں کی ایک ایک حرکت اور پالیسی پر نگاہ رکھنا اور فی الحال میں دور ایک جگہ پر ہوں گا اور میں خود تمہارے پاس آ کر حالات کی آگاہی حاصل کرلیا کروں گا۔ تم کشتی چلانا نہ چھوڑنا کیونکہ یہ بہت مددگار ثابت ہوگی۔“

غازیا کلدیپ کے ساتھ ایسی ہی گفتگو کر کے اس سے بچھڑ گیا اور اپنی کسی منزل کی جانب چل دیا۔

وہ دور تک غازیا کو جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

جھلملاتے آنسوؤں میں اس کی نگاہ میں وہ لمحے اتر آئے کہ جس دن ملاح کمر پر ہاتھ رکھ کر دھیرے دھیرے لوٹ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ:

میرے بیٹے!

”غازیا غلط نہیں کہتا۔ ہمیں اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو اس کا ساتھ دینا چاہیئے“ اور تب وہ جیسے اسی شام میں پہنچ گیا ہو جب ملاح، غازیا اور اس کے درمیان حسین گفتگو ہوئی تھی۔ وہ ہولے سے مسکرادیا کیونکہ وہ ایک لمحے کے لئے وہی سوالات اور جوابات سن رہا تھا۔ جس میں ملاح نے غازیا کو مخاطب ہو کر کہا تھا کہ:

”تم یہ بستی کیوں آباد کرنا چاہتے ہو۔ اسے تو برباد ہونے والوں نے خود برباد کیا تھا۔“

غازیا نے کہا:

”طوفان اگر کھیت کو ویران کر دے تو دہقان کو اس سے بے دخل نہیں کیا جا سکتا یا کسان اگر خود اپنے کھیت کو آگ لگا دے تو اس پر اس کا حق ملکیت ختم نہیں ہو جاتا۔“

ملاح نے کہا:

”مگر میں اس بستی سے زیادہ تمہیں قیمتی سمجھتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ یہاں کے ہندو پہاڑ کی مانند تمہارے سامنے آ کھڑے ہوں گے۔“

غازیا نے کہا:

میرے حبیب!

”قرآن کی نگاہ میں قیمتی وہی ہے جس نے اپنے آپ کو اللہ کے ہاتھ بیچ دیا اور میں اسی کے قوانین نافذ کرنے کے لئے بستی بسانا چاہتا ہوں۔“

ملاح نے کہا:

”کاش میں بھی ایسی سچائیوں کو سمجھ سکتا اور تمہاری طرح بے خوف اطمینان لئے جی رہا ہوتا۔“

غازیا نے کہا:

”ہر سچائی ہر وقت آئینے کی طرح ہر فرد کے سامنے ہوتی ہے لیکن وہ اسے دیکھنا نہیں چاہتا اور وہ اپنے دل کی آواز نہیں سنتا۔“

اور تب کلدیپ خود اٹھ کر قریب آ گیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ:

غازیا!

"میں تمہاری زندگی کے انداز سے متأثر تو ہوں مگر تمہاری فلسفیانہ سوچ میرے لئے بے معنی ہے کیونکہ مجھے تو کبھی دل کی آواز سنائی نہیں دی۔"

غازیا نے کہا تھا کہ:

"تم اپنی سماعتوں کو توانا و تیز کر دو اور دل کو بولنا سکھاؤ۔ اسے دھوپ کی طرح اجلا کر دو اور وراثت میں ملے نظریات و عقائد کو پہلے مسترد کر دو۔"

اس نے کہا تھا:

"کیسے"؟

غازیا نے کہا تھا کہ:

"سچائی پر غور کیا کرو"

اس نے کہا تھا کہ:

اس کے پرکھنے کا پیمانہ کیا ہے؟

غازیا نے کہا تھا:

"میرے لئے قرآن ہے"

ملاح بڑی دیر تک ہوتی ہوئی اس گفتگو سے لطف اندوز ہوتا رہا تھا اور پچھلے کئی دنوں سے وہ جن سوالات کی پرورش کر رہا تھا اس دن وہ غازیا کے ہونٹوں سے روح کو مسرور کرنے والے جوابات حاصل کر رہا تھا۔ وہ اٹھا اور اس نے بے خودی میں غازیا کو چومتے ہوئے کہا تھا کہ:

میرے عزیز!

"مجھے بھی اسی نورانی راہ کا مسافر بنا لو کہ جس پر تم گامزن ہو! اور وہ (کلدیپ) کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا تھا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔" پھر اس نے کہا تھا کہ:

غازیا!

"مجھے خوشی ہے کہ میرے باپ نے راہِ اسلام اپنا لی ہے مگر مجھے اپنے دل سے ہمکلام ہونے میں شاید اور عمر چاہیئے لیکن میری وفاؤں اور دعاؤں کی سچائی پر شک نہ کرنا"۔

اور اگلی صبح ملاح کی بجائے کلدیپ نے کشتی سنبھال لی تھی۔

غازیا کو تلاش کرنے کے لئے نیلا نے ذاتی طور پر جن تین اہم نکات پر کام کرنے کا فیصلہ کیا وہ یہ تھے:

* جو خط میں درج تھی اس کی مماثلت کی تحریر کے ذریعے غازیا تک پہنچا جائے۔

* دی گئی اذان کی صدا جسے نیلا نے اپنے ذہن کی سماعتوں میں محفوظ کر لیا تھا۔ یعنی اس

آواز کی مماثلت سے اس تک پہنچا جائے۔

* پولیس کی جانب سے شائع کردہ غازیا کی تصویر سے ملتے جلتے خدوخال کے ذریعے اس تک پہنچا جائے۔

نیلا حالات کو مدنظر رکھ کر یہ تجزیہ کر چکی تھی کہ:

''غازیا اسے سنبھلنے کا موقع نہیں دے گا اور وہ بہت جلد کسی نہ کسی طرف سے اس پر ضرور وار کرے گا تا کہ وہ کم از کم اپنے ہونے کا ثبوت فراہم کر سکے۔

دوسرے یہ کہ اس علاقے میں قریب قریب کوئی مسلمان ایسا نہیں تھا جو وہاں اذان دینے کی جرأت کرتا اس لئے مارا جانے والا یقیناً اس کا ساتھی ہوگا جو سومبر کی رات کو اس کے مقابل غازیا کا ساتھ دینے پر تلا بیٹھا ہوگا۔

نیلا نے غازیا کی للکار کو سامنے رکھتے ہوئے تنظیم کو نئے سرے سے ترتیب دینے کا حکم دیا۔ اس نے اپنے شوہر کو ایسے متعصب ہندو نوجوانوں کو اکھٹا کر کے ممبر بنانے کے لئے کہا جو زیادہ طاقتور، پھرتیلے اور پیدل طویل سفر کر سکتے تھے۔ اس نے انہیں فوجی تربیت دینے کا کام اپنے ذمے لے لیا کیونکہ وہ سربیا میں ٹریننگ دینے والے فوجی عملے میں شامل رہی تھی۔

غازیا کو تلاش کرنے کے لئے اس نے علاقے سے دور و نزدیک نوجوانوں کی تحریریں

حاصل کیں تاکہ وہ الفاظ کی مشابہت سے غازیا تک پہنچ سکے۔ یہ کام اس نے نئی تنظیم کے نوجوانوں کو سونپا جنہوں نے اپنی تحریریں بھی دیں اور گھر گھر جا کر بے حساب لوگوں سے تحریریں اکھٹی کیں۔ نیلا اگلے چند روز تک ان کے مطالعے میں مصروف رہی۔

اس نے علاقے میں بڑی عمر والے افراد کو دعوت دی اور ان سے دریافت کیا کہ:

''کیا اس علاقے میں کوئی ایک بھی مسلم ہے جو اذان دینے کی جرأت کر سکے۔؟''

انہوں نے کہا:

''ایسا کوئی نہیں''

اس نے کہا:

''یہاں کسی کا کوئی دوست یا کوئی مددگار ایسا مسلم جس کا کسی نہ کسی کے پاس آنا جانا ہو۔''

لوگوں نے کہا:

''جب سے وہ بستـــــــــی برباد ہوئی تب سے کبھی کوئی بھولا ہوا مسافر بھی ادھر نہیں آتا البتہ پچھلے دنوں ملاح کا رشتے دار کشتی بان کشتی چلاتا رہا اور ویسے بھی جب سے یہ تنظیم بنی ہے تب سے یہاں دور چلے جانے والے مسلمان بھی سہم گئے ہوئے ہیں اور ان میں سے کسی کا اس جانب آنکلنا محال ہے۔''

نیلا نے تنظیم کے نوجوانوں کو بتلایا کہ:

''اس علاقے میں ہی غازیا موجود ہے جسے ہر صورت ختم کیا جائے۔ اس نے وہاں کے اہل اختیار کو اس تحریر سے آگاہ کیا جو غازیا کی جانب سے ملی تھی۔ اصولی طور پر تو نیلا کے حکم سے کسی شخص کو ہلاک کرنا بذاتِ خود جرم تھا اور ملاح کے مارے جانے پر نیلا کے خلاف بھارت کے پینل کوڈ کے مطابق قتل، اعانتِ قتل اور سازش قتل وغیرہ میں سے کوئی تو مقدمہ درج ہونا چاہیئے تھا لیکن ایسا نہ ہوسکا اور امریکہ کی گیارہ اکتوبر کی رپورٹ جس میں کہ حقوقِ انسانی کی پامالی کے سلسلے میں اقلیتوں پر ظلم اور ان کے افراد کو قتل کرنے کے جو اعداد وشمار دیئے گئے تھے وہ ان حقائق پر گواہی تھی کہ وہ افراد جو ایسے قتال میں ملوث ہوتے تھے مگر وہ مقدمات کی زد سے باہر ہوتے تھے اس کی متعدد وجوہات ہوسکتی تھیں۔ مثال کے طور پر:

* تنظیمی لحاظ سے وہ افراد اتنے جابر اور با اثر ہوتے تھے کہ علاقائی پولیس ان پر ہاتھ ڈالنے سے گریزاں رہتی تھی۔ یعنی وہ پولیس کے بڑے احکام کو اپنے زیرِ اثر رکھتے تھے۔
* یہ بھی ممکن ہے کہ پولیس میں جو افراد ان کو پکڑنے کی جرأت کرتے اگلی بار تنظیم انہیں مخصوص اقلیت کا حمایتی قرار دے کر موزوں وقت پر قتل کروا دیتی۔
* یہ بھی ممکن ہے کہ اس دور کی حکومت نے نیلا کی مسلمانوں کے خلاف یورش پر

آنکھیں بند کر رکھی ہوں اور حکومت میں موجود بعض اہل اختیار اور فیصلہ سازوں کی آرزو ہو کہ نیلا مسلمانوں کا بھارت میں جینا تنگ کر دے تو بہتر ہے۔

نیلا کی اعانت کے لئے انہی دنوں بھارت کے ایک مشہور کھلاڑی نے بھی ایسا ہی بیان دیا کہ وہ مسلمانوں کو بھارت سے نکالنے کی مہم میں سرگرمی سے حصہ لے گا۔ جس کے جواب میں پاکستان کی اخباروں نے لکھا کہ:

''بہتر ہے اس سلسلے میں بھارت سب سے پہلے اپنی ایٹمی ترقی کے سائنس دان ''آزاد'' کی تخلیقات وایجادات سے آزادی حاصل کرے۔''

چنانچہ نیلا انہی تضادات سے بھرپور فائدے اٹھاتی رہی۔

اس نے اگلے چند روز بڑی تگ ودو اور سرگرمی سے غازیا کی تلاش اور اس کے کھوج کے لئے جدید وقدیم طریقے اختیار کیے۔ اس نے خود کئی روپ بدلے اور بہروپ اختیار کرنے کی حکمتِ عملی بھی تیار کی۔ دراصل غازیا کی تحریر نے اس کے قدم روک لئے تھے اور اس کا انتقام ونفرت آپے سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔ حیرت ہے کہ وہ اگلے جتنے دنوں تک اس کی تلاش کرتی رہی اس کا اسے کہیں کھوج اور پتہ نہ مل سکا۔ اس کے لئے سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ وہ تا حال اس کے چہرے اور سراپے سے ناواقف تھی ورنہ کہیں نہ کہیں اسے اس کی پہچان مل ہی جاتی۔

تا حال نیلا کی غازیا تک پہنچنے کی تمام کوششیں ناکام ہو چکی تھیں۔ دور و نزدیک کے تمام راستوں پر ناکے لگے رہتے۔ غازیا کو تلاش کرنے والوں کو یہ تسلی تھی کہ اگر اسے مار دیا جائے تو بھی وہ قانون کی نظر میں محترم ہی رہیں گے کیونکہ حکومت پہلے ہی اسے زندہ و مردہ پکڑنے کا انعام رکھ چکی تھی۔

فی الحال ساری تنظیم کا مرکزی نکتہ ہی غازیا تک پہنچنا تھا۔ انتہا پسندوں کے بڑے راہنماؤں نے نیلا سے دو ایک بار ملاقات کر کے نئی حکمتِ عملی طے کرنے کی کوشش کی مگر نیلا غازیا کی جانب سے لکھے گئے دھمکی آمیز خط کو زیرِ بحث لاتی رہی۔ اس کا کہنا تھا کہ:

"اگر غازیا کو زندہ چھوڑ دیا گیا تو وہ پیچھا کرتے کرتے ایسے حربوں پر اتر آئے گا جن کے ذریعے نہ صرف بنی بنائی حکمتِ عملیاں تباہ ہو سکتی ہیں بلکہ انتہا پسندوں اور تشدد پسندوں کے راہنما بھی اس کا نشانہ بن سکتے ہیں۔ ملاقات کے لئے آنے والے راہنما عجیب مخمصے میں مبتلا تھے۔

ان میں سے کچھ نے رائے دی کہ:

"غازیا کا معاملہ پولیس پر چھوڑ دینا چاہیئے اور پولیس کی اس سلسلے میں جو تھوڑی بہت کارکردگی ہو چکی ہے اس کی حکومتی پیمانے پر حوصلہ افزائی کروا دینی چاہیئے تا کہ وہ مزید مستعد ہو کر غازیا کا قلع قمع کر سکے"۔

مگر نیلا کا کہنا تھا کہ:

''غازیا والا مسئلہ پولیس یا حکومتی ایجنسیوں پر نہیں چھوڑا جا سکتا اس لئے کہ پچھلے کئی مہینوں کی جدوجہد کے باوجود وہ ناکام و نامراد رہی ہے اس لئے حکومتی پیمانے پر ان کی کسی کارکردگی کی حوصلہ افزائی کروانے کی ضرورت نہیں۔''

اس نے مزید کہا کہ:

''غازیا مسلمان بھی ہو چکا ہے اور اس نے ہمارے خلاف جہاد کا راستہ اپنا لیا ہے۔ ایسے میں اس کا معاملہ سادہ سی پولیس پر چھوڑ دینے کا مطلب اپنے آپ کو براہِ راست اس کے پنجوں میں دینا ہے۔''

آنے والے راہنماؤں نے نیلا کے وسوسوں کی حمایت کی اور یہ طے پایا کہ پوری قوت سے جتنی جلد ممکن ہو غازیا کا نشان مٹایا جائے تا کہ نیلا تسلی اور آزادی سے 'بھارت صرف ہندوؤں کے لئے' والی ''گرینڈ سٹریٹجی'' پر کام کر سکے۔ اس سلسلے میں انہوں نے اپنے طور پر دو طریقوں کو اپنانے کی پالیسی تیار کی:۔

* ایک یہ کہ حکومت پر غازیا کے خلاف دباؤ بڑھا دیا جائے تا کہ وہ پولیس کو زیادہ سے زیادہ مستعد کر دے اور پولیس میں جو نامی گرامی آفیسر ہیں ان کی خدمات اس علاقے کی پولیس کے حوالے کر دی جائیں۔

* دوسرے یہ کہ تنظیم کے بعض نوجوانوں اور عہدیداروں کو بہروپ بدل کر قرب وجوار میں پھرنا چاہیئے تا کہ وہ غازیا کی حرکات وسکنات پر نظر رکھ سکیں۔ اس کے لئے انہوں نے نیلا کو مکمل آزادی دی کہ وہ تنظیم کی پوری توانائی غازیا کی سرکوبی میں استعمال کرسکتی ہے۔

ایک رات دور تک سفید چاندی نے دریا کے پانی اور کنارے کو ہم شکل کر رکھا تھا۔ایک بوڑھی اپنے تین نوجوان طاقتور بیٹوں کے ہمراہ پتن پر کھڑی کشتی کے آنے کا انتظار کررہی تھی۔ وہ اسلحہ بند چوکس اپنی بوڑھی ماں سے اس علاقے کے بارے میں باتیں کر رہے تھے جیسے باہر رہنے کے بعد وہ اک عمر کے بعد واپس اپنے آبائی گاؤں میں جا رہے ہوں۔ پتن سے پچھلی جانب ذرا دُور ایک طرف ٹیلے کے پیچھے دریا کی چھوڑی ہوئی جھیل نما جگہ پانی سے بھری پڑی اپنے کنول سہلا رہی تھی اور جتنی وہاں چاندنی کی کرنیں رقص کررہی تھیں لگتا تھا کنول بھی اتنے ہی تھے اور سبھی مسکرا رہے تھے۔ ان کے رقص وتبسم کا یہ منظر اس رات کی طلسماتی خاموشی نے حسین تر بنا رکھا تھا کہ کوئی ان کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا پتن کی جانب آ گیا۔آنے والا اک گنوار مزدور سا تھا جس کے چہرے پر جما چمنی کا دھواں اور پڑی ہوئی گرد گواہی دے رہی تھی کہ وہ دن بھر مشقت کرتا رہا ہوگا۔ ایسی سخت مشقت کے اثرات دیکھ کر کوئی محسوس کرسکتا تھا کہ اس کا واقعی ہی بہت غریب گھرانے سے

تعلق ہوگا۔ وہ پتن پر آ کر اس بوڑھی عورت سے ذرا دور ہٹ کر بیٹھ گیا اور بیٹھتے ہی شاید اس کی آنکھ لگ گئی ہو کیونکہ دن بھر جو جسم بوجھ اٹھاتا رہے اور محنت کی آنچ اور دھوئیں میں پگھلتا بنتا رہے تو اس گرم ماحول سے نکل کر دریا کا کنارہ، ٹھنڈی ہوا اور ریشمی رات کا حسن کہاں ایک پل کے لئے بھی ہوش میں رہنے دیتا ہے۔ وہ بہت تھک چکا تھا اس کے باوجود وہ بار بار بوجھل آنکھیں کھولتا اور ستاروں کو دیکھتا۔ ان میں کچھ چاند سے مرعوب تھے، کچھ اس کی اطاعت کر چکے تھے اور کچھ اس کی آنکھ میں آنکھ ڈالے کھڑے تھے۔ اس نے محسوس کیا کہ ان کے طریقے بھی مِل کے مزدوروں سے ملتے جلتے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پھر نیند سے بھاری آنکھیں کھولیں اور دریا کی لہروں کو دیکھتا رہا جو دودھیا چاندنی میں نہا رہی تھیں اور نغمہ سرا تھیں۔

اسے یوں لگا کہ ان کا گیت پیغام دے رہا ہو کہ:

"زندگی کا جمود کہتا ہے

اک حسین انقلاب آ جائے

خامشی کے نئے سوالوں کا

اب تو کوئی جواب آ جائے"

اس نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور قریب تھا کہ گہری نیند کے کھٹولے اسے اڑاتے ہوئے دُور سپنوں کی وادی میں لے جائیں کہ ان نوجوانوں میں سے کسی کی آواز نے اسے چونکا

دیا جو بوڑھی سے کہہ رہا تھا کہ:

"اس سامنے پڑے گنوار سے پوچھا جائے کہ اس پتن پر رات کے کس پہر تک کشتی مل سکتی ہے۔"

بوڑھی سمیت وہ تینوں اس کے پاس آ کر ٹھہر گئے۔ ایک نے پاؤں کی ٹھوکر سے اسے جگاتے ہوئے بڑے کرخت لہجے میں پوچھا کہ:

"اس پتن پر کشتی کب تک آتی رہتی ہے"

مسافر نے ادھ کھلی آنکھوں سے دیکھا اور خوابیدہ لہجے میں کہا:

"میں بھی تمہاری طرح انتظار میں ہوں"

دوسرے نے بندوق کی نالی اس کے چہرہ پر رکھتے ہوئے پوچھا:

"اگر تم یہاں کے رہنے والے ہو اور روز آتے جاتے ہو تو ہمارے سوال کا جواب درست طور پر دے سکتے ہو"۔

اس نے پھر اسی انداز سے کہا:

"درست جواب صرف کشتی والا دے سکتا ہے"

بوڑھی نے کہا:

مسافر!

''ہم نئے ہیں اور یہاں نیلا دیوی نام کی خاتون کے پاس جانے والے مسافر ہیں اس سلسلے میں وہاں تک راہنمائی کرنے کے لئے آپ ہماری کیا مدد کر سکتے ہیں۔''

''جواب میں وہ خاموش رہا''۔

بوڑھی نے کہا:

''تمہاری خاموشی سے کیا مطلب لیا جائے''

وہ پھر خاموش رہا۔ایک نوجوان نے بپھرے ہوئے انداز میں بوڑھی سے کہا:

''اگر اسے خاموشی زیادہ پسند ہے تو اجازت دو کہ ایک گولی اس کے گلے سے گزار دوں تاکہ یہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جائے۔''

مگر وہ ابھی تک خاموش رہا۔تھوڑی دیر بعد اس نے کہا:

''اگر کوئی شخص راہنمائی نہ کر سکے یا نہ کرنا چاہے تو اسے راہنمائی پر کیسے مجبور کیا جا سکتا ہے۔ میں تو دھویں اور مٹی میں پرورش پانے والا کمتر سا مزدور ہوں۔آپ مجھ سے کیا توقع رکھ سکتے ہیں۔مجھے تو یہ تک خبر نہیں کہ شام کے لقمے ملیں گے یا نہیں۔ایسے میں جس دیوی کا آپ نام لے رہے ہیں اس کے بارے میں مجھے کہاں فرصت ہے کہ میں خبر رکھ سکوں۔میں نے سنا ہے کہ وہ ایک غالب خاتون ہے۔ اس تک رسائی ممکن نہیں اور میں نے تو ایک مدت سے سورج کا چہرہ تک نہیں دیکھا کیونکہ سورج کے بیدار ہونے سے پہلے کام پر جاتا ہوں اور

جب وہ سوچکا ہوتا ہے تو میری واپسی ہوتی ہے"۔

بوڑھی نے نوجوانوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا:

"اسے پڑا رہنے دو"۔

ایک دوسرے نوجوان نے بندوق کو آگے پیچھے کرتے ہوئے کہا:

"اس سے اس کا پتہ معلوم کیا جائے جس کے بارے میں نیلا نے تنظیم کو لگا رکھا ہے۔"

بوڑھی نے اپنے طیش کو سمیٹتے ہوئے کہا:

"جسے اپنی خبر نہ ہو وہ کسی کی کیا خبر رکھ سکتا ہے"۔

اس کے یہ الفاظ سن کر وہ مسکرا دیا۔ اس نے کہا:

خاتون!

"آپ کے پاس کوئی روشنی ہے تو بلند کرو تا کہ اس پار کوئی ناؤ ہو تو وہ شاید جان لے اور آپ کو پار لے جا سکے"۔

بوڑھی نے کہا:

"ہمارے پاس روشنی نہیں ہے۔ صرف آواز ہے جو دریا کی لہروں کے شور کی وجہ سے اس تک نہیں جا سکے گی۔"

ایک نوجوان نے کہا:

”کیا آپ مدد کر سکتے ہیں“

مزدور نے ایک پرانی سے ٹارچ پہلے اس جانب پھر آسمان کی طرف بلند کی۔ جس کا شاید مطلب یہی تھا کہ:

”جو کوئی کشتی اس جانب ہے وہ اس پار چلی آئے سخت ضرورت ہے“۔

اس کے بعد وہ شخص وہاں سے کہیں دور جا کر لیٹ گیا تاکہ رات کے حسن سے لطف اٹھا سکے۔ وہ کبھی ان کے بارے میں اور کبھی اپنے بارے میں سوچتا اور کبھی چاند کے نور کے سامنے سہمے ہوئے ستاروں کی ضو سے گفتگو کرتا۔ دیکھتے دیکھتے اسے اک اجنبی احساس نے گھیرے میں لے لیا کہ:

”زندگی کو تابناک انقلاب سے روشن کرنے کے لئے ستارے کی سی ضو نہیں چاند کی چاندنی درکار ہوتی ہے بلکہ رات کو مکمل شکست دینے کے لئے سورج کا اجالا چاہیئے“

یہ عجیب احساس تھا جو اس کے دل و دماغ میں چاندنی کی طرح جھلملا رہا تھا اور وہ اسی روشنی کو لئے خواب گیں آنکھیں بند کرنے والا تھا کہ اسے دور سے مانجھی کے نغمے کی آواز آئی جس سے ظاہر تھا کہ اس کا اشارہ کام کر گیا اور دیکھنے والے نے ان کی سن لی۔

کشتی پتن تک آئی اور اس سمیت سب مسافر اس جانب روانہ ہو گئے۔ کشتی دھیرے دھیرے جا رہی تھی اور مانجھی کا نغمہ رات کی خاموشی پہ سوار لہروں کے شور کو مترنم بنا رہا تھا۔

نوجوانوں نے دیکھا کہ مسافر کشتی میں ایک کونے پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ انہوں نے اسے مزدور کی تھکن کا حساب سمجھ کر نظر انداز کر دیا یا ممکن ہے یہ جان کر خاموش ہو رہے ہوں کہ وہ کسی شاعر و ادیب جیسا مزاج رکھتا ہو گا اور لہروں کے نقرئی رقص سے متاثر ہو کر کچھ لکھنے چلا ہو گا۔

چپو ار چلتے رہے یہاں تک کہ کشتی وہاں پہنچ گئی جہاں اسے جانا تھا۔ بوڑھی تینوں نوجوانوں کے ساتھ بائیں راستے پر چلنے لگی تو مسافر نے جو کچھ لکھا تھا اسے ایک لفافے میں بند بوڑھی کو دیتے ہوئے کہا:

"نیلا دیوی کے لئے آپ معزز لوگ ہیں۔ اس تک ہماری رسائی نہیں براہ کرم میرا یہ پیغام وہاں تک پہنچا دیجئے۔"

بوڑھی کے ساتھ ایک نوجوان نے بڑی بے اعتنائی سے اس خط کو لیا اور مٹھی میں بھینچوڑتے ہوئے کہا:

"اگر ہمیں یاد رہ گیا تو پہنچ جائے گا"۔

ان کے رویے سے ظاہر تھا کہ وہ بڑی طاقت، کروفر اور اثر و رسوخ والے ہیں۔ ان کے لئے ہر وہ شخص حقیر تھا جو ان میں سے نہیں تھا۔ بوڑھی نوجوانوں کو لئے پسند کے راستوں پر چلتی رہی اور مسافر کشتی والے کے ساتھ واپس اس کنارے چلا گیا جہاں سے وہ آیا

تھا۔

بوڑھی نے بڑی حویلی میں داخل ہوتے ہی اپنا بہروپ درست کیا اور واپس نیلا کے روپ میں اپنے شوہر کے ساتھ بیٹھ گئی اور اس مسافر کا وہ خط پڑھنا شروع کیا جو آتے ہوئے اس کو دیا گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ ہندوؤں کے کسی گروپ کی طرف سے تنظیم کے لئے تعاون و مدد کی پیشکش کا پیغام ہوگا یا اس مسافر کی کوئی ذاتی درخواست ہوگی۔ بہر حال ابھی تک اس کی ساری تنظیم آج تک غازیا کو تلاش کرنے میں ناکام رہی تھی اور اس کی ذاتی جدوجہد بہروپ بدل کر بھی ناکام رہی تھی اور اس کا مطلب تھا کہ غازیا نام کا کوئی شخص اگر تھا بھی تو اتنے دنوں میں ناکام واپس جا چکا ہوگا اور پہلے دن کا واقعہ صرف جذباتی کیفیت پیدا کر دینے والا تھا جسے غازیا نام کے شخص نے جذبات سے مغلوب ہو کر نیلا دیوی کو چیلنج کر دیا تھا۔ ایسی باتیں وہ دونوں کرتے رہتے تھے اور خط کھولنے سے پہلے بھی وہ ایسی ہی گفتگو کر رہے تھے۔ خط کھولا گیا تو نیلا چونک گئی۔ اس میں تحریر تھا کہ:

نیلا دیوی کے نام!

ہماری یہ ملاقات بہت مختصر رہی۔ اسے اتنا ہی رہنا چاہیئے تھا۔ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ آپ کی مسلمانوں کے خلاف بلا کسی جواز کے نفرت اور انتقام نے آپ کا روپ چھین رکھا ہے اور آپ کو ایسے انداز اختیار کرنے پر مجبور کر رکھا ہے جو سراسر بچگانہ اور غیر دانشمندانہ

ہیں۔جن نوجوانوں کو آپ ساتھ لئے پھرتی ہیں کیا آپ کو یقین ہے کہ ان میں سے کوئی بھی میرا ساتھی نہیں۔ آپ کو یاد رہے کہ بھارت میں جتنے بے گناہ مسلمان آپ کے حکم سے قتل ہوئے ہیں یا جتنے عیسائی و دیگر اقلیتوں والے مار دیئے گئے ہیں ان کے اعداد و شمار میرے پاس پہنچ چکے ہیں۔ میری زندگی کا مقصد اتنی ہی جانوں کا قصاص لینا ہے۔ آپ پر یہ واضح ہو کہ کبھی میں بھی کٹر ہندو تھا مگر میرے ضمیر نے مجھے سیدھی راہ دکھائی جو صرف دینِ اسلام تک پہنچتی ہے۔ تم چاہو تو وہ راہ اپنا سکتی ہو اور اپنے آپ کو قانونی عدالت کے سامنے پیش کر سکتی ہو اور راہِ اسلام میں ''استغفار'' کا نورانی اور پاکیزہ ورد اس بارگاہ میں قبول ہو سکتا ہے۔میری جانب سے اسے اسلام کے لئے ''دعوت'' سمجھنا کیونکہ تلوار اٹھانے سے پہلے قرآن اسی کا حکم دیتا ہے اور آسمان اپنے چاند تاروں سمیت گواہ ہے کہ میں نے بندوق اٹھانے سے پہلے تمہیں نیکی کی طرف آنے کی ضرور دعوت دی ہے اور اگر اسلام میں نہ داخل ہونا چاہو تو بھی ''تم چاہو تو اگلی چاند رات کو اسی کنارے پر اپنے دھرم پر قائم رہتے ہوئے امن کا معاہدہ کر کے میرے ساتھ انسانوں کی فلاح و خدمت کے لئے جدوجہد کا آغاز کر سکتی ہو۔ایسی جدوجہد جس میں بلا جواز ہم ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں اور ایسی جدوجہد جو بلکتے انسانوں کے لئے سہارا ثابت ہو۔ اس رات آپ کے نہ آنے یا مجھے جال میں پھنسانے کا مطلب کشمکش کو جاری رکھنا سمجھا جائے گا۔ مستقبل میں اس

رات کو جگمگاتا ہوا سویرا سمجھا جائے یا شبِ مرقد کہ جس کا سویرا ہی نہیں ہوتا اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

منتظر

غازیا

نیلا یہ خط پڑھ کر تلملا اٹھی۔اس کا شوہر اس سے زیادہ سیخ پا ہوگیا۔انہیں شدید افسوس ہونے لگا کہ ہاتھ آیا ہوا شکار زندہ رہ گیا۔ نیلا نے تنظیم کے چند نوجوانوں کو فوری طور پر دریا کنارے بھیجا مگر وہ بہت دیر تک ادھر ادھر گھوم پھر کر ناکام واپس آ گئے۔

نیلا نے چند دوسرے نوجوانوں کو دریا کے پار تک جانے کا حکم دیا اور انہوں نے ایسے تیسے پار جانے کا بندوبست کرلیا۔بہر حال جو بن پڑی سو کیا گیا۔جو ممکن تھا اسے آزمایا گیا مگر غازیا ہاتھ نہ آیا۔

نیلا نے کہا:

"غازیا ایسا دشمن ہے جو شاطر بھی ہے اور ہر لمحے پر نگاہ رکھنے والا ہے۔ اس نے اپنے جیون ساتھی کو طعنہ دیتے ہوئے اس کے مقابل کامیاب ہونے کے لئے کہا۔وہ آپے سے باہر تھی اور ایسے میں کسی رشتے کے احترام کو خاطر میں نہ لاتی تھی۔

اس کے شوہر نے کہا!

لیکن ہمیں خود تنظیم کے نوجوانوں پر نظر رکھنا ہے کیونکہ خط سے ایسے اشارے مل چکے ہیں۔

نیلا نے جوشیلی آواز میں پوچھا:

"ان پر کون نظر رکھے گا؟"

حقیقت میں نیلا اس سے بددل تھی اور اسے بڑے سے بڑے خطرے میں جھونک دینا چاہتی تھی تاکہ غازیا کے مقابل کامیابی حاصل ہو سکے اور وہ جلد دارالخلافہ کا رخ کر سکے۔ جب سے تنظیم کے سب سے بڑے سربراہ کو غازیا نامی شخص کے بارے میں علم ہوا تھا اس نے نیلا کے مشورے کے مطابق حکومت سے ہر طرح کی مدد کی درخواست کر رکھی تھی تاکہ ہیلی کاپٹر سمیت اسے جدید سہولیات میسر آ سکیں۔

نیلا نے اس رات کی کشتی والے کو حاضر کیا اور اس سے استفسار کیا کہ:

"وہ مسافر جو ایک بوڑھی خاتون اور تین نوجوانوں کے ساتھ کنارے پر اترا تھا اس کے بارے میں بتلاؤ۔"

کشتی والے نے معذرت کی اور بتلایا کہ وہ کنارے پر نہیں اترا تھا بلکہ اس نے واپس جانے پر اصرار کیا تھا اور تب وہ اسے واپس لے گیا تھا اور پھر ٹیلے کی جھاڑیوں میں سے ہوتا ہوا غائب ہو گیا تھا۔

نیلا نے تنظیم کے نوجوانوں پر بھی خفیہ کڑی نگرانی شروع کردی اور جس پر معمولی سا شک گزرتا اسے خفیہ قتل کرکے دریا برد کردیا جاتا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بچنے والے سمجھتے رہے کہ جو ساتھی غائب ہوئے ہیں ان کو غازیا کی تلاش کے خفیہ مشن پر لگا رکھا ہے۔ حقیقت میں جو بلا جواز صرف ذاتی مفادات کے لئے نفرت و انتقام یا جنگ کا راستہ اختیار کرتے ہیں ان کے اعصاب بہت جلد کمزور اور شکست و ریخت کا شکار ہونا شروع ہوجاتے ہیں کیونکہ جنگ کے لئے جس طاقت کی بنیادی طور پر ضرورت ہوتی ہے وہ صرف "قوتِ یقین" ہے۔ نیلا خط پڑھنے کے بعد اس سے محروم ہوچکی تھی کیونکہ دوسروں کو پیچھے دھکیل کر اپنی انا اور ذاتی مفادات کا تحفظ فرد کو کمزور و بُزدل بنا دیتا ہے۔

غازیا نے زندگی کی اس سچائی سے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اس نے شعوری کوشش کے ذریعے سب سے پہلے نیلا کی نفرت کے پیچھے اس میں موجود "بھروسے اور اعتماد" پر بھرپور حملہ کیا۔ اس حملے میں وہ مکمل طور پر کامیاب رہا تھا اور نیلا کی اچھی خاصی توانائی اپنی ہی تنظیم کے نوجوانوں پر کڑی نگرانی میں صرف ہو رہی تھی۔

غازیا نے یہ جنگی حربہ غزوۂ خندق سے حاصل کیا تھا کیونکہ اسی میں محمد ﷺ نے اپنے ساتھ شامل ہونے والے ایک ساتھی کو یہ کام سونپا تھا کہ وہ دشمنوں میں رہ کر ان کے بارے

میں مکمل معلومات محمد ﷺ کو مہیا کرتا رہے۔اس وقت یہ حربہ خالصتاً حق کی فتح اور باطل کی شکست کیلئے اپنایا گیا تھا مگر بعد میں بے حساب لوگوں نے اسے اپنے اپنے مقاصد اور اپنے اپنے انداز میں اپنایا۔ پاکستان کی تاریخ میں بذاتِ خود کے جی بی، سی آئی اے، موساد اور رانے یہ حربہ حکمرانوں پر آزمایا اور انہیں خبر تک نہ ہونے دی گئی چنانچہ بیشتر حکمران اعتماد اور بھروسے سے ہاتھ دھو بیٹھے کیونکہ وہ خوف و شکوک میں ایسے ساتھی چنتے رہے جو لالچ و ہوس والے تھے اور نتیجتاً وہ جلد یا بدیر ایسے انجام کو پہنچتے رہے جس پر آسمان رویا اور نہ زمین روئی مگران کے پیچھے یہی عامل کارفرما رہا اور اسی سے ان کی قوتِ یقین برباد ہوتی رہی۔

غازیا بہرحال کامیاب جنگی حربہ آزما چکا تھا اور نیلا پہلے مرحلے میں بغیر جانے ہوئے آہستہ آہستہ ساتھیوں پر بھروسے سے محروم ہوتی جا رہی تھی۔

نیلا نے بتلائی گئی اگلی چاند رات کے لئے نہایت ہی خفیہ حکمتِ عملی اپنانے کا فیصلہ کیا۔اسے علم تھا کہ اس کی ذرا سی بے احتیاطی غازیا کو چوکنا کر دے گی اور وہ غازیا کا شکار نہ کر سکے گی۔ اس کی حکمتِ عملی میں بنیادی عنصر ''دشمن کو دھوکے میں رکھ کر سرپرائز پیدا کرنا تھا''۔ یعنی اس نے فیصلہ کیا کہ اس رات وہ ظاہر کرے گی کہ ''وہ اسلام کی راہ اپنانا چاہتی ہے اور اس کے لئے لٹریچر مہیا کیا جائے اور تب تک وہ امن کی راہ اپنانے کا ذکر کرے گی''۔ وہ جانتی تھی

کہ غازیا اس کے سامنے نہیں آئے گا بلکہ اپنے کسی نمائندے کو بھیجے گا اور متعلقہ جگہ پر ان کی حفاظت کے لئے کچھ نہ کچھ انتظام بھی کرے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ نیلا کے جنگی دماغ کو دیکھ کر مشرق میں بڑے بڑے عش عش کر اٹھے تھے اور دیکھا جائے تو غازیا کے لئے اس کی حکمتِ عملی اور نظریاتی تجزیہ اس کی باریک دانش کی خبر دیتا تھا۔ ذرا سا جنگی شعور رکھنے والے محسوس کر سکتے ہیں کہ ان حالات کا تجزیہ جس طرح کہ نیلا کر رہی تھی اس کو بنیاد بنا کر دیگر حربے استعمال کرنے سے غازیا کا بچ نکلنا کسی معجزے سے کم نہیں ہو سکتا تھا۔ عملی طور پر جو کچھ نیلا نے کیا وہ زیادہ متاثر کرنے والا تھا۔ مثال کے طور پر جو اقدامات کئے گئے وہ مختصر یوں تھے:۔

* حکومت کے جس محکمے سے رابطہ ہو چکا تھا اس کے ہیلی کاپٹر موقع پر ہی متوقع جگہ پر چھاپہ مار اتاریں جو اس جگہ کو گھیر لیں اور نیلا کو وہاں سے اٹھا لے جائیں تاکہ گولیوں کی بوچھاڑ میں کہیں نیلا زخمی نہ ہو جائے۔

* نوجوانوں کی تنظیم کے ذہین افراد کو اپنے شوہر کی زیر نگرانی مسافروں، مزدوروں یا کسانوں کے روپ میں بہت دنوں پہلے سے دریا کے آر پار دور دور تک پھیلا دیا جائے مگر اس کی خبر قطعی طور پر کسی کو بھی نہ ہونے پائے۔

* پتن سے چلنے والی کشتیوں کے ملاحوں کو اس رات تک اپنی حفاظت وحراست میں رکھا جائے اوران پر اپنی تنظیم کے افراد ملاح کا کام کریں۔

* کوئی شخص جو نماز پڑھتا یا اللہ کا ذکر کرتا نظر آئے اسے حراست میں لے لیا جائے اور اس سے سخت انداز میں پوچھ گچھ کی جائے۔

نیلا اس رات کے مسافر کے نقوش یاد کرنے کی بار بار کوشش کرتی مگروہ بجا طور پر مٹی اور دھویں کی کالک میں جمے تھے جس سے وہ درست اندازہ لگانے میں ناکام رہی یا بالفرض اگروہ اسے یادرہ بھی جاتے تو مصّور نہ ہونے کی بنا پر وہ اس کی کوئی بھی تصویر بنوا کر مشتہر نہیں کرسکتی تھی مبادا کہ اس کی خفیہ حکمتِ عملی ظاہر ہو جائے۔

ان حالات میں کلدیپ بڑی کامیابی سے غازیا کو مختلف امور کے بارے میں آگاہی دیتا رہتا تھا کیونکہ آنے جانے والے غازیا نامی شخص کے متعلق آگاہ ہو چکے تھے اور وہ اس کے بارے میں نیلا کی جانب سے دی گئی ایسی ہدایات پر گفتگو کرتے رہتے جو خفیہ نوعیت کی نہیں ہوتی تھی۔ اس رات بھی ''غازیا کی جانب سے پہلے سے کی گئی منصوبہ بندی کلدیپ کی اطلاع پر ہی کی گئی تھی۔منصوبے کے مطابق تو نیلا کو زندہ پکڑ لینا تھا کیونکہ اسے اس کے بہروپ کا کلدیپ کے ذریعے پہلے سے علم ہو چکا تھا مگر نیلا زیادہ ہوشیار تھی اور اس نے تنظیم کے نوجوانوں کی پاسبانی کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا۔

غازیا نے جس رات کو امن کے معاہدے کے لئے مخصوص کیا تھا نیلا نے اس کے بارے میں بڑے ہی محتاط انداز اختیار کر رکھے تھے۔وہ دورہ کر ہر چیز کی نگرانی کر رہی تھی۔ غلطی کا کوئی امکان نہیں تھا۔ ہر شخص جہاں جہاں تھا کمالِ ہوشیاری سے ذمہ داری نبھا رہا تھا۔ بالکل یوں تھا کہ جیسے شیر کے شکاری مچان باندھ کر بڑی احتیاط سے اپنے شکار کا انتظار کرتے ہیں۔اس علاقے میں سارا دن ہی کشتی پر آنے جانے والوں پر خصوصی نگاہ رکھی گئی جس پر شک پڑا اسے پوچھ گچھ کے لئے ادھر ادھر کر دیا گیا۔کلدیپ کو علیٰحدہ کر کے کشتی نیلا کے کسی جانثار نے سنبھال لی تھی۔ ایک حد سے زیادہ احتیاط حکمتِ عملیوں کو تباہ کر دیتی ہے اور یہی کچھ نیلا کر رہی تھی۔ کلدیب کو علیٰحدہ کئے جانے سے غازیا سمجھ گیا تھا کہ نیلا نے دور دور تک اپنا جال پھیلا دیا ہے۔

نیلا کو اس رات کا بے تابی سے انتظار تھا۔اسے ایک طرح کا یقین تھا کہ جذباتی قسم کے مسلمان سادہ ہوتے ہیں اور تاریخی طور پر ان کی تباہیاں بھی اس لئے ہوئیں کہ دشمن انہیں فریب کے جال میں لے آئے۔غازیا کے بارے میں بھی اس کی رائے تھی کہ:

”وہ ذہین ہونے کے باوجود نیا نیا جذباتی مسلمان ہے اس لئے وہ جلد اس کے پھندے میں آجائے گا“۔

اور دلیل یہ تھی کہ غازیا نے امن معاہدے کے لئے خود پیش کش کی تھی اور خود ہی مخصوص

رات اور جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ نیلا یہ جانتی تھی کہ غازیا اپنی طرف سے ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے خود نہیں آئے گا اس لئے اس نے یہ طے کر رکھا تھا کہ جو نمائندہ آئے گا اسے پکڑ کر اتنا تشدد کیا جائے گا کہ خود بخود اس کے ٹھکانے کے بارے میں بتلا دے گا۔

آخر نیلا نے وقت اور جگہ کے لحاظ سے کوئی کوتاہی نہ کی اور بغیر کسی ساتھی کے تنہا وہاں پہنچ گئی کہ جہاں امن معاہدے کے لئے بتلایا گیا تھا۔ تمام رات انتظار ہوتا رہا مگر غازیا یا اس کا کوئی نمائندہ وہاں نہ آیا۔ رات نامراد رہی۔ اگلی صبح دوپہر کے بعد ڈاکیے نے نیلا کو کسی کا خط پہنچا دیا۔ خط بہت سادہ تھا۔ اور اس پر صرف چند الفاظ لکھے ہوئے تھے کہ:

نیلا دیوی!

بے شعور طاقت امن کی پہلی دشمن ہے۔

غازیا

اس خط کے بعد نیلا نے غازیا کی تلاش اور تیز کر دی اور قریب قریب کے علاقوں کو جہاں تک ممکن ہوا اپنی انٹیلی جنس کے گھیرے میں لئے رکھا۔

غازیا نے ایک رات فیصلہ کیا کہ وہ ان مسلمانوں سے رابطہ کرے گا جو انتہا پسندوں سے ڈر کر اپنے علاقے چھوڑ چکے تھے اور بچ بچا کر کہیں دور دور جا بسے تھے اور خانہ بدوشی اپنا رکھی تھی۔ یہ لوگ کسی ایک جگہ نہیں تھے بلکہ بکھرتے بکھرتے بکھر چکے تھے۔ البتہ کوئی کوئی کسی کا اتا پتا

جانتا تھا۔ غازیا کے لئے یہ نامکمل پتے ہی کافی تھے۔ اس نے کسی کو اپنے منصوبے کی خبر دیئے بغیر ان سے رابطے کا فیصلہ کرلیا اور ایک روز کہیں جانے کا بہانہ کر کے کلدیپ کو حالات پر مزید گہری نگاہ رکھنے کا کہہ کر چلا گیا۔ اس نے اسے بتلایا کہ اس کی غیر حاضری میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو روزانہ لکھ کر فلاں جگہ دبا دیا کرے۔

غازیا نے پہلا رابطہ کوئی سو میل دور جھونپڑیوں والے خاندانوں سے کیا۔

غازیا پوچھتے پوچھاتے دو ایک روز بعد وہاں جا پہنچا۔ وہ فرار ہونے والے مسلمانوں کی چند جھونپڑیوں والی بستی تھی جن پر خاص طرز کے جھنڈے لہرا رہے تھے جس سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ کسی مخصوص مسلم فرقے کے لوگ ہیں۔ ان جھونپڑیوں کے آس پاس کافی دور تک بستیاں نہیں تھیں اور انہوں نے ایک بے آب و گیاہ ویرانے میں ڈیرا لگا رکھا تھا۔ غازیا جب وہاں پہنچا تو رات ہو رہی تھی اور ان میں جو چند لوگ مزدوری کے لئے جاتے تھے وہ تھکے ہارے واپس لوٹ رہے تھے۔ ان میں جو چار چھ افراد پڑھے لکھے تھے وہ ساتھ والے شہر میں کچھ نہ کچھ کمائی کر کے تھوڑا بہت واپس بھیج رہے تھے جس سے گھر والوں کی گزر اوقات جاری تھی۔ ان جھونپڑیوں میں ایک ہی فرقے کے ہونے کے باوجود نظریاتی اختلافات تھے ان میں دو تین جھونپڑیوں والوں نے مزید ایک فرقہ بنا رکھا تھا اور پہچان کے لئے جھنڈے پر اپنی طرز کی نشانی بھی لگا رکھی تھی۔

غازیا نے محسوس کیا کہ ان سب کی معاشی حالت بہت پتلی تھی۔غازیا نے جاتے ہی ایک گزرتے ہوئے بوسیدہ کپڑوں والے شخص سے وہاں کے ایسے شخص کا پتا پوچھا جو ان میں ذرا کرتا دھرتا تھا۔ بوسیدہ کپڑوں والا اسے سامنے والی جھونپڑی میں لے گیا اور ایک شخص سے ملوادیا۔

غازیا نے اپنا مختصر سا تعارف کروایا اور رات کی رات ٹھہرنے کی خواہش ظاہر کی۔

غازیا نے بتلایا کہ:

"وہ عبرت گاہ والے علاقے سے آیا ہے"۔

کچھ دیر بعد تقریباً تمام جھونپڑیوں والوں کو خبر ہو چکی تھی کہ:

"آنے والا مہمان ان کے علاقوں کو جانتا ہے اور وہاں اس کا آنا جانا ہے۔"

چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے وہاں کے سب لوگ غازیا کے گرد جمع ہو گئے۔مرد،عورتیں اور بچے سب آ گئے کیونکہ وہ اک عمر وہاں گزار آئے تھے اور نشانیاں بتا بتا کر اپنے اپنے گھروں کے بارے میں پوچھتے رہے۔

ایک عورت نے کہا:

غازیا!

"فلاں طرف ایک گھر تھا کیا وہ وہاں ہے اور کیا تم وہاں بھی گئے ہو"۔

اس نے کہا:

"میں نے ایک ایک گھر کو دیکھا ہے"۔

عورت نے کہا:

"میں نے آنگن میں جو فلاں پھل دار پودا لگایا تھا کیا وہ بڑا ہو گیا ہے"۔

اس نے کہا:

ہاں!

عورت نے جھلملاتے آنسوؤں سے کہا:

"ہم جب وہاں سے فرار ہوئے تو میں اس وقت اسے پانی دے رہی تھی اور نشانی کے طور پر اپنا کنگن اس کی مٹی میں دبا آئی تھی"۔

اس وقت رات آدھی بیت چکی تھی مگر لوگ بہت کچھ پوچھ رہے تھے۔انہیں یوں لگا جیسے وہ پھر سے اس بستی میں ہوں کیونکہ غازیا بڑی ذہانت سے ان کا جواب دے رہا تھا۔جب سب اپنی یادوں اور مسرتوں میں کھو گئے تو غازیا ان سے یوں مخاطب ہوا:

بہنوں اور بھائیو!

میں نے آپ کو بتلایا ہے کہ میں ان علاقوں سے آیا ہوں جہاں پر ظلم کر کے انتہا پسندوں نے تمہیں نکال دیا تھا۔وہ سرزمینیں تمہاری منتظر ہیں۔

آپ مجھے نہیں جانتے۔ کچھ عرصہ پہلے میں ایک کٹر ہندو تھا مگر میرے دل اور ضمیر پر اس ذات کی جانب سے بارانِ رحمت ہوئی اور میں محمد ﷺ کو آخری پیغمبر تسلیم کرکے اس کا پیروکار بن گیا ہوں۔ اب میں کہہ سکتا ہوں کہ میں تم میں سے ہوں"

لوگوں نے کہا:

"سبحان اللہ"

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"میں نے قرآن کی شفاف سچائیوں کی وجہ سے اسلام قبول کیا ہے اس لئے میں نے فساد پھیلانے والوں کے خلاف اور جن کو بے گھر کر دیا گیا ان کے حق میں جہاد کا پرچم بلند کر دیا ہے۔ اس وقت میں نے تنہا ان سب کو للکارا ہے صرف اس امید پر کہ تم میری پشت سے پشت ملا کر لڑو گے اور ان علاقوں کو ظلم سے پاک کر ڈالو گے۔ دیکھنا تم میں جو لوگ ان کے ظلم کرنے والوں سے سے مارے گئے ان کا کفن میلا نہ ہو۔ میری نگاہیں صرف تم پر اٹھتی ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ "عبرت گاہ" والوں کی نسلوں کا بھی اب تو نام ونشان نہیں ورنہ میں ان کے پاس بھی جاتا کہ شاید وہ عبرت یافتہ ہو کر جہاد کی آواز پر میرے ساتھ چلے آتے"۔

لوگ ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ایک نوجوان نے اٹھ کر کہا:

"مگر یہ ضروری ہے کہ پہلے تم اپنے فرقے کا بھی اعلان کرو تا کہ تم پہچانے جا سکو کہ تم ہمارے ساتھی ہو یا ہمارے مخالف فرقے والوں کے کیونکہ ابھی بہت جلد ہمارا افلاں فرقے والوں سے معرکہ پڑنے والا ہے اور وہ ہم سے دور نہیں رہتے ہیں اور وہ بھی انہی علاقوں سے بھاگے ہوئے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارا اور ہم ان کا پیچھا کر رہے ہیں۔جس دن ہم آمنے سامنے آئے اس دن فیصلہ ہو جائے گا کہ کون سچا یا حق پر ہے"۔

غازیا نے کہا:

"فرض کرو! اگر تم جیت گئے تو کیا ہو گا"۔

اس نے کہا:

"کیا یہ کم ہے کہ ہم جیتے ہوئے کہلائیں گے"۔

غازیا نے پوچھا:

"فرض کرو اگر تم مارے گئے تو"

وہ نوجوان کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا!

"ہم ان سے دوبارہ انتقام لیں گے"۔

غازیا نے کہا!

’’اس انتقام،نفرت، جیت اور ہار کا نتیجہ کیا نکلے گا‘‘۔

نوجوان نے کہا:

’’مگر ہمیں اطمینان ہوگا کہ ہم اپنے عقیدے پر ڈٹے رہے‘‘

غازیا نے پوچھا:

تم اپنے عقیدے پر کیوں ڈٹے رہنا چاہتے ہو جبکہ تمہیں علم ہی نہیں کہ تمہارے عقیدے کی بنیادیں کیا ہیں اور اس سے منسلک سچائیاں کیا واقعی سچائیاں ہیں یا سینہ بسینہ مبالغہ آرائیاں اور فریب و جھوٹ وراثت میں لئے ہوئے ہیں۔ یعنی تمہارے پاس اسلام کا کونسا پیمانہ اور مثال ہے کہ جس پر تم اپنے فرقے کو پرکھ سکو۔

نوجوان خاموش ہو گیا۔مگر ایک بوڑھے نے کہا۔عقیدے کو پرکھنا ضروری نہیں۔

غازیا نے کہا!

’’تو پھر بہتر ہے تم بغیر پرکھے ہوئے اپنے مخالف کا فرقہ اپنالو یا اپنا مذہب چھوڑ کر کوئی اور مذہب اپنالو کیونکہ معیار اگر پرکھنا نہیں تو باطل کی پرورش اور پرستش کرنے میں کیا نقصان ہے‘‘۔

’’وہ بوڑھا خاموش ہو رہا‘‘۔

غازیا نے کہا:

معزز لوگو!

''تم جانتے ہو جو لوگ اپنے عقائد یا اپنے اعمال یا نظریات کو ''پرکھتے'' نہیں ہیں قرآن انہیں جانوروں سے بدتر قرار دیتا ہے''۔

اور سوچو:

''کیا تم جانوروں سے بھی کم تر ہو کر اس کی بارگاہ میں جانا چاہتے ہو''۔

''لوگوں کو یوں لگا جیسے غازیا انہیں شکست دیتا جا رہا ہے''

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

''تمہارے فرقے میں جو سب سے بڑا مبلغ ہے اور تمہیں تمہارے فرقے پر پابند رہنے کی تلقین کرتا ہے اور جو تمہاری روحوں میں ایسی داستانیں یا واقعات کی لڑیاں سجاتا ہے جن کی وجہ سے تم کسی بھی سچائی کو پرکھنے اور تسلیم کرنے سے انکار کر دیتے ہو اور جس کی وجہ سے تمہارے حواسِ خمسہ کسی دوسرے کی سچی آواز کو رد کر دیتے ہیں اس سے پوچھو کہ محمد ﷺ نے کونسے فرقے کا پرچار کیا۔ اس نے بلال سے کونسی اذان سنی اور اویس قرنی نے کونسا کلمہ پڑھا اور اس سے یہ بھی پوچھو کہ محمد ﷺ نے اپنی وصیت میں اسامہ کو اپنے تمام اصحابہ کے ہوتے ہوئے کن صفات کی بناء پر اسلامی افواج کا کمانڈر مقرر کیا اور دوسروں کو یا ان میں سے کسی اور کو کیوں نہ وہ شرف بخشا گیا اور اس سے یہ بھی پوچھو کہ محمد ﷺ

نے اپنی زندگی میں کون کون سی رسمیں اختیار کیں اور کون کون سے جشن منائے اور جلوس نکالے۔اس سے یہ بھی پوچھو کہ جب قرآن نے کہہ دیا کہ :

”فرقے والوں کے ساتھ اللہ کا کوئی تعلق نہیں تو پھر کسی بھی فرقے پر ایمان رکھنے والا کیونکر مسلمان کہلاسکتا ہے“۔

لوگ بڑی توجہ سے اس کی باتیں سنتے رہے مگر اس دوران کسی نے بھی یہ تأثر نہ دیا کہ وہ اس کی کسی بات کو پسند کرتے ہیں۔ جب وہ اپنی گفتگو مکمل کر چکا تو ایک بوڑھے نے کھڑے ہو کر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

غازیا!

”آپ ہمارے مہمان ہیں اس لئے ہم نے فرقوں کے خلاف آپ کی گفتگو کو تحمل سے سنا ہے ورنہ ہم کسی کو اجازت نہیں دیتے کہ وہ ہمارے درمیان کھڑے ہو کر ایسی گفتگو کرے۔ ہم واضح طور پر آپ کی دعوت کو مسترد کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ ہم صرف ان کی مدد کرتے ہیں جن کا تعلق ہمارے فرقے سے ہو۔ دوسرے یہ کہ ہمارا پختہ ایمان ہے کہ ہماری بخشش یا نجات صرف ان رسموں کو پورا کرکے ہی ہو سکتی ہے جو ہمارے عقائد کی بنا پر ادا کی جاتی ہیں۔“

چنانچہ اس سے پہلے کہ ہم آدابِ مہمان نوازی سے نکل جائیں آپ مہربانی کرکے

ہماری بستی سے کہیں اور روانہ ہو جائیں اور پھر دوبارہ ایسا پیغام لے کر ہماری جانب آنے کی زحمت نہ کریں۔ ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔

غازیا سر جھکائے کچھ دیر تک وہاں کھڑا رہا تب اس نے ان پر آخری نگاہ ڈالی اور خاموشی سے چل دیا۔ اس نے مایوس ہونے کی بجائے اللہ کے لئے اپنی پکار کو دل میں اور بڑھا دیا۔ مشتعل ہونے کی بجائے وہ زیادہ اطمینان سے چلتا رہا۔ وہ ان عملی نتائج سے آگاہ تھا جو مذہبی پیروکاروں کے معاشرتی تضادات سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا نظریہ تھا کہ:

''کسی فرقے کے عقائد کو نجات کا ذریعہ سمجھنا انسانی غلامی کی ایک صورت ہوتی ہے''

اس نے ان کے مخالف فرقے والے مسلمانوں سے بھی رابطہ کا فیصلہ کر لیا تاکہ اگر کوئی مدد حاصل ہو سکے تو وہ کوئی حکمتِ عملی اپنا کر عارضی طور پر ہی مگر نیلا کو دفاعی انداز اختیار کرنے پر مجبور کر سکے کیونکہ اس کی بصیرت کا اندازہ تھا کہ:

''اگر انتہا پسند دفاعی انداز اپنانے پر مجبور ہوئے تو قریب کے وہ لوگ جو ان سے خوف زدہ ہیں وہ حوصلہ پا کر میرے ساتھ ہو جائیں گے اور اس طرح مزید کامیابیاں حاصل کر کے اپنے مقاصد کی جانب بڑھا جا سکے گا۔ دراصل اس کا بنیادی مقصد ''عبرت گاہ'' کو حاصل کرنا تھا تاکہ اسے دوبارہ مکمل اسلامی بستی بنایا جا سکے۔ دیگر مقاصد تو صرف اس بنیادی مقصد کی تکمیل کے لئے اپنائے گئے تھے۔''

وہ بہت سی امیدیں لئے اس جانب بڑھتا ہی گیا۔ وہ بستی بھی پہلے والوں کی طرح جھونپڑیوں پر مشتمل تھی۔ اس کے اردگرد کانٹے دار جھاڑیاں تو تھیں مگر تا حال درختوں کے سائے نہیں تھے۔ ان لوگوں کے طریقۂ کار اور حلیے بھی کسی خاص فرقے کی نشاندہی کرتے تھے۔

غازیا سوچتا رہا کہ:

ان سے کس طرح اور کہاں سے بات شروع کرے کیونکہ پہلے وہ ناکام ہو چکا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ بھٹکتے رہنے سے بچ جائے اور اپنی جدوجہد کو کوئی نہ کوئی طرف دے کر مضبوط تر بنانے کے لئے کوشاں ہو جائے۔

جب وہ وہاں پہنچا تو باہر ایک مجمع سا لگا ہوا تھا۔ دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کوئی اجنبی جو اگرچہ پرانے سے لباس میں تھا مگر وہ متاثر کرنے والا تھا۔ اس نے سلام کے بعد ان سے ان کے کسی بزرگ سے تنہائی میں ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا جو پوری کر دی گئی۔

غازیا نے اُس بزرگ سے تمام تر حالات کہہ دیے اور اس کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

اس نے کہا:

”آپ خود لوگوں سے بات کر کے دیکھ لو کیونکہ میرا عقیدہ اور رائے وہی ہے جو ان سب کی ہو گی۔“

غازیا نے کہا:

"مگر آپ بزرگ ہونے کے ناطے سے انہیں میرے مشن کے بارے میں بہتر طور پر آگاہ کر سکتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ میری جدوجہد کا مقصد بہرحال آپ کو وہ مقام اور جگہ دلانا ہے جن سے آپ لوگ محروم کر دیئے گئے ہیں۔"

بزرگ نے کہا:

"لیکن آپ دلائل دے کر ہمیں مجموعی طور پر قائل کریں اور میں اس کے لئے رات کو اجتماع کا اعلان کر دیتا ہوں"۔

چنانچہ اسی رات کو ایک جگہ پر اکٹھے ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔ رات ابھی پہلے پہر میں تھی جب سب کے سامنے غازیا نے اپنا مدعا بیان کیا۔ شروع میں تو لوگ اسے صرف سنتے رہے مگر بعد میں ان کے بوڑھوں میں سے ایک نے کہا:

غازیا:

"ہمارے لئے تمہاری ہمدردی اپنی جگہ پر لیکن پہلے یہ اعلان کرو کہ مسلمان ہونے کے بعد تم ہمارے فرقے میں داخل ہو چکے ہو یا نہیں تاکہ ہم تمہاری مدد کے لئے سوچیں"۔

غازیا نے کہا:

"مگر میں کسی امام، کسی محدث، کسی مفکر اور کسی مفسر یا کسی عالم سے متاثر ہی نہیں اور نہ

میں کسی ہستی سوائے آخری پیغمبر ﷺ کے کسی کا پیروکار رہوں تو میں کیسے کہہ دوں کہ میرا فلاں فرقہ ہے یا فلاں کا مقلد اور پیروکار ہوں۔"

اس نے کہا:

"تو ہم تمہارا اسلام قبول کرنا ہی مسترد کرتے ہیں اور ہم تمہیں اس وقت تک مسلمان ماننے کے لئے تیار ہی نہیں جب تک کہ تم ان عقائد کو تسلیم نہ کرلو جن پر کہ ہمارا ایمان ہے۔"

غازیا نے کہا:

"مگر محمد ﷺ نے مسلمان ہونے کے لئے یہ پیمانہ نہیں دیا"

انہوں نے کہا:

"تو تم کیوں کسی سے متاثر اور کسی کے مقلد نہیں"؟

اس نے کہا:

"اس لئے کہ قرآن سے بہتر آگاہی کسی نے نہیں دی اور محمد ﷺ سے بڑھ کر کسی نے عمل نہیں کیا اور نہ ہی سلیقۂ زندگی اپنایا ہے"

انہوں نے کہا:

"لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری نجات اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم نسلوں سے اپنائے

ہوئے عقائد اور رسموں پر عمل نہ کریں۔ اسی وجہ سے ہماری دوسرے فرقوں والوں سے جنگ ہے اور ہم یہ جنگ جاری رکھیں گے جب تک کہ دوسرے فرقے والے مٹ نہیں جاتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ تم اپنے فرقے کا اعلان کرو کہ تم ہمارے ساتھ ہو یا ہمارے دشمن فرقے والوں کے ساتھ۔"

غازیا کو ان کے خیالات ویسے ہی غلامانہ سے لگے۔ اس نے کہا:

معزز انسانو!

"کل کلاں کو کوئی بھی دشمن تمہاری رسمیں اپنا کر اور تم جیسے لباس و اطوار اختیار کر کے، سازش کر کے اور اشتعال انگیز تلقین کر کے تمہیں دوسرے فرقے والوں سے جنگ و جدل کی جانب دھکیل سکتا ہے پھر تم کس طرح اس کے شر سے محفوظ رہ سکو گے"۔

اس نے بڑے درد بھرے لہجے میں کہا!

لوگو!

"تم سوچتے کیوں نہیں ہو؟ تمہیں یاد نہیں کہ تمہاری زمینیں کیوں تم سے چھوٹ گئیں۔کیا اب بھی تمہیں علم نہیں کہ تم کیوں رسوا ہوئے۔کہاں گئے تمہارے معرکے؟ تم نے ایک دوسرے کو پچھاڑ کے کیا حاصل کرلیا ہے؟ اگر یہ خونی کشمکش جاری رکھو گے تو تمہارے یہ چار تنکے تو آگ کے ایک شعلے اور ایک چنگاری کا بھی مقابلہ کرنے والے

نہیں ہیں"۔

آخر تم نے یہ فرقے بازی کو بلند کرنے کے لئے کیوں جھنڈے بلند کرر کھے ہیں؟ صرف اس لئے ناں کہ تمہارے علماء کے مفادات پورے ہوتے رہیں اور تم صرف اپنے ہم نواؤں کی عزت و مدد کرتے رہو۔ یہ تو بالکل وہی دھرم ہوا جسے میں نے صرف اسی بناء پر خیر باد کہہ دیا کہ اس میں اچھوتوں اور شودروں کو معتبر ہونے کے مواقع نصیب نہیں تھے اور وہ ہر طرح کی ترقی کر لینے کے باوجود برہمن نہیں کہلوا سکتے تھے۔ لیکن اسلام تو ایسا نہیں ہے۔ اس میں تو کوئی شخص مسجد میں جا کر اگلی صفوں میں نشست کو اپنے لئے مختص نہیں کرسکتا۔ یہاں تک کہ حکمران بھی ایسا نہیں کرسکتا۔ یہ سب کچھ اسی کی دلیل ہے تاکہ زندگی کی صفوں میں بھی یوں ہی برابری و احترام قائم رہ سکے۔"

یوں لگ رہا تھا کہ ایک ایک لفظ لوگوں کی روحوں میں اترتا جا رہا تھا۔ وہ مبہوط اور دم بخود بیٹھے تھے۔ وہ محسوس کرر ہے تھے کہ کوئی ان کے عقائد پر بڑھ بڑھ کر حملہ آور ہو رہا تھا اور ان کا شعور لاجواب ہو کر پاکیزہ ہوتا جا رہا تھا۔ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا:

اے محترم انسان!

"تو جس طرح ہمیں آواز دے رہا ہے اور جس طرح محبت سے ہمیں پکار رہا ہے اس سے بے شک ہمیں پہلی بار محسوس ہوا ہے کہ ہم اپنے عقیدے کے بارے میں بے خبر ہیں

لیکن اگر ہمارا فلاں مقرر یا فلاں مبلغ یہاں پر ہوتا تو کیا تم اس کا مقابلہ کر سکتے ؟ وہ تو تمہاری ہر بات اور ہر سوال کا ایسا جواب دیتا کہ تم کبھی ہمارے عقیدے پر حملہ آور نہ ہو سکتے۔ وہ تو تمہیں قرآن کے حوالوں اور احادیث کے حوالوں سے اٹھنے ہی نہ دیتا۔ وہ تاریخ کے ایسے ایسے واقعات بیان کرتا کہ تم رو رو کر ہلکان ہو جاتے۔ وہ تم سے ہر واقعہ اور ہر نظریے کا ایسا تجزیہ بیان کرتا کہ تم دنگ رہ جاتے۔ وہ ایسی ایسی منطق پیش کرتا کہ تم لاجواب ہو جاتے۔ کیا پھر بھی تم ہمیں ہمارے فرقے کے خلاف اکساتے اور بات یہ ہے کہ اگر ہم تمہارے کہنے پر اپنے فرقے کو چھوڑ دیں گے تو ہم گنہگار ہو کر جہنمی ہو جائیں گے اور آخرِ کار اسلام کو زوال آ جائے گا۔ یہ انہی ہستیوں کی قربانیاں تھیں کہ آج اسلام بچا ہوا ہے اور اس لئے ہم ان کی پیروکاری کر رہے ہیں اور انسان دیکھے گا کہ جب جب اسے شعور آئے گا وہ بھی انہی ہستیوں کا مداح ہو جائے گا اور تب وہ یہی فرقہ اپنائے گا جو ہم نے اپنا رکھا ہے اور تب مسلمان صحیح معنوں میں مسلمان کہلانے کا مستحق ہوگا۔"

تمام بیٹھے ہوئے لوگ ایک طرح سے مطمئن سے ہو گئے اور وہ جنہیں غازیا کی باتیں اپنے فرقے اور عقیدے کے لحاظ سے کرب آمیز لگ رہیں تھیں وہ بہت ہی خوش ہوئے۔

ان میں سے بہت سے لوگوں نے کہا:

"ہماری بھی بات وہی ہے جو اس شخص نے کی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ہم چاہے جتنے بھی

بے خبر ہیں ہم اپنا فرقہ چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی اپنے عقیدے کے خلاف کچھ سن سکتے ہیں اس لئے بہتر ہے کہ یہ مسافر آج کی رات مہمان کے طور پر یہاں رہے اور صبح اپنی راہ لے اور اسے پتہ ہونا چاہیے کہ ہمارے فرقے میں جو ہزاروں اور لاکھوں پڑھے لکھے اور بہت ہی زیادہ پڑھے لکھے لوگ اس فرقے کی رسوم و رواج اور طریقِ کار اپنائے ہوئے ہیں تو وہ سارے کے سارے پاگل نہیں ہیں۔

اگر ہم بے خبر ہیں تو وہ تو بے خبر نہیں ہیں۔ کم از کم وہ تو اپنی تعلیم و علم کی بناء پر ہمارے والے فرقے کو خیر باد کہہ سکتے تھے لیکن ہمیں تو ان میں کوئی بھی تائب نہیں ملا اور وہ تو ہم سے بھی زیادہ پکے ہیں۔

اے شخص:

"تم ہمیں کیوں جہنم کی طرف دھکیل رہے ہو اور سچ یہ ہے کہ ہم کسی شخص کو مسلمان تسلیم ہی نہیں کرتے جب تک کہ وہ ہمارا فرقہ نہ اپنائے کیونکہ اسی میں نجات ہے اور یہ ہی صحیح راستہ دکھاتا ہے۔"

ایک لحاظ سے ان افراد نے غازیا کی "عقیدے کو پرکھنے" والی آواز کو رد کر دیا تھا یا دوسرے لفظوں میں انہوں نے غازیا کی ہر بات کو مسترد کر دیا تھا۔ غازیا حیران تھا کہ وہ جس اسلام کو قرآن اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے ذریعے جان پایا ہے وہ تو بالکل ایسا نہیں تھا

جیسا ان لوگوں نے اپنا رکھا تھا اور اگر اسلام واقعی وہ ہوتا جس کی بات یہ لوگ کر رہے تھے تو وہ کبھی بھی اسلام قبول نہ کرتا اور اگر اسلام ان ہستیوں کی خاطر یا ان کی وجہ سے قائم ہوتا جن کا یہ بار بار ذکر کر رہے تھے تو وہ پھر بھی مسلمان ہونا قبول نہ کرتا کیونکہ اس سے تو کہیں زیادہ "وہی بت خانہ بہتر تھا وہی زنار اچھی تھی" کہ جن مورتیوں کو سامنے رکھ کر وہ یک طرفہ طور پر گفتگو تو کر لیتا تھا۔

ایک بوڑھے نے کہا:

نوجوان!

"آپ نے نہ صرف ہمارے فرقے کو مسترد کیا ہے بلکہ ہمارے دشمن فرقے والوں کو بھی رد کیا ہے اور تم نے مسلمانوں کے تمام فرقوں والوں کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی ہے اور سب کو غیر اسلامی قرار دیا ہے مگر تم ہمیں مہلت دو ہم تمام فرقے والوں کے علماء سے مشورہ کر کے تمہارا ان کے ساتھ مناظرہ کروا دیتے ہیں۔ اگر تم مناظرے میں موجود مسلمانوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو ہم ضرور تمہارا ساتھ دیں گے ورنہ ہمیں مجبور سمجھنا"۔

غازیا کو یہ تجویز بھلی لگی۔ اس کا خیال تھا کہ:

"جب وہ لوگوں کو بتلائے گا کہ قرآن ہر فرقے کو ناپسند کرتا ہے اور ان کے سامنے قرآن کی آیات رکھے گا تو وہ قرآن کے سامنے سر جھکا دیں گے اور پھر جب وہ انہیں

بتلائے گا کہ تمہارے متحد ہوجانے سے تمام انتہاپسند ہندو تنظیمیں خوف زدہ ہو جائیں گی تو وہ یقیناً اس کا ساتھ دینے پر رضامند ہوجائیں گے۔ سب سے زیادہ اسے اس بات پر بھروسہ تھا کہ جن حالات نے وہاں کے مسلمانوں کو دھکیل کر ایک لحاظ سے دیوار کے ساتھ لگا رکھا تھا اس کی روشنی میں ان کے علماء اس کی بات کو زیادہ اہمیت دیں گے اور مزید یہ کہ جب انہیں علم ہوگا کہ یہ بذاتِ خود ہندو سے مسلمان ہوچکا ہے اور ان سب کو نیلا کی تنظیم کے مقابل مدد کے لئے پکار رہا ہے تو وہ بغیر وقت ضائع کئے اس کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر لڑیں گے اور اس طرح کھویا ہوا وقار اور طاقت حاصل کرلیں گے۔ وہ ان تصورات کو لئے جلد ہی سو جاتا اور آدھی رات کو جب اس کی آنکھ کھلتی تو وہ مناظرے کے لئے زیادہ دلائل اکٹھے کرنے کی کوشش کرتا۔ غازیا کو ویسے بھی بستی سے باہر ایک خیمے میں ٹھہرایا ہوا تھا اور وہ پچھلے پہر تہجد کی نماز ادا کر کے ستاروں کی چھاؤں میں قرآن کے حوالے سے اللہ کے احکام پر غور کرتا رہتا اور سوچتا رہتا کہ وہ علماء اور دیگر مسلمانوں کی توجہ خاص کر قرآن کی اس آیت کی جانب دلائے گا کہ:

"اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو اور آپس میں فرقہ فرقہ مت ہوجاؤ"

بستی والوں نے اس بوڑھے کے کہنے پر اپنے ایک سمجھدار آدمی کو قریب کے قصبے میں اپنے ایک مشہور عالم کو لانے کے لئے بھیجا تا کہ وہ اسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کرے۔"

پیغام لے جانے والے نے اپنے نامور عالم کو جا کر صاف بتا دیا کہ:

''خیموں میں ٹھہرا ہوا شخص نہ صرف ہمارے بلکہ اسلام میں ہر فرقے کو حرام قرار دے رہا ہے اور بعید نہیں کہ ناسمجھ لوگ اس کی باتوں میں آ جائیں۔''

عالم نے پوچھا!

وہ خود کس نظریے کا پرچار کرتا ہے؟

بتانے والے نے صرف یہ بتلایا کہ:

''وہ پہلے ہندو تھا اور بعد میں مسلمان ہوا اور اب وہ ہر فرقے کے مسلمانوں کے پاس جا کر انہیں فرقوں سے متنفر کرنے پر تلا ہوا ہے۔''

عالم نے کہا:

''تو وہ اسلام دوستی کی آڑ میں اسلام دشمنی پر آمادہ ہے''۔

بتلانے والے نے اس کے خلاف اور بھی بہت کچھ بتلایا جس کی وجہ سے عالم نے دشمن فرقے کے عالموں سے بھی فوری رابطہ کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ دو ایک دنوں میں اس نے ان سے رابطے مکمل کر لئے اور انہوں نے ایک سمجھوتے کے ذریعے اسے اپنے اپنے پیروکاروں کے سامنے جھوٹا، مرتد، زندیق اور کافر ثابت کرنے کا تہیّہ کرلیا۔ یہ بھی سمجھوتا ہوا کہ اسے گستاخِ اسلام ٹھہرا کر پیروکاروں سے ہی قلع قمع کروایا جائے۔ پروگرام کے مطابق انہوں نے ہر اس جگہ

ہرکارے بھیج دیئے جہاں جہاں انہیں علم تھا کہ انتہاپسندوں کے ظلم کے ستائے ہوئے مسلمان پناہ لئے ہوئے ہیں۔ یہ پناہ لینے والے لوگ آپس میں زیادہ فاصلے پر نہیں تھے۔ وہ لوگ کیونکہ بے آسرا تھے اور دور کے شہروں میں ان کے روابط نہیں تھے اس لئے وہ برباد ہو کر جاتے بھی تو کہاں جاتے۔ بہرحال عالموں نے مقررہ دن طے کرلیا اور تمام بکھرے ہوئے مختلف پیروکاروں کو ایک مخصوص مقام پر اکٹھے ہو کر ان عالموں کی سربراہی میں غازیا کے متوقع فتنے سے نجات دلانے کا فیصلہ کرلیا۔ پیغامات ملنے پر لوگ اکٹھے ہو کر عالموں اور غازیا کے درمیان مقابلے کو دیکھنے سننے کے لئے متفق ہو گئے۔

ان میں سے جو جذباتی علماء تھے انہوں نے مقررہ تاریخ سے پہلے اپنے اپنے فرقے کے پیروکاروں کو غازیا کے خلاف پوری قوت سے بھڑکایا اور ثابت کرنے کی کوشش کی کہ وہ دشمنوں کا بھیجا ہوا ایسا ایجنٹ ہے جو مسلمان ہو کر مسلمانوں کو تباہ اور اسلام کو کمزور کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے اس سے بچنا اور اس کے نظریات سے دور رہنا ایک لحاظ سے عین عبادت ہے۔

یہ عجیب وغریب دن تھے۔ لوگ پہلے ہی بے چارگی کے عذاب سے نکلنے کی تگ و دو میں مضمحل تھے اوپر سے انہیں مذہبی طور پر جذباتی کر کے بار بار بھڑکایا گیا۔ یہ لوگ اتنے سادہ یا نادان یا جو کچھ بھی کہا جائے وہ تھے کہ بھوک برداشت کر لیتے تھے مگر اپنے عالم کی بات کو رد کرنا اور اس کے خلاف سوچنا گناہِ کبیرہ تصور کرتے تھے۔ ایک لحاظ سے وہ علماء اپنے پیروکاروں

کے شعور پر حکمرانی کرتے تھے اور اپنی مرضی کے مطابق ان کی عقل کو ادھر ادھر گھماتے تھے بالکل ایسے جیسے اصیل گھوڑے کا سوار اپنی پسند سے اس کی نکیل کھینچتا اور پسند کی راہ پر لئے چلتا ہے اور گھوڑا تھک کر گر جاتا ہے مگر سوار کا حکم ماننے سے انکار نہیں کرتا۔ بس یونہی وہ پیروکار تھے۔

غازیا کو علم نہیں تھا کہ وہ لوگ آپس میں فرقیاتی دشمنی رکھنے کے باوجود اس کے خلاف خونخوار ہو چکے تھے اور اس حد تک بھڑکائے جا چکے تھے کہ اگر انہیں اس دن کے لئے روک نہ لیا جاتا تو ان میں سے کچھ جوشیلے راتوں رات جا کر اس کا کام تمام کرنے کی جدوجہد کرتے۔ غازیا کو جب علماء کا پیغام دیا گیا تھا تو اس کا خیال تھا کہ وہ ان کی توجہ ان کی بربادی کی طرف دلائے گا اور ان سے درخواست کرے گا کہ متحد ہو جائیں مگر وہ علماء کی قوت اور اثر سے بے خبر تھا۔ ویسے بھی غازیا نے جس بل بوتے پر نیلا کو للکارا تھا وہ دراصل یہی بکھرے ہوئے مسلمان تھے جن کی مدد سے وہ تشدد پسند ہندوؤں کے قہر سے وہاں کے مسلمانوں کو نجات دلانا چاہتا تھا۔

نیلا آپے سے باہر ہو چکی تھی۔ اس کا انتہائی طیش میں آنا ایک لحاظ سے جائز تھا کیونکہ یہ تیسری بار تھی جب کہ غازیا اس کی دسترس سے صاف بچ کر نکل گیا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں اپنی تنظیم کے بہت سے ممبروں کو سزا کے طور پر تنظیم کے "تشدد سیل" کے حوالے کر دیا تھا اور بہت سے ممبران پر اس کا بھروسا اٹھ چکا تھا کیونکہ وہ تمام سہولتوں کے باوجود ہاتھ آئے ہوئے

غازیا کو گھیرے میں نہ لے سکے تھے۔ اگر غازیا کو علم تھا کہ نیلا ایک سفاک دشمن ہے تو نیلا کو بھی خبر تھی کہ غازیا اس کی ساری تنظیم کو برباد کرنے کی صلاحیت و ذہانت رکھتا ہے۔ اسی لئے اس نے انتہاپسندوں کی مرکزی تنظیم سے رابطے بڑھا دیے تھے اور ان سے مشورے کر کے گرینڈ سٹریٹیجی اپنائی۔ اس کے مطابق یہ تھا کہ دیگر اقلیتوں کو مسلمانوں کے خلاف کر دیا جائے اور اس کے لئے مندرجہ ذیل پر عمل کیا جائے:

* ان علاقوں میں عیسائیوں کو باور کرایا جائے کہ ان کے گرجوں کو آگ ہندوؤں نے نہیں بلکہ مسلمانوں نے لگائی تھی۔"

* سکھوں کو بھی یہ یقین دلایا جائے کہ جہاں جہاں ان کے آدمیوں کو قتل کیا گیا وہ دراصل مسلمانوں نے ہندوؤں کا روپ دھار کر کیا۔ اس کے لئے اگرچہ نیلا نے چند مسلمانوں سے جبراً عیسائیوں اور سکھوں کے خلاف بیانات دلوائے مگر وہ کئی سالوں کے واقعات اور حقائق کے مشاہدے کے بعد اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ:

"صرف ہندوؤں کی انتہاپسند تنظیمیں ان کی عبادت گاہوں کو جلاتی ہیں اور ان کے افراد کا قتل عام کرتی ہیں تا کہ اقلیتیں بھارت خالی کر دیں اور بھارت صرف ہندوؤں کا ملک کہلا سکے۔ انتہاپسندوں نے نیلا کی مدد کے لئے اپنے پراپیگنڈے کے تمام ذرائع استعمال میں لانے کی منصوبہ بندی کر لی۔ اس کے لئے سب سے پہلے انہوں نے وزیراعظم سے لوک سبھا

میں اپنی پسند کا بیان دلوایا اور پھر اخباروں اور رسالوں میں ہر طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے تا کہ عیسائیوں اور سکھوں کو متاثر کیا جا سکے مگر یہ اقلیتیں مصلحتاً خاموش ہو رہیں مبادا کہ تردید کرنے سے وہ نئے سرے سے ہندوؤں کے ظلم کا نشانہ بنیں۔

* اس حکمتِ عملی کو بروئے کار لا کر دراصل نیلا یہ چاہتی تھی کہ اقلیتوں کی ہمدردیاں غازیا سے نہ ہونے پائیں اور وہ اسکے خلاف جاری جنگ میں نیلا کی تنظیم کی مددگار ہو جائیں تا کہ وہ نہ صرف یہ کہ اسے پناہ نہ دیں بلکہ علم ہونے پر غازیا کے بارے میں اسے خبر بھی کر دیں کیونکہ غازیا کے بارے میں ابھی تک صرف مسلمانوں نے ہی نیلا کو معلومات فراہم کی تھیں اور اس سلسلے میں بعض عیسائیوں اور سکھ قبیلے جنہیں غازیا کے بارے میں کچھ خبر بھی تھی انہوں نے قطعی طور پر نیلا کو کچھ نہیں بتلایا تھا۔

* اس حکمتِ عملی کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ نیلا بیک وقت دیگر اقلیتوں کے افراد کو اپنا دشمن نہیں بنانا چاہتی تھی۔ اس نے حکم صادر کر دیا تھا کہ:

"جب تک غازیا کا خاتمہ نہیں ہو جاتا عیسائیوں اور سکھوں کی بستیوں کو آگ لگائی جائے اور نہ ہی انہیں برباد کیا جائے۔ البتہ خفیہ ترین احکام کے ذریعے اس نے متعلقہ افراد کو ہدایات جاری کر رکھی تھیں کہ جونہی غازیا کا خاتمہ ہو انہیں بھی زِچ کر کے بھارت چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے تا کہ ان میں کوئی بھی غازیا کی طرز کا شخص پیدا ہو کر

ان کے منصوبوں کی تکمیل میں دیوار نہ بنے۔''

ہر طرف نیلا کی مہم جاری تھی اور دور دور تک اس کے ممبر پھیل چکے تھے۔اگلے کئی دنوں تک غازیا کے بارے میں کوئی خبر نہ آئی تھی۔اس کی تلاش اور تیز کر دی گئی۔گاؤں گاؤں کو خبردار کیا گیا۔دریائے کرشنا کے دونوں کناروں پر دور دور تک بسنے والے گھرانوں، دیہاتوں اور بستیوں کو وارننگ دی جا چکی تھی۔

نیلا نے دہشت گردوں کی تنظیم کے ایک سربراہ سے استفسار کیا کہ:

''وہ مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کے لئے کیا کر رہے ہیں''۔

ان کے ایک بڑے ممبر نے جواب دیا کہ:

''جہاں جہاں مسلمان رہتے ہیں ہم انہیں خوف زدہ کرنے کے لئے دو ایک کو قتل کر دیتے ہیں اور ان کی دو کانوں کو لوٹ لیتے ہیں۔''

ایک دوسرے نے کہا:

''کئی بار ہم بعض گھروں میں داخل ہو کر مردوں کو مار دیتے ہیں اور عورتوں کو اپنی پسند کے لئے چھوڑ دیتے ہیں اور ان میں سے کچھ کو اغوا کر کے لے جاتے ہیں بعد میں انہیں یا تو قتل کر دیتے ہیں یا آوارگی کے لئے رہنے دیتے ہیں۔''

نیلا نے کہا:

''تمہارے یہ حربے مسلمانوں کے اتحاد کوتوانا کریں گے۔ پاکستان بننے سے پہلے ہندوستان میں کئی جگہ ہمارے آباواجداد نے یہی طریقے اختیار کئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان متحد ہو گئے اورانہوں نے بھارت کو چیر دیا۔ اس لحاظ سے تم بھی اسی تاریخی غلطی کو دہرارہے ہواوراس طرح آخرکار نتیجہ بھی وہی نکلے گا۔''

کیاتم پھر چاہتے ہو کہ:

''ان میں کوئی اقبال' جناح' جوہر یا ظفر علی خاں پیدا ہو؟ اس وقت تمہارے طریقے سراسر تمہارے ہی خلاف جارہے ہیں۔ تم دیکھتے نہیں کہ احمد آباد اور دہلی کے ہنگاموں میں مسلمان کس حد تک متحد ہو گئے تھےاور ہندوؤں کو کتنا زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تھا۔'' یاد رکھو:

''دشمن کے ساتھ ایسے حالات میں وقفے وقفے ' کچھ کچھ اور کبھی کبھی حملے کی پالیسی اسے توانا بناتی ہے۔ اس لئے بہتر حکمتِ عملی یہی ہوتی ہے کہ جہاں حملہ کرنا مقصود ہو وہاں یکبارگی حملہ آور ہوا جائے۔ اب تمہیں مسلمانوں کے دیہاتوں یا بستیوں پر حملہ آور ہونے کے لئے ٹینک اور جہاز نہیں ملیں گے کہ تم ہٹلر کی طرح پولینڈ پر بلٹز کریگ کرسکو۔ اس کیلئے پوری کی پوری بستی کو آگ لگادو اور مکمل تباہی برپا کرو۔ کسی کو زندہ نہیں بچنا چاہیئے۔''

ایک ممبر نے استفسار کیا کہ:

"ہماری اطلاع کے مطابق اس وقت غازیا جس علاقے میں دیکھا گیا ہے" وہاں دو بڑے فرقوں کے مسلمان رہتے ہیں۔ اگر ہم آپ کی حکمتِ عملی پر غور کریں اور اس پر عمل پیرا ہو جائیں تو وہاں کے دونوں فرقوں کے مسلمان مارے جائیں گے۔

نیلا نے پوچھا:

"تمہیں کس فرقے کا تعاون حاصل ہے۔"

اس نے جواب دیا:

"دونوں فرقے والوں کا۔"

نیلا نے حکم دیا کہ:

"شیعہ اور سنّیوں کی ان دونوں بستیوں کو بلاتخصیص آگ لگا دو اور کسی کو بھی بچ کر جانے نہ دو۔ آگ لگانے کے بعد کسی مسلمان کی فریاد نہ سنی جائے۔ بستیوں کو مکمل گھیرے میں لئے رکھو تا کہ کوئی بچ کر نہ نکلے۔"

ایک تشدد پسند نے زوردار آواز میں کہا:

"ہم نے ان علاقوں میں دور دور تک تلاش جاری رکھی ہوئی ہے۔ دونوں فرقوں کے کچھ مسلمانوں کو بھی غازیا کی تلاش میں لگا دیا ہے۔ اور انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ غازیا کا کھوج لگانے میں ہماری مدد کریں گے۔ ایسے میں اگر ہم نے دونوں بستیوں کو آگ لگائی تو

ان میں ہمارے ساتھیوں کے گھر بھی جل جائیں گے اور وہ ہم سے متنفر ہو کر دور کی بستیوں سے اپنے عزیز و اقارب کو مدد کے لئے بلائیں گے۔"

ایک نے کہا:

"وہ بچیں گے تو عزیز و اقارب کو بلائیں گے ناں۔"

دوسرے نے کہا:

"جب انہیں خبر ہو گی کہ دونوں بستیوں کو آگ لگائی گئی اور دونوں فرقے والے بھی جل گئے تو عزیز و اقارب خود ہی سیخ پا ہوں گے اور وہ ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔"

نیلا نے کہا:

"مگر یہی دونوں بستیاں ہمارا امتحان ہیں اور میں انہی کو مسلمانوں کے لئے عبرت کا نشان بنانا چاہتی ہوں البتہ ان کے فرقہ پرور علماء کو بچالیا جائے گا۔"

غور کرو اور غور سے سنو کہ:

"اگر میں مشرقی یورپ میں مسلمانوں پر زمین تنگ نہ کر دیتی تو آج وہ علاقہ اسلام کی زد میں ہوتا اور وہاں اسلام نافذ ہو چکا ہوتا۔ وہاں پر میں نے ان تمام کروٹس اور دیگر ریاستوں کو بھی ان لوگوں کو قتل کرنے کی حکمتِ عملی دی تھی جو وہاں کے مسلمانوں کیلئے ذرا بھی ہمدردی رکھتے تھے۔"

ایک ممبر جو کافی دیر سے خاموش تھا اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا:

"مگر وہاں مسلمان تو اب بھی ہیں اور اپنی راکھ کو اکٹھا کر کے ان میں چنگاریاں اٹھا رہے ہیں اس لحاظ سے وہ آج نہیں تو کل پھر شعلہ بار ہو سکتے ہیں اور ان کی نسلیں انتقام لے سکتی ہیں۔"

نیلا نے اپنے غیض و غضب پر ایک لمحے کے لئے قابو پاتے ہوئے کہا:

ممبر صاحب!

"میں اپنی حکمتِ عملیوں کے خلاف زیادہ بحث و تمحیص سننے اور دلائل کی جمع تفریق کی عادی نہیں ہوں اس لئے اپنے تجزیے اپنے پاس رکھو البتہ آپ کی بے خبری کی وجہ سے آپ کو معاف کرنا بہتر سمجھتی ہوں اس لئے کہ آپ کو خبر ہونی چاہیئے کہ میں نے ان کی نسلیں تقسیم کروا دی ہیں۔ ان کے بچے جہاز بھر بھر کر ادھر ادھر کے ممالک میں بھجوا دیئے ہیں جنہیں کچھ خبر نہیں کہ وہ کن کی نسل ہیں اور آئندہ جو بچے پیدا ہوں گے وہ سہمے ہوئے ماں باپ کی نسل ہو گی جو انہیں وراثت میں صرف خوف دے گی اس لحاظ سے وہ اب کبھی بھی انتقام نہیں لے سکیں گے۔ ویسے بھی اس کے چاروں طرف غیر مسلم ریاستیں اس کا جینا حرام کیے رکھیں گی اور دنیا میں کوئی مسلمان ملک ان کی مدد کو نہیں پہنچ سکے گا کیونکہ ترکی والے سیکولر ہیں اور ایران والے شیعہ اور دیگر سنی ہیں یا وہابی۔ اور آئندہ ان کی آپس میں ہم وہ جنگ اور خون ریزی کروائیں گے کہ ہزاروں سال تک ان کی نسلیں اسلام کا نام ہی نہیں لیں

گی۔"

نیلا نے بات کو مکمل کرتے ہوئے ممبران کو ایک لحاظ سے وارننگ دی کہ:

"مجھے سربراہ اس لئے مقرر کیا گیا ہے تاکہ میں تباہی کے جلد از جلد منصوبے مکمل کروں اور آج کے بعد صرف آپ لوگوں کو حکم ماننا ہوگا نہ کہ مشورے دینے ہوں گے۔ چنانچہ آپ میں جو میری ماتحتی میں رہنا چاہتا ہے اسے اپنی مرضی ختم کرنا ہوگی اور جو جانا چاہتا ہے اسے اسی وقت چلے جانا ہوگا تاکہ وقت ضائع نہ کیا جا سکے۔"

ذرا دور بیٹھے ہوئے صرف ایک ممبر نے کہا:

"مجھے یہ طریقہ پسند نہیں اور چل دیا۔ مگر ساتھ بیٹھے ہوئے ممبر نے اسے وہیں گولی مار کر ڈھیر کر دیا۔

اس واقعہ پر کسی نے بھی توجہ نہ دی اور نہ ہی نیلا نے یا اس کے کسی ساتھی نے اس پر تبصرہ کیا۔ اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ وہ سب نیلا کے جانثار تھے اور وہ کسی انتقام بھری کہانی کے کرداروں کی طرح نہیں بلکہ مسلمانوں کے خلاف تعصب بھری نفرت کو طاری کیے ہوئے تھے جس کی زد میں کوئی بھی آجاتا تو وہ ان کا نشانہ بن جاتا۔"

"اسی دوران فرقے والے چند مسلمانوں نے نیلا کو آکر بتایا کہ:

فلاں بستیوں کے فلاں میدان میں مناظرہ ہو رہا ہے جہاں سب فرقوں والے علماء اور ان کے

پیروکار جمع ہو کر غازیا کا مقابلہ کر رہے ہیں کیونکہ ان سب نے غازیا کو کافر، ملحد اور مرتد قرار دے رکھا ہے اور اگر آپ جلد وہاں پہنچ جائیں تو آپ اسے موقع پر ہی پکڑ سکتے ہیں۔"

نیلا نے خبر ملتے ہی جانثاروں کو بغیر دیر کیے وہاں پہنچنے کا حکم صادر کر دیا تھا۔

مناظرے کا جہاں انتظام کیا گیا وہ ایک کھلا میدان تھا جس کے تین اطراف تو بہت کم درخت تھے مگر جنوب کی جانب جنگلی درختوں کے جھرمٹ اور جھاڑیاں دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ان میں بہت کم گزرگاہیں تھیں سوائے اس کے کہ ضرورت پڑنے پر دور و نزدیک والے جلانے کے لئے لکڑیاں کاٹ لیتے تھے البتہ بہت زیادہ کانٹے دار جھاڑیوں کی وجہ سے لوگ اندر جانے سے کتراتے تھے۔

میدان میں باقاعدہ اسٹیج بنائی گئی۔ دور سے بجلی کی تاریں کھینچ کر روشنی کا انتظام کیا گیا۔ اسٹیج کے ارد گرد قناتیں لگا دی گئیں۔ علماءِ کرام کے بیٹھنے کے لئے صوفہ نما کرسیوں کا اہتمام کیا گیا۔ جہاں جہاں لوگوں نے بیٹھنا تھا وہاں دور دور تک جھاڑو دیا گیا۔ جن جن کے پاس زمین پر بچھانے کیلئے صفیں وغیرہ تھیں وہ بھی لا کر بچھا دی گئیں۔ یہ میدان دونوں بستیوں کے درمیان تھا۔ نظر آ رہا تھا کہ اتنا اہتمام کرتے کرتے شام ہو جائے گی۔ دونوں بستیوں سے عورتیں مرد اور بچے سبھی وہاں پہنچنا شروع ہو چکے تھے۔ ان سب کا شریک ہونا ایک لحاظ سے اپنے اپنے فرقے کی طاقت کا مظاہرہ کرنا بھی تھا کیونکہ علماء نے اپنے اپنے فرقے کے

پیروکاروں کو خاص کر یہ پیغام بھیجا تھا کہ کوئی پیچھے نہ رہنے پائے مبادا کہ حق و باطل کا مقام آ جائے اور سب کو اپنی اپنی توفیق کے مطابق ایک دوسرے کے خلاف جہاد میں حصہ لینا پڑ جائے لہٰذا جہاں تک ممکن ہو پوری تیاری کے ساتھ مناظرے میں شامل ہوا جائے۔ اس پیغام پر بعضوں نے تھوڑا بہت جو میسّر تھا اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ کھانے پینے کے لئے بھی لے لیا ہوا تھا۔

اس روز صبح ہی سے آسمان پر سیاہ بادل کے ٹکڑے ابھی تک ٹھہرے ہوئے تھے۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے کہیں برس کے آئے ہوں۔ وہ تا حال اس قدر خودسر اور طاقت ور تھے کہ انہوں نے سورج کی روشنی کو کوئی بھی راہ گزر دینے سے انکار کر رکھا تھا۔ یوں شام سویرا ہم شکل لگ رہے تھے۔ لوگوں کو موسم کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ جوق در جوق اس جگہ چلے جا رہے تھے جہاں غازیا کو گھیر گھار کر لایا جا رہا تھا اور بعضوں کے ارادوں کے مطابق اسے وہیں مار کر دفن کر دیا جانا تھا۔ جب تک لوگ اکھٹے ہوئے رات ہو چکی تھی۔ سیاہ بادل کے ٹکڑے نے چاند کے نور کو مقید کر رہا تھا۔ فطرت یونہی اپنے پیغامات دیا کرتی ہے۔ اس وجہ سے رات کی سیاہی بڑھ گئی تھی۔

علماء اپنی اپنی بلند نشستوں پر بیٹھ چکے تھے۔ پیروکار سامنے اپنے اپنے فرقے والوں کے ساتھ جگہ بنائے بیٹھے تھے۔ یہ ایک کھلا میدان تھا اس لئے بیٹھنے والے کسی ترتیب کے پابند نہیں تھے وہ صرف اپنے اپنے عالم کے اشارے کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے پابند تھے۔

غازیا کو جہاں ٹھہرایا گیا تھا وہ خیمہ زیادہ دور نہیں تھا۔

دو طاقت ور نوجوانوں کو ایک رات پہلے ہی غازیا کو خوف زدہ کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور ہدایت کی گئی تھی کہ مناظرے کے وقت وہ خود ہی اسے لے کر آئیں۔ یہ نوجوان اگرچہ پڑھے لکھے تھے مگر وہ زیادہ علماء ہی کی بات سمجھتے تھے۔ وہ دو مختلف فرقوں سے تعلق رکھتے تھے تاکہ اگر غازیا کو کچھ ہو جائے اور کل کو کوئی بات چلے تو وہ صرف ایک فرقے پر نہ آئے۔ وہ نوجوان آداب سے عاری تھے۔ انہیں یہ نہیں بتلایا گیا تھا کہ جس شخص کو وہ لینے جا رہے تھے اسے کم از کم کتنے ادب سے لے کر لوگوں کے سامنے آنا ہوگا۔

دونوں نوجوانوں نے غازیا کے خیمے میں داخل ہوتے ہی بڑے تلخ لہجے میں اسے فرقوں کے خلاف زبان درازی کرنے پر گستاخانہ الفاظ میں دھمکی دی۔ ایک لحاظ سے وہ اسے رات بھر ذہنی ٹارچر دینے کے بعد مناظرے کے وقت خوف زدہ کر کے علماء کے سامنے لانا چاہتے تھے کیونکہ انہیں یہی ہدایت کی گئی تھی۔ غازیا نے بڑے تحمل سے سر اٹھایا اور ان کی طرف نظر بھر کر دیکھا۔ وہ چند لمحے خاموش ان کی جانب دیکھتا رہا۔ ان نوجوانوں کے لئے اس شخص کا حلیہ اور رعب و دبدبہ نفسیاتی تاثر کا کام کر رہا تھا۔ اپنے تمام تر جوش کے باوجود وہ ہچکچا رہے تھے۔ وہ انتظار میں تھے کہ جاتے ہی جس طرح بھی وہ اسے دھمکائیں گے وہ خوف زدہ ہو کر گلیلیو کی طرح سب کے سامنے سر جھکا کر معافی مانگنے کے لئے تیار ہو جائے گا مگر غازیا

اطمینان سے بیٹھا رہا۔ایک نوجوان نے جرأت کی اور آگے بڑھ کر اس کی طرف ہاتھ بڑھایا مگر اس سے پہلے ہی وہ اسے چت کر کے دوسرے کی گردن پر اپنی پستول رکھ چکا تھا۔ ''وہ دونوں حیران تھے کہ وہ کس قسم کے عالم کے ہتھے چڑھ گئے ہیں۔ انہیں تو بتلایا گیا تھا کہ وہ ایسا عالم ہے جو مختلف پیر کاروں کو گمراہ کرتا پھر رہا ہے مگر اس کا حلیہ اور نہ ہی انداز عالموں والے تھے۔ رگرا ہوا نوجوان غازیا کے ہاتھوں کی سختی اور قوت سے جان گیا کہ ان کا واسطہ کسی عام شخص سے نہیں۔''

اس نے کمزور سی آواز میں پوچھا:

اجنبی!

''آپ کون ہیں''

غازیا نے کہا!

''صرف یہ جان لو کہ میں تمہارا دشمن نہیں ہوں۔ میں تمہیں بربادی کی دلدل سے نکالنے کی تگ و دو میں ہوں''۔

دوسرے نے کہا!

''مگر آپ کا ہمارے ساتھ ریوالور کی زبان میں بات کرنا ہمیں کیا پیغام دیتا ہے''۔

غازیا نے کہا!

"بربادی نے تمہیں بے ضمیر اور جانور بنا دیا ہے اور میں تمہارے لہجے کا عادی نہیں ہوں۔ یہ گواہی دیتا ہے کہ علماء اور ان کے پیروکار جو میرا انتظار کر رہے ہیں وہ پست اور زبوں حال زندگی کو پروقار حیات پر ترجیح دینے والے ہیں۔"

ریوالور کا سامنا کرنے والے نے کہا:

"لیکن ہمیں یقین ہے کہ تم دشمن کے ایجنٹ ہو اور ہمیں گمراہ کرنے پر مامور ہو"۔

غازیا کے دماغ میں جیسے آگ بھڑک اٹھی ہو۔ وہ اس حد تک مشتعل ہوا کہ خاموش ہو گیا اور دل میں اللہ کا ورد شروع کر دیا تا کہ اشتعال پر قابو پا سکے۔ وہ ذرا سنبھلا تو اس نے ریوالور کو ہٹاتے ہوئے کہا:

"گمراہ کرنے والوں نے تمہارے دماغوں کو اس حد تک مفلوج کر دیا ہے کہ اب تم دوست اور دشمن میں فرق نہیں کر سکو گے۔ تمہارے شعور اس روشنی تک نہیں آ سکتے کہ جہاں وہ صرف یہ جان سکیں کہ جو تمہیں فرقوں کو ختم کر کے متحد ہو جانے کی التجا کر رہا ہے وہ گمراہ کرنے والوں میں ہے یا وہ جو تمہیں فرقہ فرقہ کر کے مستقل طور پر ایک دوسرے کے دشمن بنا رہے ہیں۔"

وہ دونوں نوجوان ذرا پرے ہٹ کر کھڑے ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

ایک نے کہا:

"مگر تمہارا ہمارے ساتھ کیا رشتہ یا ناتا ہے کہ تم ہمیں متحد کرنا چاہتے ہو"۔

غازیا نے کہا:

"میں اسی آخری پیغمبر ﷺ کا پیروکار ہوں کہ جسے تم بھی مانتے ہو اور میرا تم سے کیا یہی رشتہ کافی نہیں۔"

انہوں نے کہا:

"مگر اس کا ثبوت کیا ہے"

غازیا نے کہا:

"یہ اسی پیغمبر ﷺ کی آواز ہے جسے میں اپنا رہا ہوں اور یہ اسی قرآن کی آیت ہے کہ:

"جو اس دین میں فرقے بناتے ہیں اللہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں"۔

وہ دونوں نوجوان اس سے کچھ اور سوالات کرتے رہے۔

کچھ دیر سوچنے کے بعد وہ دونوں غازیا کے قدموں میں بیٹھ گئے۔

انہوں نے کہا:

"ہم ورغلائے گئے تھے۔ ہمیں اشتعال دلایا گیا تھا اور ہم نادان تھے۔ اگر تم ہمیں معاف کر سکو تو یہ تمہاری عظمت ہوگی"۔

وہ دونوں رات بھر غازیا کے پاس بیٹھے رہے اور مختلف باتوں کے بارے میں آگاہی حاصل

کرتے رہے۔صبح تک وہ غازیا کے اس حد تک گرویدہ ہو چکے تھے کہ اگر ان کا بس چلتا تو وہ سب کھڑے ہو کر بلند آواز میں کہہ دیتے کہ:

دوستو!

''اگر تم اپنے ان علماء سے جو تمہیں فرقوں میں ڈٹے رہنے کی تلقین کرتے آئے ہیں پیچھا چھڑا سکتے ہو تو چھڑا لو ورنہ وہ تمہیں اک ایسے عذاب اور عتاب کی جانب دھکیل رہے ہیں کہ جہاں تم پر کوئی رحم اور ترس کھانے والا نہیں ہوگا مگر وہ جانتے تھے کہ اتنے بڑے ہجوم میں اس بات کا کرنا صریحاً موت کو دعوت دینا ہے''۔

صبح انہوں نے آرام کیا اور مناظرے کے وقت غازیا سے مل کر اس جانب چل دیئے جہاں اہتمام کیا گیا تھا۔

لوگ انتظار کر رہے تھے۔علماء کا کہنا تھا کہ:

لوگو!

''تم جس کا انتظار کر رہے ہو وہ نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ جہاں اللہ کا ذکر ہوتا ہے وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے اور جہاں چراغ جلتے ہیں وہاں اندھیرے بھاگ جاتے ہیں۔

لوگوں نے ان کے ان خوبصورت فقروں پر تالیاں بجائیں اور بعضوں نے اپنے اپنے فرقے کے طریقے کے مطابق بلند آواز میں نعرے لگائے اور جس طرح زمانہ جاہلیت میں

عرب ہبل یا منات کے نام سے نعرے بلند کیا کرتے تھے۔ ایسے ہی انہوں نے اپنی اپنی پسند کی ہستیوں کے نام بلند کئے مگر حیرت ہے کہ کسی نے خون کو گرمانے والے نعرہ تکبیر کو بلند نہ کیا بلکہ مقابلے میں شخصیتوں کے ناموں کا ورد کرتے رہے۔ اگر لوگوں کو غازیا کے مناظرے میں شامل ہونے کا انتظار نہ ہوتا تو نعرے لگانے کا جو مقابلہ چل پڑا تھا وہ اتنا پرشور ہو جاتا کہ آخر نتائج وہی قتل و غارت کی صورت میں نکلتے۔ وہ تو اسی دوران انہیں غازیا دونو جوانوں کے درمیان چلتا ہوا نظر آیا تو ان کی آوازوں میں کمی آئی اور لاشعوری طور پر وہ سب کھڑے ہو ہو کر اسے دیکھنے لگے۔ وہ جب جب قریب آتا جا رہا تھا لوگوں کو اس کا سراپا نظر آنے لگا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا کہ آنے والا ان کے علماء کی طرح ان سے بڑھ کر حلیہ بنائے ہوئے ہوگا مگر وہ تو سادہ اور بڑا ہی پروقار نظر آیا۔ کیونکہ اس کا ظاہر اعلماء جیسا نہیں تھا اس لئے انہیں اطمینان ہوا کہ وہ ان کے مقابل نہ ٹھہر سکے گا اور لوگوں کے سامنے خوار ہو کر نکل جائے گا اور تب لوگ خود ہی اس کا حساب بے باق کر دیں گے کیونکہ آخر میں اسے منکرِ رسول یا گستاخِ رسول کا فتویٰ دینا مشکل نہ ہوگا اور دیگر علماء متفقہ طور پر اسے مرتد و کافر قرار دے دیں گے۔ وہ علماء بڑے اطمینان سے بیٹھے رہے اور انہوں نے اپنے مہمان کو بالکل عزت دینا گوارا نہ کیا۔

غازیا چلتے چلتے ان علماء کے پاس پہنچ گیا اور بڑے احترام سے انہیں سلام کہنے کے بعد

اس نشست پر بیٹھ گیا جو اس کے لئے مخصوص کی گئی تھی۔ لوگ بہت بے تاب تھے کہ اس کے خیالات کو سنے بغیر فوراً رد کر دیا جائے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ وہ کوئی ایسا کلام کرے یا کوئی ایسی دلیل دے جو ان کے عقائد کو مشکوک بنا دے۔ بیٹھے ہوئے تمام فرقوں والے ایک ہی سوچ میں گرفتار تھے کہ آنے والا کہیں ان کے فرقے کے خلاف آواز اٹھائے تو اس کا خاتمہ کیا جائے۔ فرقوں والے علیحدہ علیحدہ ٹولیوں میں بیٹھے تھے تا کہ پہچانے جائیں۔ ان کے علماء بھی علیحدہ علیحدہ دو ر نشستوں پر بیٹھے تھے اور عمومی تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے شاکی بھی تھے اور آپس کی مہربان نظروں سے بھی دور دور تھے البتہ مشترکہ شکار ان کے سامنے تھا۔ جس وقت وہ ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے وہ نماز کا وقت تھا اور انہیں وہیں نماز ادا کرنی پڑی۔ ہر فرقے والے نے علیحدہ علیحدہ اپنے عالم کے پیچھے نماز ادا کی۔ حقیقت میں وہ کسی کو اپنا امام ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ غازیا کو کسی میں بھی شامل ہونے کی اجازت نہیں تھی کیونکہ اسے مسلم دشمن سمجھا جا رہا تھا۔

علماء نے اونچی اونچی جو دعائیں مانگیں ان کا لب لباب یہ تھا کہ:

اے عرشِ عظیم کے مالک:

”مرتد اور دین میں فساد پھیلانے والے انسانوں سے محفوظ فرما اور ایسے لوگوں سے محفوظ فرما جو اسلام کے لباس میں مسلمانوں کے عقائد پر حملہ آور ہونے کی تگ و دو میں ہیں۔“

پیچھے بیٹھے ہوئے لوگ جواب میں آمین آمین کہہ رہے تھے۔ یہ الفاظ شعوری طور پر غازیا کو سنانے اور اسے ذلیل کرنے کے لئے کہے جا رہے تھے۔ الغرض اسے سنانے کیلئے علماء نے عرش والوں کو کیا کیا سنایا یہ عرش والے ہی جانتے ہیں۔ بہرحال غازیا تک ان سب کے الفاظ پہنچ رہے تھے۔

وہ حیرت زدہ تھا کہ:

"جنہیں فرسودہ و ناکارہ عقائد اور فرقوں کو مسترد کرنے کے لئے اٹھنا چاہیئے وہی ایسے عقائد کا پرچار کرنے والے ہیں جن کی بنیادیں ہی آخری نبی ﷺ کے بعد اٹھائی گئیں۔ وہ ان لوگوں کی دانش پر بھی حیران تھا جو صرف اپنے اپنے فرقے کی پہچان کیلئے مختلف طرز اور رنگ کے لباس زیب تن کئے ہوئے تھے۔"

جس طرح دعائیں مانگی گئیں ان سے پیچھے بیٹھے ہوئے لوگ غازیا کے خلاف خونخوار ہوگئے۔ وہ چاہتے تھے کہ جتنی جلد ممکن ہو اس کا قصہ پاک کر دیا جائے۔ ایک فرقے والوں نے زور زور سے ایک شخصیت کا نام بلند کرکے نعرے لگائے اور غازیا کو دیکھ دیکھ کر "دین کا دشمن" مردہ باد کے نعرے لگاتے رہے۔ غازیا بڑے اطمینان سے بیٹھا انہیں دیکھتا اور سنتا رہا۔ دوسرے فرقے والوں نے مقابلے میں جو نعرے لگائے وہ اور بھی زیادہ اشتعال دلانے والے تھے۔

جو یوں تھے کہ:

''اسلام کا دشمن مردہ باد''

''میری جان کا دشمن مردہ باد''

اشتعال اس حد تک بڑھ گیا کہ چند جذباتی نوجوان اٹھے اور انہوں نے اسٹیج پر جا کر غازیا کو لاتوں اور گھونسوں سے مارنا شروع کر دیا۔ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے فرقے والوں میں سے بھی دو تین نوجوان لپکے اور غازیا پر تھپڑوں اور مکوں کی بارش کر دی۔ یہ بڑا دلدوز منظر تھا۔ جب وہ اسلام میں داخل ہو رہا تھا اس وقت بھی اسے بہت مارا گیا تھا اور اس کی بات سنی نہ گئی تھی اور جب وہ اسلام میں داخل ہو چکا تو جو اپنے آپ کو اسلام کا پیروکار کہتے تھے انہوں نے بھی بڑھ بڑھ کر ظلم کیا۔

دیکھا دیکھی چند اور نوجوان اس کی طرف بھاگے اور اسے مٹی پر کھینچنے لگے یوں لگ رہا تھا جیسے شکاری کتے کسی ایک خرگوش کو پکڑ پکڑ کر جھنجھوڑ رہے ہوں۔ دو ایک علماء نے سرسری اور سطحی سی آواز میں کہا:

نوجوانو!

''اس گستاخِ اسلام کو بولنے کا موقع دو تا کہ اس کے نظریات تو تم سب اپنے کانوں سے سن لو۔ مگر مارنے والے کب ٹلنے والے تھے۔ وہ دونوں نوجوان جو پچھلی رات کو غازیا پر

حملہ آور ہونے گئے تھے اور تب وہ بذاتِ خود غازیا کے پیروکار ہو کر آئے ان میں سے ایک کسی کی پستول لے کر مارنے والوں کے مقابل کھڑا ہو گیا۔

پستول والے نے کہا:

"تم سب سفاک اور درندے ہو۔ تمہیں مسلمان کہنا اسلام کی توہین ہے۔ تم اور تمہارے علماء اسلامیوں کے چہرے پر داغ ہیں۔ تم ایک ایسے شخص کو جان سے مارنے پر تلے ہوئے ہو جس کی آواز تم نے سنی تک نہیں۔ جس کا پیغام تم نے سنا تک نہیں۔ تم سے زیادہ جاہل اور بے درد کون ہو سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر اس میں ایک کروڑ گولیاں ہوتیں تو میں تم سب کے سینے میں اتار دیتا لیکن میں فی الحال یہ سب تمہارے علماء کے سینے میں اتار دوں گا"۔

مارنے والے سکتے کی حالت میں آ گئے اور ذرا دُور ہٹ کر کھڑے ہو گئے مگر وہ نوجوان جلدی ہی لوگوں کے ہاتھوں مغلوب ہو گیا۔ سب پیروکار حیران تھے کہ کل تک یہ دونوں تو ہم میں سے تھے مگر یہ ایک رات میں انہیں کیا ہو گیا۔ سیاہ رات میں یہ کیا کرنے گئے تھے اور کیا لے کر آئے ہیں۔

علماء میں سے ایک عالم جو اندر سے خود فرقوں سے متنفر تھا کھڑا ہو گیا اور پوری قوت سے سامعین سے مخاطب ہوا۔ اس نے کہا:

لوگو!

”تم کیا کررہے ہو۔سچائی تک پہنچنے کا یہ کونسا طریقہ ہےاور انصاف دینے کا یہ کونسا انداز ہے۔ یہ شخص کہ جسے تم مار رہے ہو یہ تو تمہارے پاس سچائیاں پیش کرنے' انصاف لینے اور مدد لینے کے لئے آیا تھا مگر تم نے اسے سنے بغیر ہی زخم زخم کرڈالا ہے۔سوچو کہ:

”تم کہیں انصاف لینے جاؤ اور وہاں تمہارے ساتھ یہی سلوک کیا جائے تو تم ایسے منصفوں اور ایسے انصاف کو کیا کہو گے۔“

لیکن ایک دوسرا عالم جو شکل وشباہت سے زیادہ طاقتور اور بھاری آواز کا مالک تھا۔ اس نے فوراً ہی مداخلت کی اور پہلے عالم کو ٹوکتے ہوئے یوں گویا ہوا:

بھائیو!

”اسلام کو سب سے زیادہ نقصان ایسے علماء کے ہاتھوں ہوا ہے جو ہم مسلمانوں میں اتحاد کے نام پر قرآن واحادیث کے معنوں میں ہر قسم کی تحریف کو برداشت کرتے ہیں اور ہمیں بھی ان پر خاموش رہنے اور انہیں قبول کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔دراصل ایسے ہی لوگ گستاخِ قرآن اور گستاخِ احادیث اور نتیجتاً گستاخِ رسول ﷺ ہوتے ہیں۔“

سامعین کے سامنے یہ عجیب منظر تھا۔لوگ دم بخود تھے۔ دیگر بیٹھے ہوئے علماء خود سکتے میں تھے کہ حالات کس طرف کا رخ کئے ہوئے تھے۔غازیا زخموں سے چور سٹیج پر پڑا ہوا

تھا۔ پہلے والے عالم نے سہارا دے کر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی اور اس کی باہیں اپنے گلے میں ڈال کر روسٹم کی جانب لے آیا تا کہ وہ کچھ تو کہے مگر دوسرا عالم کہے جارہا تھا کہ:

اے ایمان والو!

”ایسے اتحاد کو پوری قوت سے مسترد کردو جو گستاخانِ رسالت، مرتدین اور زندیقوں کی طرف سے پیش کیا جائے۔ یہ صریحاً کوئی چال ہوگی اور یہ اسلام کو تباہ و برباد کرنے کی سازش ہوگی“۔

یہ کہنا تھا کہ ایک جوشیلا جوان تیزی سے اسٹیج کی جانب آیا اور پوری قوت سے غازیا اور سہارا دینے والے عالم کو دھکا دے کر اور گرا کر واپس چلا گیا۔ گرے ہوئے عالم نے کہا:

”آپ لوگ یہاں مناظرہ سننے آئے ہیں یا دنگل کرنے آئے ہیں۔ آپ عجیب لوگ ہیں بات بات پر دہشت اور وحشت پر اتر آتے ہیں۔“

وہ اتنا طیش میں آ گیا کہ اس نے لوگوں کو کرخت آواز میں کہا کہ:

”آپ پہلے غازیا کو جان سے ماریں اس کے بعد غازیا سے مناظرہ کرلیں“

یہ کہتے ہوئے وہ زمین سے اٹھ کر واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا مگر وہ عالم جس نے اشتعال دلایا تھا وہ ابھی تک اشتعال دلا رہا تھا اور چاہتا تھا کہ لوگ کسی طرح غازیا کا کچومر نکال دیں۔ غازیا کو

اشتعال دلانے والے عالم کی آواز سنی سی لگی۔ چند لمحوں کی کشمکش کے بعد اسے یاد آنے لگا کہ یہ تو وہی آواز تھی جس نے نیروپ کے سامنے اسے للکارا تھا اور لوگوں کو اسے مارنے کے لئے اشتعال دلایا تھا۔

غازیا نے پوری آنکھیں کھولیں اور اسے غور سے دیکھا۔ اس کے لئے یہ عجیب حیرت خانہ تھا۔ وہ پہچان گیا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ وہی شخص تھا جو نہایت کٹر غیر مسلم تھا اور مسلمان عالم کا بھیس بدل کر اب مسلم علماء میں نہ صرف شامل ہو چکا تھا بلکہ وہ اپنی شعلہ بیانی اور اسلام کے حوالے استعمال کر کے بہت سے لوگوں کو اپنا پیروکار بنا چکا تھا۔ وہ موزوں اور ناموزوں حالات میں قرآن واحادیث کے جابجا حوالے پیش کر رہا تھا اور سامنے بیٹھے مسلمان واہ واہ اور سبحان اللہ کہے جا رہے تھے۔ وہ پوری طاقت سے مسلمانوں میں فرقوں کے وجود کو اسلامی دانش کی رحمت و برکت قرار دے رہا تھا اور اسی حوالے سے ثابت کر رہا تھا کہ اسلام نے اختلاف رائے کا حق دے کر انسان پر احسانِ عظیم کیا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ:

”فرقوں کا وجود ثابت کرتا ہے کہ مسلمان جاہل امت نہیں۔ ہر فرقہ اپنے اپنے طور پر ایک لحاظ سے محقق اور مفسر کا کردار ادا کر رہا ہے۔ ہر فرقہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ تک پہنچنے کی اپنے اپنے طور پر سعی کر رہا ہے۔ اس لئے ہر فرقہ اسلامی علم کیلئے جہاد کر رہا ہے۔ چنانچہ جو لوگ فرقوں کے خلاف ہیں وہ ایک لحاظ سے مسلمانوں کو ایسی امت بنانا چاہتے ہیں جن کے دماغ جامد

ہو چکے ہوں"

یہ الفاظ سن کر پیچھے بیٹھے ہوئے مختلف فرقوں کے علماء جھوم جھوم اٹھے۔انہوں نے بھی بلند آواز میں نعرے لگائے اوران کے نعروں میں خاص وعام سب شامل ہو چکے تھے۔

غازیا بار بار آنکھیں کھولتا مگر زخموں کی شدت کی وجہ سے اس کی آنکھیں بار بار بند ہوجاتیں۔ وہ عالم جو اسے سہارا دینے آیا تھا اب واپس جا کر اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا مگر وہ نعروں میں شامل نہیں ہورہا تھا۔اشتعال دلانے والا تمام علماء سمیت حاضرین پر ایک لحاظ سے سحر طاری کر چکا تھا۔وہاں پر موجود اب کوئی عالم یا کوئی فرد اس کے جادو سے باہر نہیں تھا۔ اب اس کے ایک اشارے پر لوگ غازیا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔ تمام فرقوں کے علماء مرحبا مرحبا کہہ رہے تھے۔ اشتعال دلانے والا ان علماء میں بہت مرتبہ حاصل کر چکا تھا۔اگر چہ علماء جانتے تھے کہ وہ مخصوص فرقے کا ہی عالم ہے لیکن وہ دیگر فرقوں کے علماء کے علم اوران کے وجود کو اسلام کی ترقی کے لئے نہایت اہم قرار دیتا تھا جس کی وجہ سے وہ اس سے زیادہ اختلاف نہیں کر پا رہے تھے۔

"غازیا جان گیا کہ یہ شخص مسلمانوں کو کبھی بھی متحد نہیں ہونے دے گا اور فرقوں والے علماء کے وجود سے بھر پور فائدہ اٹھا کر مسلمانوں میں اتحاد کی ہر کوشش کو نا کام بنا دے گا بلکہ جو بھی آگے بڑھ کر ان میں اسلام کی سچی آ گاہی دینے کی کوشش کرے گا وہ فتوی دے کر اسے انہیں کے ہاتھوں

قتل کروادے گا"۔

اب اگراشتعال دلانے والا ایک لفظ بھی غازیا کی زندگی کے خلاف کہہ دیتا تو حاضرین قطعی طور پر سوچے سمجھے بغیر اسے تار تار کر دیتے۔غازیا پوری قوت سے اپنی توانائیوں کو اکھٹا کرنے کی کوشش کرر ہا تھا اور اپنے دل و روح میں اللہ کا ذکر بڑھاتا جار ہا تھا۔وہ آنکھیں بند کئے اللہ سے دعائیں مانگ رہا تھا کہ:

"اے امتوں کو تخلیق کرنے والے اور انہیں اندازِ حیات سے آشنا کرنے والے۔ یہ تو نے اپنے آخری پیغمبر ﷺ کی امت میں کیسے کیسے فرقہ باز پیدا کر ڈالے ہیں اور کیسے کیسے سازش کرنے والے غیر مسلم مسلمانوں میں علماء کے روپ میں داخل کر ڈالے ہیں۔ کیا یہ بھی کوئی اس امت کا امتحان ہے اور کیا تو نہیں چاہتا کہ یہ امت دنیا کی امتوں کی مرشد امت بنے"

اسے یوں لگا کہ اس کی زبان سے بجائے دعاؤں کے شکوہ و شکایت میں بہت کچھ طاری ہے۔

جب جب اشتعال دلانے والا اپنی تقریر آگے بڑھاتا جار ہا تھا۔غازیا کے قلب و شعور پر بھی جواباً اک نورانی آگاہی طاری ہوتی جارہی تھی اور اسے حاضرین جیسے مسلم افراد کو دیکھ کر محسوس ہونے لگا کہ:

”جب تک مسلمان محمد ﷺ کے طریقوں کو چھوڑ کر اپنی اپنی عقلوں کو ہی اپنا پیغمبر مانیں گے تو پھر ذلتیں ہی ان کا مقدر رہیں گی“۔

”اسے یوں لگا کہ یہ آواز فضاؤں سے آ رہی ہے۔ اسے یوں لگا کہ یہ الفاظ فضاؤں میں تحریر ہیں۔ اس کی نگاہیں دور فضاؤں میں جیسے ٹھہر گئی ہوں۔“

حاضرین میں سبھی غازیا کی جانب دیکھ رہے تھے۔ بہت سے اسے خونخوار نظروں سے اور بہت سے اسے نفرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔

پیچھے بیٹھے ہوئے ایک شخص نے آواز دی کہ:

”اس مردود کو بولنے دو۔“

اشتعال دلانے والے نے حاضرین سے کہا:

اگر اسے بولنے دیا گیا تو یہ رسول کی گستاخی کرے گا۔ یہ شخص قرآن کی گستاخی کرے گا اور یہ شخص تمہارے اور ہمارے پاکیزہ دین کی گستاخی کرے گا“۔

اس نے حاضرین سے سوال کیا:

”کیا تم غیور مسلمان اس جیسے زندیق کو سننا چاہتے ہو“

جواب میں حاضرین نے پورے زور کی آواز سے کہا:

کبھی نہیں !کبھی نہیں!

اشتعال دلانے والے نے حاضرین سے پھر پوچھا کہ:

''پوچھو اپنے علماء سے کہ ایسے شخص کو کیوں آپ کے سامنے لایا گیا ہے؟

کیا یہ چاہتے ہیں کہ اس کا قتل آپ پر ڈال دیا جائے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر یہ یہی چاہتے ہیں تو پھر اسلام کے مطابق ہی چاہتے ہیں کیونکہ ایسے گستاخ کو اگر مسلمان اجتماعی طور پر ختم بھی کر دیں تو ثواب و نیکی سے کم نہیں مگر میں کہتا ہوں اسے قتل نہ کرو۔ البتہ تم اس سے اپنی پسند کا سلوک کرو۔''

چند افراد نے سامنے بیٹھے علماء سے کہا کہ:

''آپ سب اس کے قتل کے لئے فتویٰ جاری کریں تا کہ ایسے لوگوں کا دینِ اسلام میں داخل ہونا یا پیدا ہونا ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا جائے''۔

''علماء آپس میں مشورہ کرنے لگے''۔

اور ذرا توقف کے بعد اشتعال دلانے والا علماء سے کہہ رہا تھا کہ:

''حاضرین کا ہم سے مطالبہ جائز اور بروقت ہے۔''

ایک عالم نے کہا کہ:

اگر حکومتِ وقت نے ہمارا فتویٰ نہ مانا اور اسے قتل کیے جانے کے بعد فتویٰ کو ہمارے خلاف گواہی کے طور پر استعمال کیا تو اس کا کیسے سامنا کیا جائے گا؟

اشتعال دلانے والے نے کہا:

”یہ ریاست سیکولر ہے۔ یہاں سب کا اپنا اپنا مذہب اور عقیدہ ہے اور ریاست کو اجازت نہیں کہ وہ کسی قوم کے مذہب میں بے جا مداخلت کر سکے“۔ اس نے حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ:

”بھارت کے فلاں علاقے میں جب عورتوں نے اپنے خاوندوں کے مر جانے پر اپنے آپ کو آگ میں جلا کر ”ستی“ کیا تو حکومت کچھ نہ کر پائی تھی کیونکہ یہ عین ان کے عقائد کے مطابق تھا اور ایسے ہی فلاں علاقے میں جب فلاں فلاں آدمیوں کو ”بلی“ چڑھایا گیا تھا تو بھی حکومتِ وقت کچھ نہ کر پائی تھی۔ یہاں تک کہ حکومتِ وقت نے بھارت میں فلاں فلاں علاقوں میں ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہو جانے والے عیسائیوں کے لئے کیا کر دیا کہ اگر مسلمانوں میں ایک مرتد قتل کر دیا جائے تو حکومتِ وقت اس کے لئے فکر مند ہو گی۔ تم دیکھتے نہیں ہو کہ ہزاروں مسلمان ویسے بھی قتل ہو رہے ہیں اور حکومت نے کبھی اس کا نوٹس نہیں لیا۔ کیا اس ایک لعین کے قتل ہونے پر حکومت لرز جائے گی۔ اگر حکومت نے اس پر کوئی حرکت شروع کی تو سب سے پہلے ہم ان سینکڑوں مسلمانوں کے خون کے بدلے کا مطالبہ کریں گے جو سرکار کی چھتری کے نیچے ہو رہے ہیں۔“

سہارا دینے والے عالم سے نہ رہا گیا۔ اس نے حاضرین اور علماء کو مخاطب ہو کر کہا:

لوگو!

آپ سب کا تقاضا تھا کہ یہ شخص آپ کے علماء کا سامنا کرے۔ اب آپ کے علماء بھی ہیں اور یہ شخص بھی سامنا کرنے کیلئے آیا ہے۔ آپ سب مجھے بتاؤ کہ آپ اسے کیوں سامنا کرنے نہیں دیتے ہو۔ آپ صرف اپنے علماء کی ہی کیوں سنے جارہے ہو۔ ممکن ہے اس کا مؤقف غلط نہ ہو اور اگر آپ ان علماء کے کہنے پر اسے قتل کردو گے تو کل اسی اللہ کو کیا جواب دو گے۔ جس کے نام پر تم اسے ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ کیونکہ وہی حشر کو آپ سے پوچھ سکتا ہے کہ تم لوگوں نے اسے بغیر کسی قصور کے کیوں مار ڈالا اور اس کی دلیل قرآن نے یہ دی ہے کہ:

''قیامت کے روز زندہ دفن کی جانے والی بچیاں اپنے وارثوں سے پوچھیں گی کہ انہیں کس جرم کی پاداش میں زندہ دفن کردیا گیا تھا'' (القرآن)

قرآن کی یہ آیت گواہی ہے کہ جب بھی کسی کو بغیر جرم کے سزا دی جائے گی یا قتل کیا جائے گا تو وہ اس روز پوری قوت سے پوچھے گا کہ اسے کس جرم کے بدلے میں سزا دی گئی اور اسے کس جرم کی پاداش میں ہلاک کیا گیا۔ اور سنو!

''تم بھی اسی گناہِ عظیم کے مرتکب ہونے والے ہو جو ان لوگوں نے اپنی زندہ بچیوں کو دفن کرکے کیا تھا''۔

اور سنو قرآن کی آواز کہ:

''کسی شخص کو بِنا کسی جرم کے ہلاک کرنا گویا پوری انسانیت کو ہلاک کرنا ہے''۔ (القرآن)

لوگو!

"جو کچھ تم اور تمہارے علماء کرنے والے ہو میں نے اس کے بارے میں تمہیں آگاہی دے دی ہے اور تم سب گواہ رہنا کہ میں تمہارے جرم میں شریک نہیں ہوں اور یہ لو میں اس شخص کو اب تمہارے حوالے کرتا ہوں۔ اب تم جو چاہو اس کے ساتھ سلوک کرو"

یہ کہہ کر وہ واپس اپنی نشست پر جا کر بیٹھ گیا۔ اشتعال دلانے والے نے پھر کہا کہ:

"یہ شخص عذابِ الٰہی کی مار میں ہے اس لئے ہمیں اس کے قریب نہیں جانا چاہیئے"۔

"لہٰذا وہ پھر سے آپس میں فتویٰ کے بارے میں مشورے کرنے لگے"۔

لوگوں میں بعض لوگ مضطرب تھے۔لگتا تھا کہ ان میں بعض غازیا کو سننا چاہتے تھے مگر وہ اجتماعی نفرت کے خوف اور طعنوں سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ البتہ ایک معتبر قسم کے فرد نے کھڑے ہو کر علماء کو مخاطب ہو کر کہا:

اعلیٰ حضرات!

ہم بلاشبہ آپ کے مقتدین میں سے ہیں اور آپ کو ہی اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں لیکن ہم خود سوچ رہے ہیں کہ ہم جس مقصد کے لئے یہاں آئے ہیں وہ مقصد تو وہیں کا وہیں رہ گیا اور بات دوسری طرف چل نکلی ہے۔ وہ عالم جس نے ابھی تھوڑی دیر پہلے غازیا کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا ہے۔ہماری ان سے بھی گزارش ہے کہ وہ ہمیں یہ تو بتلائے کہ اس شخص کو

آخر کار کس نظریے کی بنیاد پر ہلاک کیا جائے اور اس نے اسلام کے خلاف کیا کیا ہے اور یہ کہ اسے صفائی کا کیوں موقع نہیں دیا جا رہا اور ہم میں جو لوگ آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ اس کے خلاف فتویٰ جاری کیا جائے تو ہم ان سے بھی گزارش کرتے ہیں کہ فلاں عالم نے جو قرآن کے حوالے سے بات کی ہے تو ہمیں اس پر کان دھرنا چاہیئے اور پہلے غازیا کا جرم تو ثابت ہونے دیں اور اس کے لئے بھی اسے صفائی کا موقع دینا نہایت ضروری ہے ورنہ جو بھی فیصلہ یا فتویٰ ہوگا وہ انصاف پر مبنی نہیں ہوگا۔"

اجتماع میں بیٹھے ہوئے دیگر لوگوں نے اس کی بات کی جانب دھیان نہ دیا اور اسے بھی بزدل و احمق کا نام دے کر بٹھا دیا گیا۔

ایک فرقے کے عالم نے اٹھ کر اپنے فرقے والوں کو مخاطب ہو کر کہا:

مومنین!

آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب میں اسے ملی جلی رائے کا سامنا کرنا پڑا۔ جو غازیا کو ہلاک کرنے کے حق میں تھے ان کی آواز اور اشارے بڑے واضح تھے مگر جو اسے سننا چاہتے تھے وہ تقریباً دوہرا رویہ اختیار کیے ہوئے تھے۔

ایک اور عالم اٹھا اور اس نے بھی اپنے فرقے کے لوگوں سے یوں رائے پوچھی:

مسلمانوں!

اگر ہم وجہ بے وجہ رحم کرنے لگ جائیں تو ہمیں اندھا کہا جائے گا۔ اس لیے رائے دینے سے پہلے خوب سوچ لو۔ لوگ ویسے ہی تذبذب اور اضطرابی قسم کا جواب دیتے رہے۔ ان کا بھی دیگر فرقوں والوں کا ہی طور طریقہ تھا۔

جب سب علماء نے اپنے اپنے فرقے والوں سے رائے لے لی تو وہ تقریباً سب اسے ہلاک کرنے پر زور دے رہے تھے جبکہ دوہرے معیار والے کہتے تھے کہ غازیا کو قتل کیے جانے سے پہلے سن لیا جائے تو برا نہیں ہے۔ البتہ اشتعال دلانے والے نے دیگر علماء کے موقف اور طریقۂ کار کو بے سود قرار دیا۔

اس کا کہنا تھا کہ:

علماء نے حاضرین سے غلط سوال پوچھے ہیں۔ انہیں کم از کم مندرجہ ذیل سوالات ضرور پوچھنے چاہیئے تھے:

تب اس نے وہ سوالات خود حاضرین سے پوچھے۔ اس نے کہا:

اے اسلام کے سپاہیو!

یہ بتاؤ کہ!

"فتنہ زندہ رہنا چاہیئے یا دینِ اسلام"

لوگوں نے ہاتھ بلند کر کے کہا:

''دینِ اسلام''

اس نے پھر پوچھا:

''فتنے کا کیا کرنا چاہیئے؟''

لوگوں نے کہا!

''اسے ختم کرنا چاہیئے''

تو اس نے کہا:

''یہ غازیا فتنہ ہے''

''اب اس کے بارے میں تمہارا کیا فیصلہ ہے ''

لوگوں نے کہا:

''اسے ختم کرنا چاہیئے''

اشتعال دلانے والے عالم نے منطقی طریقۂ کار کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا اور از خود ملوث ہوئے بغیر لوگوں سے فیصلہ اور فتویٰ حاصل کر لیا تھا۔ لوگ سادہ تھے اللہ اور رسول کے نام پر بہکائے جا چکے تھے۔ فیصلہ حاصل کرنے والا ہوشیار اور زیادہ ذہین و فطین محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ان تمام علماء سے زیادہ پڑھا لکھا دکھائی دے رہا تھا جو مخصوص فرقے کی نمائندگی کرنے آئے

تھے۔ وہ علماء بھی اُس کے منطقی حوالوں کا شکار ہو چکے تھے۔ حیرت ہے کہ اس کے ہر فرقے کے عالم کے ساتھ ایک جیسے اچھے تعلقات تھے۔ وہ اپنے آپ کو بے فرقہ بھی کہتا تھا مگر وقت کے مطابق بعض فرقوں کی زیادہ پشت پناہی کرتا تھا اور انہیں کمزور نہیں ہونے دیتا تھا۔ وہ دنیا کے مختلف ممالک سے کسی بھی فرقے کے حق میں چھپنے والے ادب کو حاصل کرتا اور اس فرقے کی مخصوص مسجد کی لائبریری کو تحفتاً دے دیتا۔

اشتعال دلانے والا جب علماء کو فنڈ مہیا کرتا تو انہیں کہتا کہ:

''جمعہ کا دن بہت زیادہ مبارک ہوتا ہے اس لئے علماء کو بڑھ چڑھ کر مسلمانوں میں تبلیغ کا فریضہ ادا کرنا چاہیئے''۔ اس غرض سے اس نے انہیں طاقتور لاؤڈ سپیکر مہیا کئے ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ جمعہ کو آوازوں کا آسمان تک بلند ہوتا ہوا شور محسوس ہوتا تھا اور کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ ہر مسجد کا عالم پوری قوت سے اپنے اپنے نظریات کی تلقین کر رہا ہوتا مگر مسجد سے باہر ذرا دور وہ آواز دیگر علماء کی آواز میں گڈمڈ ہو کر شور کا تأثر دے رہی ہوتی۔

یہی وجہ تھی کہ آج کے مناظرے میں دیگر تمام علماء بھی اس اشتعال دلانے والے کے احسانوں کے بوجھ تلے دبے اس کی تجاویز پر لبیک کہہ رہے تھے اور وہ جس طرف کا اشارہ کرتا علماء اور لوگ اس جانب فیصلہ وفتویٰ دینے کے لئے مائل ہو جاتے۔ البتہ سہارا دینے والا

عالم درویش قسم کا انسان تھا۔جس نے کبھی اس عالم سے فنڈز قبول کئے تھے اور نہ ہی کسی قسم کی امامت قبول کی تھی۔ وہ ایک غریب سا مدرسہ بنا کر اپنے جیسے لوگوں کے بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔

چنانچہ یہ عالم سب علماء کے مقابل اپنی موت کو آواز دے رہا تھا کیونکہ یہ ان کی رائے کے خلاف رائے دے رہا تھا۔یہ اپنے مؤقف پر ڈٹا ہوا تھا۔عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کی زبان کئی بار لڑکھڑا جاتی تھی مگر اس نے غازیا کو صفائی کا موقع دیئے بغیر اور اسے سنے بغیر ہلاک کئے جانے کی ہر کوشش کو غیر اسلامی، کفر اور بدترین ہونے کا پہلے سے فتویٰ صادر کر دیا۔

تاریخِ انسانی ایسے مناظر سے بھری پڑی ہے۔ہمیشہ سے ہر مذہب میں ایک کلاس ایسی پیدا ہو جاتی ہے جسے یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ وہی مذہب کی حفاظت کی ذمہ دار ہے۔اس کے افراد دوسرے ماننے والوں کو مذہبی طور پر اپنے زیرِ نگیں کئے رکھتے ہیں۔اس کلاس کا سب سے بڑا نقصان مذہب کو یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے دیگر افراد اپنے آپ کو بری الذمہ سمجھنے لگتے ہیں اور مذہب کا گہرا مطالعہ نہیں کرتے اور نہ ہی اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کلاس کے افراد جو کچھ عام افراد کو بتلاتے ہیں وہی قانون اور رسم ورواج بن جاتا ہے۔ کبھی کوئی لوٹ کر ان سے پوچھتا ہی نہیں کہ:

”اے مذہب کے دعویدارو آخرتم ایسے قوانین اور رسوم و رواج کیوں بناتے ہو جو اس مذہب کے پیغمبر نے نہیں بنائے“۔

یہ عجیب منظر تھا۔کوئی آسمانی مخلوق اس توقع پر اگر زمین پر اترتی کہ وہاں اشرف المخلوقات سے ملاقات کا شرف حاصل ہوگا اور وہ اسی خطۂ زمین پر اسی اجتماع میں جہالت کی جولانیاں اور اس کے ہاتھوں عقلِ انسانی کی شکست کا حشر دیکھتی تو محسوس کرنے والے محسوس کرسکتے ہیں کہ وہ کیا محسوس کرتی۔ سچ یہ ہے کہ انسان نے اکثر اللہ کی وحی کے ساتھ بڑھ بڑھ کر ظلم و زیادتی کی ہے۔وہی روشنی کہ جس نے اس کی تیرہ و تاریک راہوں کو درخشاں و پرنور کیا انسان نے اسی کے مقابل اپنی آنکھوں کو بند کرلیا اور لاکر اپنے اوپر اندھیرے اوڑھ لئے۔بہر حال سینکڑوں لوگوں کا مؤقف تھا کہ غازیا کے بارے میں معلومات حاصل ہوجانے کے بعد اس کا سننا صریحًا اپنے آپ کو دھوکہ دینا اور کفر میں شامل ہونے کے مترادف ہے۔اگرچہ غازیا نے دو ایک بار اشتعال دلانے والے کے بارے میں کہنا چاہا کہ:

لوگو!

”پہچان جاؤ یہ شخص مسلمان نہیں۔کسی غیر مسلم گروہ کی جانب سے آیا ہوا یہ شخص تمہیں اس قدر رسوا کردے گا کہ تمہاری نسلیں مسلمان کہلوانے سے بھی نفرت کریں گی اور یہ شخص تمہارے یقین

واتحاد کو زرد پتوں کی طرح ریزہ ریزہ کر کے پیروں تلے کچل رہا ہے تم اس سے آزاد کیوں نہیں ہو جاتے ہو؟''

مگر لوگوں کے شور میں اس کی آواز دب گئی اور کسی نے اس کی بات نہ سنی۔

آخر اس نے دعا کا سہارا لیا کہ:

اے مالکوں کے مالک!

''کوئی تو اٹھے جو میرے الفاظ ان برباد ہوتے ہوئے انسانوں تک پہنچا دے اور وہ اک بڑی تباہی سے محفوظ ہو جائیں۔''

لیکن اس کی یہ دعا مستجاب نہ ہو سکی اور کوئی بھی اس کی بات لوگوں کو نہ بتا سکا۔ اشتعال دلانے والے نے غازیا کی بے بسی کو غنیمت جانا اور اس موقع سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ نشستوں پر بیٹھے علماء کو مقدس القابات سے نوازنے کے بعد لوگوں کے لئے بھی پاکیزہ و دلیر اور غیور مسلمانوں کے الفاظ استعمال کیے۔ یہ اس کا ایک نفسیاتی حربہ تھا جو کامیاب رہا اور جس پر تمام کے تمام لوگ سر جھکا کر اس کی بات سننے اور ماننے کے پابند ہو گئے۔ اس نے کہا:

اے عظیم مسلمانوں!

''تم پر میرے جیسی ہزاروں جانیں قربان، تم نے آج سچے ایمان اور سچے نظریات کی تاثیر

اپنی آنکھوں سے دیکھ لی ہے۔ایک طرف دین کا دشمن زمین پر تمہارے قدموں میں گرا ہوا ہے اور جس کی ہمت نہیں کہ اٹھ کر ایک لفظ تک کہہ سکے۔ کیونکہ وہ باطل ہے۔وہ تمہارے درمیان رہ کر تمہیں گمراہ کرنا چاہتا تھا مگر اللہ نے تمہیں اس کے شر سے محفوظ کر لیا۔"

وہ دونوں نوجوان محسوس کر گئے کہ اس عالم کے اشتعال سے لوگ اور بپھر جائیں گے اور غازیا کو پڑے پڑے مار ڈالیں گے۔غازیا نیچے پڑے پڑے سنبھل چکا تھا۔

ان دونوں نوجوانوں نے گرے ہوئے غازیا کا اشارہ سمجھ لیا جس کا مطلب یہ تھا کہ روشنیاں گل کر دو۔ یہ ترکیب کامیاب رہی اور غازیا اپنی پوری توانائی کو جمع کر کے پنڈال سے نکل گیا اور دوسرے نوجوان نے جنوب کی جانب والی ایسی پگڈنڈی پر ڈال دیا جہاں پر چلتے چلتے وہ ایسے مقام پر پہنچ سکتا تھا کہ اگر کوئی اس کا پیچھا بھی کرتا تو وہ اس راہ کی جانب نہ جاتا۔

روشنی گل کرنے والے نے دراصل جا کر بہت پیچھے سے ایک مین کنکشن پر ایک بڑا پتھر مار کر اسے تباہ کر دیا تھا۔ لوگ اس انتظار میں تھے کہ کب روشنی آئے اور کب مناظرہ شروع ہو اور وہ اپنے اپنے فرقے کے عالم کی تقریروں کے جوہر دیکھ سکیں چنانچہ اندھیرا ہونے کے باوجود وہ بیٹھے رہے اور مختلف علماء اُٹھ اُٹھ کر بار بار ان سب کو تحمل اور

اطمینان سے بیٹھے رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ابھی تک ان سب علماء کورنج تھا کہ ان کی بولنے کی باری نہیں آئی اور مشتعل کرنے والا لمبی سے لمبی تقریر کرتا جار ہاتھا۔

غازیا کے خلاف جو انہوں نے دلائل تیار کئے تھے وہ ابھی باقی تھے۔اس لڑکے نے کافی دیر کے بعد جب مناسب موقع دیکھا کہ لوگ اٹھ کر جانے والے ہیں اور ایسا نہ ہو ان میں کچھ جنوب کو چل پڑیں تو اس نے شور مچا دیا کہ غازیا شمال کی جانب بھاگ گیا ہے۔پھر وہ اندھیرے میں وقفے وقفے سے اعلان کرتا رہا کہ حاضرین اطمینان رکھیئے اسے جلد کوئی نہ کوئی پکڑ لے گا اور پھر اسے آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔

اندھیری رات میں اور بھی اندھیرا بڑھ چکا تھا۔ جوشیلے نوجوان شمال کی جانب بھاگے جارہے تھے۔انتظار کرنے والے آہستہ آہستہ گھبراہٹ کا شکار ہوتے جارہے تھے۔ رات گزر رہی تھی۔مشتعل کرنے والا غازیا کے بھاگ جانے کی خبر سے بہت پریشان تھا۔اسے کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ کون سا حربہ،کونسا طریقہ استعمال کرے اور نہ ختم ہونے والے اندھیرے میں اب کیا کرے۔وہ عجیب طرح سے تلملا رہاتھا اور علماء اٹھ اٹھ کر اسی سے مشورہ کرر ہے تھے کہ مزید کیا کیا جائے‘‘؟

ایک عالم جو پوری تیاری کر کے آیا تھا اس نے اندھیرے ہی میں اونچی آواز میں تقریر شروع کر دی کہ:

اے دین کی لاج رکھنے والو!

"یہ شخص تمہارے فرقوں کو جھٹلانا چاہتا تھا مگر اللہ نے اسے جھٹلا دیا یہ تمہارے طور طریقوں، رسوم و رواج اور نظریات کو برا بھلا کہنے آیا تھا مگر یہ خود رسوا ہو کر رہ گیا۔ اس لئے اس نشانی کو گواہ بنا کر اپنے دلوں کو اور مضبوط کرلو اور تم جس راہ پر اور ڈگر پر چل رہے ہو اُسے ایسے زندیق و کافر لوگوں کے کہنے پر مت چھوڑ دینا۔" اگر چہ اندھیرا تھا مگر وہ غازیا کے خلاف مکے بنا بنا کر تقریر کر رہا تھا۔

دیگر علماء نے ہاتھ بلند کر کے اس کے حق میں نعرے لگائے۔ ایک نے کھڑے ہو کر پوری آواز سے 'غازیا مردہ باد' اور 'کافر و شیطان مردہ باد مردہ باد' کے عوام سے لگاتار نعرے لگوائے۔ ان نعروں کی وجہ سے لوگ اتنے مشتعل ہو گئے کہ غازیا کو تلاش کرنے وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے تاکہ اس کا فوری قلع قمع کیا جائے۔

اک شور بلند ہو رہا تھا۔ لوگ "پکڑو پکڑو غازیا کو" کی آوازیں بلند کر رہے تھے۔ دراصل لوگ مشتعل کرنے والے کی باتوں میں ایسا گم ہوئے تھے کہ انہوں نے غازیا کے اندھیرے میں فرار ہونے کی طرف چنداں توجہ نہ دی تھی کیونکہ وہ نظر بھی نہیں آ رہا تھا۔ مگر اس وقت وہ اسے زندہ مردہ ہر حالت میں اپنے قبضہ میں لے لینا چاہتے تھے۔ بہر حال اس وقت تک غازیا بہت دور جا چکا تھا اور چند نوجوان جو تلاش میں ادھر ادھر ذرا دور نکل گئے وہ بھی

کچھ دیر کے بعد ناکام واپس آ گئے۔ آہستہ آہستہ ہجوم بکھرنے لگا اور ہر گروہ اپنے اپنے فرقے کے عالم کو لے کر اپنی اپنی بستی میں چلا گیا۔ ہر عالم نے اپنے اپنے گروہ کو باور کروانے کی سعی کی کہ:

"دراصل اسی کی دلیری اور علم کی وجہ سے غازیا شکست کھا کر بھاگ نکلا ورنہ فلاں فلاں تو کچھ اور چاہتے تھے کیونکہ وہ اس کے علم سے خائف تھے اور یہ کہ صرف وہ فرقہ ہی طاقتور اور اچھا ہے۔ اس کے مدِ مقابل غازیا جیسے کافر نہیں ٹھہر سکتے۔ ورنہ دیگر فرقے والے تو صرف جہالت اور غیر اسلامی شریعت کی پاسداری کرنے والے ہیں چنانچہ وہ کسی کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ اگلے چند گھنٹوں تک اشتعال دلانے والا ہر فرقے والے کے پاس جا کر اسے فاتح قرار دیتا رہا۔ اس نے غازیا کو تلاش کرنے کے لئے تمام فرقوں کے افراد پر مشتمل ٹولیاں تشکیل دی تھیں جو اسے تلاش کرنے جا رہی تھیں۔

اشتعال دلانے والے کے "را" کے ساتھ انتہائی قریبی تعلقات تھے اور اسی کی وساطت سے اسے نیلا دیوی کی مہم سے منسلک کر دیا گیا تھا اور نیلا کے حکم کے مطابق اب وہ غازیا کو زندہ مردہ ہر حال میں نیلا کے سامنے پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس نے لارنس آف عریبیہ کی طرح ایک مسلمان عالم کا روپ دھار کر کمال کر دیا ہوا تھا اور اسے سوائے غازیا کے کوئی جید سے جید عالم بھی نہیں پہچان سکتا تھا کہ وہ را کا ایک کٹر ہندو ایجنٹ ہے۔

اس کی تلاش رنگ لائی تھی اور اس کا شکار خود بخود اس کے سامنے آچکا تھا۔ وہ غازیا کو دیکھتے ہی پہچان گیا تھا اور غازیا بھی اُس کی پہلی آواز سے ہی جان گیا تھا۔ ایک لحاظ سے وہ بہت بڑا شاطر و چالاک تھا مگر غازیا بہادر و ذہین تھا۔ یوں لگتا ہے کہ قدرت غازیا کی تربیت کر رہی تھی اور وہ ایسے اشخاص کے مقابلے کے لئے اُسے زیادہ سے زیادہ پختہ اور دور اندیش کر رہی تھی۔

غازیا کے بارے میں وہ نیلا کو خبر دے چکا تھا کہ:

"دو ایک روز تک وہ اسے کسی بھی حالت میں لے کر حاضر ہونے والا ہے اور نیلا نے غازیا کو تلاش کرنے والوں کو فی الحال روک دیا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ شخص نہایت ذمہ داری سے اطلاع فراہم کرتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ وہ شخص غازیا کو ہلاک کر کے ہی اس کے سامنے لائے گا کیونکہ نیلا خود بھی جانتی تھی کہ غازیا جیسا شخص زندہ رہ کر اس کے سامنے آنا گوارا نہیں کرے گا۔

نیلا کی خواہش تھی کہ اسے ہلاک نہ کیا جائے اور زندہ ہی گرفتار کر کے اس کے سامنے لایا جائے۔ وہ ایسے مسلم مرد کو دیکھنا چاہتی تھی جو موت و حیات سے لاخوف ہو کر تنہا حکومت وقت کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر للکارتا ہوا کامیاب و کامران آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے اندازِ حیات سے متاثر ہو کر بہت سے ہندو مسلمان ہو سکتے تھے۔ یہاں تک کہ جنوبی بھارت کی

مشہور مصنفہ بملا داس بھی مسلمان ہو چکی تھی جو عمر کے تقریباً ۷۰ سال پورے کر چکی تھی اور جس کا دل خود غازیا جیسے بیٹے کے لئے دعاؤں سے لبریز و سرشار رہتا تھا۔ نیلا کے لئے یہ حالات مزید ناقابلِ برداشت ہوتے جا رہے تھے اور اسے اس علاقے پر اپنی حکمرانی اور کمانڈ بے وقعت سی محسوس ہو رہی تھی۔

غازیا ہر قدم سوچتا رہا کہ ان علماء کے ذہنوں پر تو مزاروں کا گماں ہوتا ہے اور ان کے پیروکار اور مرید سب دل کے چراغ بجھا بیٹھے ہیں اور ان کی نسلیں ان سے وراثت میں کیا حاصل کریں گی۔ اسے اپنے زخموں سے اتنی اذیت نہیں محسوس ہو رہی تھی جتنی یہ سوچ کر کہ انہوں نے خود نسل در نسل فرقوں کے اندھیرے حاصل کئے ہیں۔ یہ امت کو کیا روشنی دیں گے؟ انہیں تو کسی اسرافیل کی آواز بھی نہیں جگا سکے گی کیونکہ موت ان کی روحوں میں اتر چکی ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ مسلمانوں میں کوئی بھی اگر کسی بھی فرقے سے منسلک ہو تو وہ دینِ اسلام کے لئے سوائے اذیت کے کچھ نہیں۔

اس کے کانوں میں ابھی تک اس سارے مجمع کا شور اور علماء کی تقریریں گونج رہی تھیں جو اسے بالکل یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے عذاب یافتہ روحیں درد و کرب میں مبتلا ہو کر چیخ رہی ہوں اور اسے ان کا رہ رہ کر یہی انجام دکھائی دے رہا تھا مگر وہ بے بس تھا کیونکہ انہوں نے اس کی روشنی اور نجات کی جانب بلانے والی آواز کو مسترد کر دیا تھا۔

وہ مسلم بستیوں سے مدد حاصل کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اسے اب دُور دُور تک کوئی منزل دکھائی نہ دے رہی تھی۔ وہ تنہا ملاح کے بیٹے کو ساتھ لے کر اتنی بڑی قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ نیلا کے مددگار متحد تھے انہیں صوبائی حکومت اور متعلقہ ضلع کی انتظامیہ کی بھرپور مدد حاصل تھی۔ ویسے بھی وہ پولیس اور آشرم والوں کو مطلوب تھا۔ اس پر کوئی لمحہ بھی آفت بن کر گر سکتا تھا۔ آنے جانے والوں اور اس کے پاس سے گزرنے والوں میں کیا خبر اسے کوئی پہچان لے اور تب وہ کہیں کا نہ رہے اور اگلی تمام عمر زنداں میں گزارنی پڑے اور وہی اس کا مرقد بنادیا جائے۔ تصوراتی طور پر یہ حالات اور کیفیت شاید زیادہ پراسرار اور خوفناک نہ لگیں لیکن جو ان حالات میں گزر رہا ہو وہ قدم قدم پر پھانسیوں کے جھولے دیکھ رہا ہوتا ہے۔

چلتے چلتے وہ تھک گیا تھا۔ وہ راستہ جہاں اسے کوئی بہتر سواری مل جاتی ابھی کچھ دور ہی تھا جو دریا کے ساتھ ساتھ ہو کر بہت دور عبرت گاہ کی جانب چلا جاتا تھا۔ اس نے ذرا دُور سامنے ایک بستی کے پاس شیشم کے درختوں کا جمگھٹا دیکھا۔ یوں لگتا تھا کہ کبھی دریا کے کنارے کنارے بڑے جنگل کو کاٹ کر کسی نے گھر بنایا اور پھر ہوتے ہوتے وہ اچھی خاصی بستی بن گئی تھی کیونکہ اس کے مغرب کی جانب ابھی بھی وہ جنگل دور تک پھیلا ہوا تھا اور شیشم کے درختوں کا یہ جھرمٹ جنوب کی جانب پھیلا ہوا تھا جو ایک لحاظ سے اسی کا حصہ لگتا

تھا۔ اس نے بہتر سمجھا کہ کچھ سستانے کے بعد پھر سے بڑے راستے کی جانب جانے والی راہ لی جائے۔

دوپہر کافی ڈھل چکی تھی مگر وہ تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد مزید چل سکتا تھا اور تب ہی وہ اپنی منزل تک جانے کے لئے کسی مشکل کے بغیر سفر جاری رکھ سکتا تھا۔ چنانچہ وہ بستـــــی سے باہر ہی ان درختوں کی چھاؤں میں ہاتھ کا سرہانہ بنا کر اور سبزے کو بچھونا جان کر لیٹ رہا۔ تھکن نے اسے بہت جلد نیند کی وادی میں لے جانے کی کوشش کی۔ وہ ایک حقیقی سکون اور اطمینان لئے سونے والا تھا۔ اسے ناکامی کا دکھ اور نہ ہی دشمن کی بڑھتی ہوئی قوت کا خوف تھا۔ قوتِ یقین سے جو سرخوشی کسی کے چہرے پر قائم رہتی ہے وہ بھی اسی کے زیر اثر تھا۔ تذبذب اور پچھتاوے کی اس کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ بڑے دنوں بعد وہ ان لمحوں کو حسین جان کر آنکھ لگا لینا چاہتا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کے ہلکے جھونکے اس کی نگاہوں کے سامنے پتوں کو ہولے ہولے ہلا رہے تھے۔ اس کی آنکھیں بند ہوتیں اور کبھی ہلکی سی کھل جاتیں یعنی اگلا لمحہ اسے دھکیل کر نیند کی ایسی وادی میں پہنچا دیتا کہ جب اس کی آنکھ کھلتی تو تاریخ بدل چکی ہوتی مگر دور اٹھنے والے شور نے اُسے اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ وہ چیتے کی طرح اٹھا اور دور اسی جانب اٹھتی ہوئی دھول نے اسے ہوشیار کر دیا۔

اس نے بلا کوئی تجزیہ کئے پہلے فوری طور پر اپنے آپ کو وہاں سے ہٹانا بہتر سمجھا

تا کہ وہاں سے گزرنے والوں میں کوئی اسے پہچان نہ لے۔ اُس کے سامنے لے دے کے بس وہی ایک بستی تھی یا اتنی ہی دور جنگل۔غازیا نے شیشم کے درختوں کی اوٹ سے ہی بھاگتے بھاگتے جنگل کا رخ کیا۔حالانکہ جنگل کا انتخاب کرنے سے پہلے اسے خیال آیا تھا کہ بستی کی طرف جائے۔یہ سوچ کر کہ جنگل میں وہ صرف مارا جاسکتا ہے لیکن پکڑے جانے پر یہ لوگ ذلیل کر کے ماریں گے تو اس نے جنگل کی راہ لے لی۔

اس کے پاس ایک لمحہ بھی زائد نہیں تھا کہ وہاں سے وہ کہیں اور جا نکلتا اور اگر بالفرض نکل ہی پڑتا تو کہاں جاتا۔یہ اسے یقین تھا کہ آنے والوں کا گروہ انہی علماء اور پیروکاروں کا ہوگا جن سے دامن بچا کر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہوگیا تھا۔اس نے تیزی سے اپنے آپ کو وہیں کہیں چھپانے کی کوشش کی۔

تاہم یہ کائنات میں کسی برتر قوت کے قوانین ہیں کہ جب کوئی کسی مقصد کو لے کر پورے یقین سے نکل کھڑا ہوتا ہے تو اس کے باطنی حواسِ خمسہ جن کی تعداد کا انسان کو علم نہیں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور نہ صرف ابھرنے والے حالات کی اسے پہلے سے آگاہی دے دیتے ہیں بلکہ اس مقصد کی جانب اس کی راہنمائی بھی کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ غازیا کو بھی محسوس ہوا تھا کہ کوئی خطرہ اس کی جانب بڑھتا آ رہا ہے۔

آنے والوں میں بہت سے بستی میں رہ گئے اور کچھ جنگل کی جانب چلے گئے۔اتنی دیر

میں غازیا جنگل کے اندر بہت زیادہ دور تک نہیں جاسکتا تھا مگر اس کی طرف سے یہ صریحاً جان بچانے کی اک اندھادھند کوشش تھی۔ اللہ کے قوانین کے مطابق زندگی کو محفوظ کرنے کی وہ صرف حجت پوری کرنا چاہتا تھا ورنہ اس کے اس یقین کو کوئی شکست نہ دے سکتا تھا کہ:

"موت وحیات کے لمحے مقرر ہو چکے ہوئے ہیں"۔

جنگل کی جانب تیزی سے جاتے جاتے ان باتوں سے غازیا کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ یادوں میں ان علماء کی باتوں سے لطف اندوز ہوتے بھاگتا رہا۔

جس جگہ وہ جنگل میں داخل ہوا وہاں صرف اونچی جھاڑیاں تھیں اور چند درخت جن کی شاخیں ذرا آگے چل کر دوسرے درختوں سے جڑی ہوئی تھیں۔ پھر یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے گھنے جنگل میں بدل گیا ہوا تھا۔ یہ جگہ ایک لحاظ سے جنگل کا مغربی کنارہ تھا جہاں دن اور رات میں فرق محسوس کیا جاسکتا تھا۔ البتہ ذرا آگے جا کر جنگل کا اپنا قانون اور اپنا وقت شروع ہو جاتا تھا۔ یعنی وہاں دن کو بھی رات کا سماں رہتا تھا۔ غازیا جنگل میں بہت آگے تک نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس کا وسوسہ سچ ثابت ہوا۔ جب کچھ دُور سے چند لوگوں کی باتیں آنا شروع ہو گئیں۔ نسوانی آواز اور اس کے تحکمانہ لہجے سے وہ پہچان گیا تھا کہ وہ آواز نیلا دیوی کی تھی۔ وہ لوگ ذرا پرے ہی رک گئے تھے کیونکہ ایک تو آنے والا ہر لمحہ شام کو لا رہا تھا

اور دوسرے یہ کہ گھنے جنگل میں تلاش کے لئے شاید وہ باقاعدہ تیاری کر کے نہیں آئے تھے جس میں روشنی اور دیگر ضروریات کا بندوبست ہوتا ہے۔ پھر انہیں یقین بھی نہیں تھا کہ جس کی وہ تلاش میں ہیں وہ جنگل میں ہی چھپا بیٹھا ہے؟ یہ ساری جدوجہد تو بس یہ دیکھنے کے لئے تھی کہ ان کا شکار کہیں جنگل کی جانب تو نہیں جا رہا تا کہ اسے راستے میں ہی گھیر لیا جائے۔

غازیا بڑی بڑی گھنی جھاڑیوں کے پیچھے سانس کو آہستہ آہستہ قابو میں رکھ کر لیٹ رہا اور ان کی باتیں سنتا رہا۔ نیلا دو آدمیوں سے بڑے کرخت لہجے سے پیش آ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ:

"تم لوگ بدنیت ہو"۔

اور ان میں سے ایک بڑی عاجزی سے یقین دلا رہا تھا کہ:

"جب ہی مجھے علم ہوا کہ وہ غازیا ہے تو میں نے اسی وقت ایک شخص کو آپ کے پاس خبر کرنے کے لئے بھیج دیا تھا"۔

وہ دونوں افراد ایک لحاظ سے اس کے سامنے گڑگڑا رہے تھے اور نیلا ان پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب ان کے چہرے اس جانب ہوئے جہاں غازیا چھپا انہیں دیکھ رہا تھا تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ دونوں ان مسلم بستیوں کے کرتا دھرتا مسلمان تھے جن کے پاس جا کر اُس نے مدد کی درخواست کی تھی۔ اب تک کی تمام مشکلات میں یہ

لمحہ اس کے لئے سوہانِ روح تھا۔ اس نے ایسے مسلمانوں سے شدتِ نفرت میں کچھ دیر تک آنکھیں بند رکھیں تا کہ اس کی نگاہ کہیں دوبارہ ان کے چہرے نہ دیکھ لے۔

اب تک شام بھی ڈھل چکی تھی۔ آگے بڑھ جانے والے لوٹ آئے تھے۔ انہوں نے آ کر اطلاع دی تھی کہ آگے جنگل تک کوئی نہیں گیا۔ نیلا نے سب کو اکٹھا کر کے حکم دیا کہ :

''وہ ساری بستی ہندوؤں کی ہے اور ہمارے جانثاروں کی ہے۔ وہاں غازیا کو کوئی پناہ نہیں دے گا۔ پھر بھی بہتر ہے آپ لوگ وہاں ہر گھر کو تلاش کر ڈالیں اور جو لوگ اس بستی کے ہیں وہ خود جا کر اطمینان کریں اس لئے کہ وہ شخص ابھی تک انہیں علاقوں میں ہے۔

نیلا ان سب کو لے کر بستی کی جانب جا چکی تھی اور بستی میں گھر گھر تلاشی شروع تھی۔ کبھی کبھی شور کے اٹھنے سے معلوم ہو رہا تھا کہ نیلا ناکام واپس جانے والی نہیں۔

غازیا مزید کچھ دیر وہاں چھپا رہنا چاہتا تھا تا کہ وہاں سے نکلنے سے پہلے مکمل اطمینان کر لے کہ کوئی بھی اِکّا دُکّا شخص ابھی تک اپنے طور پر ادھر ادھر اس کی تلاش میں تو نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس کے لئے اور بھی مشکل ہوتی۔ یعنی اگر وہ اس پر غلبہ حاصل کر بھی لیتا تو الجھے ہوئے گولی چلنے کی آواز ان سب کا رخ جنگل کی جانب کر دیتی اور اگر وہ اس کے نشانے پر آ جاتا تو نشانہ بن جاتا۔ ایک لحاظ سے عسکریت اس کی فطرت میں

داخل ہوچکی تھی اس لئے وہ ان حالات کو اپنے لئے جنگی حالات قرار دیتا تھا اور انہیں قابو میں لانے کے لئے سیاسی سے زیادہ جنگی حکمتِ عملیاں اپنا رہا تھا۔ ویسے بھی وہ اپنے نظریے کے مطابق کہ زندگی جنگی حکمتِ عملیوں سے توانائی اور نشوونما حاصل کرتی ہے" اسی لئے چھوٹے سے چھوٹے واقعہ کا وہ فوراً تجزیہ کرلیتا۔ اس کا کہنا تھا کہ:

"سیاسی حربے انسان کو چالاک، منافق اور جھوٹا بنادیتے ہیں جبکہ جنگی حربے بہادر، ذہین اور سچا بنانے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔"

مگر اس وقت اسے اپنی زندگی کو محفوظ رکھنے کا مسئلہ درپیش تھا۔ جنگل سے اٹھتی ہوئی ہر آواز پر وہ چونک جاتا اور اپنا ریوالور اس کی جانب کر دیتا مگر اس وقت تک اسے سوائے نیلا کے جانثاروں کے جنگل کی جانب سے کسی بھی درندے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اور یوں وہ ہلکی سی مسکراہٹ سے ریوالور نیچے کر دیتا۔ اسی دوران اس کے ذہن نے اچانک مستقبل کے بارے میں اک نئی حکمتِ عملی پر غور شروع کر دیا جس کا تعلق اس اچھوتوں کے سردار کی بستی سے تھا جس کے لئے اس نے جھگڑا کیا تھا۔ اس نے اچھوتوں کے اس قبیلے میں جا کر پناہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔

اب تک تو اندھیرا تھا مگر دیر سے جو چاند نکلا تو چاندنی نے بہت کچھ عیاں کر دیا۔ ویسے بھی دور دور تک کوئی بادل کا ٹکڑا تک بھی نہ تھا جو چند لمحوں کے لئے چاند کے چہرے کو میلا کر دیتا۔ رات بہر حال رات ہوتی ہے چاند کتنا بھی روشن ہو وہ سورج کے اجالوں سے شرمندہ

ہی رہتا ہے۔ اسی لئے غازیا اپنی نئی حکمتِ عملی کے تحت اس رات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ یعنی یہ کہ وہ اگلی صبح تک اس سردار کی بستی کی جانب روانہ ہو جائے جو سینکڑوں میل دور انتہائی جنوبی بھارت میں ساحل کے ساتھ ساتھ ایک سمندری قلعے کے قریب تھی۔

جب ذرا اطمینان ہوا تو غازیا نے وہیں سجدہ شکر ادا کیا اور بنے بنائے راستے سے ہٹ کر ایک ایسی پگڈنڈی پر چل دیا جو اسے رات بھر ڈھونڈتے رہنے والوں کی نگاہوں سے اوجھل رکھتی اور وہ تھوڑی دور جہاں رات کی بسیں کسی نہ کسی جانب جاتی تھیں وہاں تک پہنچ سکتا۔ اگلی شام تک وہ صندل کے درختوں کے جھرمٹ کے پاس اس سردار کے قبیلے میں پہنچ چکا تھا۔

غازیا مناظرے کے دوران فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا اور تلاش بسیار کے بعد بھی اس کا اتا پتا نہ ملا تو واپس آتے ہی نیلا نے حکم دیا کہ اس علاقے میں مسلمانوں کی جھونپڑیوں کو آگ لگا دی جائے۔ نیلا کے جانثاروں نے دونوں بستیوں والوں کو گھیر کر اسی میدان میں دوبارہ اکٹھا کر لیا تا کہ اگر کوئی اس کے بارے میں ذاتی خبر رکھتا ہو تو اس سے مزید معلوم کیا جا سکے ورنہ ان سے وہ سلوک کیا جائے جس کا حکم نیلا نے دے دیا تھا۔

جو لوگ گمراہ ہو چکے ہوتے ہیں وہ اکثر نصیحتوں اور واعظوں سے نہیں سمجھتے اور اس وقت تک درست راہ پر نہیں آتے جب تک کہ انہیں اُن کے جامد جذبوں کی شکست و ریخت سے نہ گزارا جائے۔ ایسے میں مناظرے کے بعد غیر مسلموں کے ہاتھوں گھروں کے خاکستر

ہونے سے انہیں جو سمجھ آتی وہ آپس میں دست و گریباں ہونے سے نہ آ سکتی تھی۔

اشتعال دلانے والے کی حکمتِ عملیوں کے مطابق ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگانا درست نہیں تھا۔

نیلا کا مؤقف تھا کہ:

"چالیں اور حربے استعمال کرتے رہنے سے غازیا سنبھل جائے گا اور مقابل چالیں اختیار کرے گا۔اس لئے بہتر ہے کہ یکبارگی ایکشن کیا جائے اور دور دور تک غازیا کے لئے پناہ گاہیں ختم کر دی جائیں۔ نیلا اشتعال دلانے والے عالم کی ناکامی پر سخت سیخ پا تھی۔

اس کا کہنا تھا کہ:

"جو شخص اپنے شکار کو اس وقت بھی پکڑنے میں ناکام رہے جب کہ وہ آسان ترین رسائی میں ہو تو ایسے شخص کی دانش پر بھروسا نہیں کیا جا سکتا"

اشتعال دلانے والے کا تجزیہ تھا کہ:

"ان مسلمانوں کو گرفتار کرنے سے ان کی ہمدردیاں غازیا کی طرف منتقل ہو جائیں گی۔ان کے گھروں کو آگ لگانے سے وہ آپس میں متحد ہو جائیں گے اور غازیا کے مؤقف کو درست جان کر اسے راہنما بھی تسلیم کر سکتے ہیں"۔

نیلا کا فیصلہ تھا کہ:

"اگران دونوں بستیوں سے غازیا کا سراغ نہیں ملتا تو علماء سمیت وہاں کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیا جائے تا کہ کوئی گواہ نہ رہے اور ذمہ داری شیعہ سنی علماء پر ڈالی جائے کہ مناظرے کے باعث دونوں گروہ مشتعل ہو کر خون ریز ہنگامے میں الجھ گئے اور یوں ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔"

یہ فیصلہ نیلا کے تمام ساتھیوں اور جانثاروں نے پسند کیا۔ دراصل نیلا اپنے اسی دہشت وخوف کے "تزویراتی ہتھیار" کی وجہ سے "کوسوو" میں کامیاب ہوئی تھی اور سربیا والوں سے داد حاصل کر چکی تھی۔ چنانچہ مسلمانوں کو ملیامیٹ کرنے اور ان کی بستیوں کا صفایا کرنے کے لئے انہوں نے مناظرے والے میدان کو ہی چنا تھا۔

نیلا ان بکھرے ہوؤں کو دھکیل کر ایسے مقام پر لے آئی تھی جہاں وہ بے بس تھے۔ اس کے آدمی انہیں جانوروں کی طرح ہانکتے ہوئے لئے جا رہے تھے۔ ان کی عورتیں اور بچے خود بخود ان کے پیچھے آ رہے تھے۔ سب فرقوں کے علماء اپنے اپنے مخصوص لباس میں آگے آگے چل رہے تھے۔ نیلا نے ہدایت کی تھی کہ انہیں عزت وتکریم سے رکھا جائے اور انہیں زندہ رکھا جائے اور انہیں علیحدہ علیحدہ کمروں میں ان کے اپنے اپنے فرقے کی قرآن کی تفاسیر و احادیث کا مجموعہ اور ایسی کتب مہیا کی جائیں جو صریحاً دوسرے فرقے کو باطل اور کفر ثابت کرتی تھیں۔ البتہ آخر میں ان سب کو بھی ہلاک کر دیا جائے تا کہ وہ بعد میں متحد ہو کر کہیں غازیا کا

ساتھ نہ دیں۔

نیلا نے یہ حربہ عراق کی تاریخ سے سیکھا تھا کیونکہ سقوطِ بغداد کے وقت تا تاریوں نے جب مسلمانوں کی کھوپڑیوں کے مینار بنائے تھے تو اس وقت وہ اپنے اپنے امام اور عالم کو لئے دوسرے فرقے والوں کو باطل وکافر ثابت کرر ہے تھے۔ نیلا چاہتی تھی کہ اس حربے کو زندہ و مؤثر تر کر دیا جائے۔ نہ صرف یہ بلکہ سقوطِ ڈھاکہ سے بھی اس نے یہی کچھ سیکھا تھا اور اپنی ڈائری میں اس کے بارے میں اس نے جاندار تجزیہ درج کرر کھا تھا۔ جو کچھ یوں تھا:

"نئے زمانوں میں جب کہ مسلمانوں کی نئی نسلیں اپنے اپنے فرقوں سے متنفر ہونے کے قریب ہیں اور بہت جلد وہ اپنے اپنے مذہبی عالم کے علم کو مسترد کر دیں گی تو انہیں پارہ پارہ اور ایک دوسرے سے دور رکھنے کے لئے سقوطِ ڈھاکہ سے مندرجہ ذیل اسباق سیکھنے ہوں گے:

* جس مسلم ملک میں مغربی طرز کی جمہوریت ہو اس میں دو تین ایسی سیاسی جماعتوں کو چن لینا چاہیئے جن کے راہنما مکمل طور پر ہوسِ اقتدار میں مارنے مرنے کو تیار ہوں۔ ان دونوں تینوں پارٹیوں کو بالواسطہ یا براہ راست زیادہ سے زیادہ مالی امداد بہم پہنچانی چاہیئے اور غیر ممالک کے ذرائع ابلاغ سے ان کے حق میں زیادہ سے زیادہ پراپیگنڈہ کروایا جانا چاہیئے تا کہ ان پارٹیوں کے ممبران اور ان کو چاہنے والے اپنی اپنی پارٹی کو مضبوط تر ہونے کا تأثر حاصل کرلیں اور یوں وہ جماعتیں کسی ایک راہنما کے لئے بھی متحد نہ ہو سکیں گی۔

* اگر کوئی ایک سیاسی پارٹی طاقتور اور بصیرت والا راہنما دینے میں کامیاب ہو جائے اور وہ اقتدار حاصل کر لے تو بنگلہ دیش یا الجزائر کی طرح مسلح افواج کے فیصلہ سازوں کو بالواسطہ طور پر اشتعال دلانے کے حربے استعمال کئے جائیں تاکہ سیاسی قوت اور فوجی قوت آپس میں ٹکرا ٹکرا کر عوامی مسائل میں اضافہ کا باعث بنیں اور سیاسی استحکام کہیں جڑ نہ پکڑ جائے۔

نیلا نے لکھا تھا کہ:

''سائنس اور ٹیکنالوجی کے اس دور میں جب کہ مسلمان مذہب سے زیادہ سیاسی اور معاشی ذہنیتوں کے مالک ہو کر نتیجے کے طور پر خود بخود دکٹر سیکولر ہو چکے ہوئے ہیں تو ان کا شکار مندرجہ ذیل طریقے سے آسانی سے کیا جا سکتا ہے:

* ''جو سیاسی پارٹی مدِ مقابل پارٹیوں کو شکست دے کر اقتدار میں آئے تو اس کے پارلیمنٹ کے ممبران کو قومی سطح کے مختلف منصوبوں میں شامل کروا کے زیادہ سے زیادہ دولت اور اقتدار اکٹھا کرنے کی جانب راغب کروا دیا جانا چاہیئے تاکہ اندرونی طور پر لوٹ کھسوٹ کا عمل جاری ہو سکے اور مشتعل ہو کر عوام اور محرومِ اقتدار سیاسی جماعتیں مسلح افواج کو دعوتِ اقتدار دیں اور جب وہ اقتدار میں آ جائیں تو خوشامدیوں کو ان میں شامل کروا کر لوٹ کھسوٹ کا نظام نئی طرز پر متعارف کروا دیا جائے۔''

یہ ماننا پڑے گا کہ نیلا دیوی تاریخی حقائق سے نتائج اور اسباق حاصل کرنے میں زیرک

ثابت ہوئی تھی اور بھارت کو ان حالات میں اس سے بہتر شخصیت کا ملنا مشکل تھا کیونکہ کٹر ہندو گروہ کا سربراہ مسلم دشمنی میں یکتا تو تھا لیکن اس بصیرت سے محروم تھا جو نیلا کو حاصل تھی۔ نیلا کے تجزیات برابر ''را'' کے پاس محفوظ تھے اور بدلتے ہوئے حالات میں اندرونی اور بیرونی مسائل کے بارے میں کئی بار نیلا سے ہی مشورہ کیا جاتا تھا اور اس کی تجاویز کو خاص اہمیت دے کر علیحدہ علیحدہ محفوظ کر لیا جاتا تھا۔

اشتعال دلانے والے نے نیلا کو بتلایا تھا کہ:

اس کے تجزیات کسی بھی اور ملک سے زیادہ پاکستان کی قومی زندگی پر زیادہ منطبق ہوتے ہیں لیکن اس نے اس کی رائے کو چنداں اہمیت نہ دی تھی کیونکہ وہ سمجھتی تھی کہ پاکستان سیاسی اور معاشی طور پر غیر مستحکم ہو کر اس دور کے ایسے راہنماؤں کے ہاتھ آ چکا تھا جو اپنی کمزور پالیسوں کی وجہ سے اسے مزید غیر مستحکم کر رہے تھے۔ البتہ ایک اہم چال جو اس نے ''را'' کے مرکزی دفتر کے خفیہ ترین ریکارڈ میں جمع کروا رکھی تھی وہ بہت ہی دلچسپ اور اہم تھی۔ وہ تجویز یوں تھی کہ:۔

* ''بھارت میں جب بھی مسلمانوں سمیت کسی بھی اقلیت کے خلاف کوئی قدم اٹھایا جائے تو اس سے پہلے یا اس کے فوری بعد پاکستان میں موجود ہندوؤں یا عیسائیوں کی بستیوں میں را کے ایجنٹوں کے ہاتھوں تشدد یا دھماکے کروائے جائیں یا آگ لگوائی جائے اور بیرونی ذرائع ابلاغ

کو زیادہ سے زیادہ مالی فوائد دے کر پاکستان کے خلاف پراپیگنڈہ کروایا جائے اور اس کے پردے پردے میں بھارت کی اقلیتوں کا صفایا کیا جائے"۔

جو مسلمان ہانکے جا رہے تھے وہ اتنے مفلوک حال تھے کہ ان کے ذرائع آمدنی کوئی نہیں رہ گئے تھے اس لئے وہ بمشکل جھونپڑی نما گھر ہی بنا پائے تھے۔ ان کے بچے اور عورتیں ننگے پاؤں اور چیتھڑوں میں ہوتی تھیں۔ وہ دور و نزدیک کے ہندوؤں اور غیر مسلم گھرانوں میں شودر اور اچھوت کے طور پر کام کر کے اپنا گزارہ کرتے تھے۔ نیلا ان پر یہ ظلم نہ بھی کرتی تو وہ پہلے ہی عذاب میں گزر رہے تھے لیکن یہ بھی قانون ہے کہ ایک عذاب دوسرے عذاب کو جنم دیتا ہے اور عقل کو استعمال نہ کرنا یا عقل کا غلط استعمال کرنا بذاتِ خود بڑے عذاب کو پیدا کرتا ہے۔ نیلا دیوی خود موقع پر پہنچ چکی تھی اور اس کی نگاہوں میں ان بے آسرا مسلمانوں کا وجود ناقابل برداشت تھا۔ اس نے حکم دیا کہ پہلے ان لوگوں کے گھروں کو آگ لگا دی جائے چنانچہ جب آگ لگائی گئی تو کئی بچے ہاتھ چھڑا کر اپنے کھلونے نکالنے کے لئے گھروں کی طرف بھاگے مگر جلس کر پیچھے آپڑے۔ کئی اونچی اونچی رو رہے تھے۔ جن ماؤں سے یہ منظر نہ دیکھا جا رہا تھا وہ بھی رونے لگ گئیں۔ کئی کمزور دل مرد بھی روتے رہے۔

ایک فرقے کے عالم نے اپنے فرقے والوں کو مخاطب ہو کر کہا:

بھائیو!

ہم تاریخی طور پر ایسے مظالم سہتے آئے ہیں اور تم ان کے نقشِ قدم پر چلو جن سے تمہیں عقیدت ہے اور جنہوں نے ظلم کے نتیجے میں صبر سے کام لیا تھا۔ صبر اور استقامت سے کام لو۔ مومنوں کے لئے شرمندگی کا باعث نہ بنو"۔

دوسرے عالم نے مشتعل ہو کر بلند آواز میں اپنے فرقے والوں کو للکارا:

عزیزو!

یہ وقت کسی لعین و زندیق کی باتوں سے مشتعل ہونے کا نہیں ہے بلکہ بہادری سے مشکلات کو جھیلنے کا وقت ہے۔ گھر دوبارہ بن سکتے ہیں۔ لیکن اگر تم گھبرا کر اپنے فرقے کے عقیدے سے اکھڑ گئے تو اس سے بڑی آگ جہنم میں تمہارا انتظار کرے گی"۔ نیلا اس منظر سے لطف اندوز ہو رہی تھی اس لئے اس نے آگ لگانے کے بعد ان لوگوں کو فوری طور پر ہلاک کرنے کے ارادے کو ملتوی کر دیا۔ تاہم اس نے انہیں سخت لہجے میں وارننگ دی کہ:

تم سب کو غازیا کے بارے میں بتلانا ہوگا کہ وہ کہاں پناہ لے سکتا ہے ورنہ پہلے مرحلے میں تمہارے بچوں کو تمہارے سامنے قتل کر دیا جائے گا۔"

نیلا کے جو آدمی ان مسلمانوں کو ذلیل کر رہے تھے وہ تعداد میں تقریباً نو دس تھے مگر مسلح تھے جبکہ

جنہیں اکھٹا کر کے ایک جگہ جمع کر لیا گیا تھا وہ تعداد میں سینکڑوں تھے مگر انہیں غیر مسلح کر لیا گیا ہوا تھا۔عورتیں اور بچے ان کے علاوہ تھے۔

جب سب کو باندھ دیا گیا تو نیلا نے انہیں پوچھا تھا کہ:

"تم سب کسی فرقے والے ہو"

ان میں سے ایک نے بتلایا تھا کہ:

ہماری بستی میں سنی' شیعہ' وہابی' پرویزی' دیوبندی' بریلوی اور کچھ تصوف والے ہیں جو نماز روزے وغیرہ کو اہمیت نہیں دیتے اور ان کا اپنا گروہ اور مذہبی راہنما ہے۔تب اس نے حکم دیا کہ:

ہر عالم اپنے اپنے فرقے والوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے اپنے اپنے پیچھے کھڑا کر لے۔ چنانچہ آن کی آن میں وہ سب اپنے اپنے بچوں سمیت اپنے اپنے عالم کے پیچھے جا کھڑے ہوئے۔

نیلا نے حکم دیا کہ عورتوں سمیت سب کے ہاتھ پچھلی جانب باندھ دیئے جائیں البتہ بچوں کو علیحدہ کر لیا گیا۔

اس نے جب یہ طریقہ اپنایا تو صاف نظر آ رہا تھا کہ اب وہ بچوں کے سامنے ان سب کو قتل کروا دے گی۔ جن لوگوں کے ہاتھ نہیں باندھے گئے تھے وہ صرف علماءِ کرام تھے۔نیلا نے

انہیں بتلایا کہ وہ مسلمانوں کے علماء سمیت دنیا کے ہر مذہب کے علماء کا احترام کرتی ہے۔
ایک عالم نے اپنے پیروکاروں کی نیلا سے سفارش کرتے ہوئے کہا:
معزز دیوی!
ہمارے فرقے والوں نے تو غازیا کو کافر قرار دیا تھا اور اسے زخمی کرنے میں ہمارے فرقے والے ہی پیش پیش تھے اس لئے ہم اسے کیسے پناہ دے سکتے ہیں چنانچہ آپ ہم پر رحم فرمائیں اور ہمارے لوگوں کو آزاد کردیں۔"
ابھی وہ بات مکمل بھی نہ کرپایا تھا کہ دوسرے عالم نے اونچی آواز میں کہا:
معزز ومکرم دیوی!
"یہ شخص مبالغے سے کام لے رہا ہے۔ دراصل اسے پہلا پتھر ہمارے فرقے والوں نے مارا تھا اور اسے مار مار کر بے ہوش ہمارے فرقے والوں نے کیا تھا۔ ہم اپنی فلاں ہستی کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ ہم اسے کسی بھی طرح پناہ نہیں دے سکتے اور نہ ہی ہمیں علم ہے کہ وہ کس جگہ چھپا بیٹھا ہے"
دیگر دو عالموں نے بھی اسی طرح کی یقین دہانی کروا کر اپنے پیروکاروں کے لئے رحم کی بھیک مانگی۔ مگر نیلا ان کے خوف زدہ چہروں کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتی رہی۔ کئی بچے بھاگ کر اپنی ماؤں سے لپٹنا چاہتے تھے مگر ایک مسلح فرد نے انہیں مار مار کر خوف

زدہ کردیا ہوا تھا اور وہ سسکتے سہمے ہوئے خوف زدہ بیٹھے حسرت بھری نگاہوں سے اپنی ماؤں کو دیکھ رہے تھے۔ یہ بڑا دلدوز منظر تھا۔

نیلا نے اپنے آدمیوں کے ذریعے ان سے بار بار پوچھا کہ غازیا کے بارے میں اتا پتا دیا جائے ورنہ چند لمحوں میں سب کو ہلاک کر دیا جائے گا۔ کیونکہ کسی کو کوئی علم ہی نہیں تھا اس لئے کوئی کیا بتلاتا۔ نیلا نے کہا:

تم میں صرف ایک فرقے والوں کو چھوڑ کر باقیوں کو ہلاک کرنا ضروری ہے تاکہ یہاں کے تمام مسلمانوں کو خبر ہو جائے کہ غازیا کو پناہ دینے کا مطلب ایسی ہی بربادی کو دعوت دینا ہوگا۔"

یہ اعلان سنتے ہی ہر فرقے والا دعائیں مانگنے لگا کہ جس کی جاں بخشی کی جائے وہ صرف اسی کا فرقہ ہو۔ علماء کو تو بہر حال یقین تھا کہ انہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔

اس لئے وہ بہت زیادہ پریشان نہیں تھے۔ انہیں اس بات کا دکھ ضرور تھا کہ ان کے وہاں کے پیروکار ہلاک ہو جائیں گے تاہم وہ اسے اللہ کی رضا ہی سمجھتے تھے اور ویسے بھی بھارت میں مسلمانوں کے قتلِ عام کی آئے دن کی خبروں کے وہ عادی ہو چکے تھے۔ البتہ وہ اس بات سے متفکر تھے کہ یوں ہلاک ہو جانے سے ان کے پیروکارں کی تعداد میں کمی آ جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے نیلا دیوی سے اپنے اپنے فرقے والوں کے بچوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنے کی درخواست کی تاکہ وہ انہیں اپنے اپنے مدرسے میں لے جا سکیں اور ان کو وہیں پر تعلیم و

تربیت دیں۔اس درخواست کو نیلا نے قبول کرلیا۔

نیلا دیوی نے بندوق بردار آدمیوں کو حکم دیا کہ ایک ایک شخص کو باہر نکال کر گولی مارنی شروع کی جائے۔جب پہلی قطار سے پہلے والے شخص کو گولی مارنے کے لئے نکالا گیا تو دوسری قطار والے خوش ہوئے کیونکہ انہیں امید تھی کہ انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔پہلی قطار والا عالم تو یوں بھی خاموش رہا کیونکہ اسے ہلاک نہیں کیا جانا تھا مگر دوسرے علماء خاموش بھی رہے اور خوش بھی ہوئے کیونکہ ابھی تک بہرحال جس فرقے والوں کی باری آئی تھی ان سے وہ بہت زیادہ نفرت کرتے تھے۔

نیلا دیوی اب مزید محظوظ ہونے کے لئے سامنے اونچی جگہ پر بیٹھ گئی۔جسے ہلاک کیا جانا تھا اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اس کے ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ اس کی بیوی کی چیخیں نکل رہی تھیں اور بچہ بھی دھاڑیں مار رہا تھا۔اس نے نیلا دیوی کو کانپتی آواز میں فریاد کی کہ:

"مجھے ہلاک کرنے کے بعد فلاں فرقے والا بھی ضرور ہلاک کیا جائے۔"

نیلا کو اس کی یہ بات پسند آئی اور اس نے اسے بھی باہر لانے کا حکم دیا۔

اس کے بعد نیلا نے مندرجہ ذیل احکامات دیئے جن پر فوری عمل کیا گیا:

"* دونوں بستیوں کے تمام بچوں کو ان کے اپنے اپنے فرقے والے مدرسوں میں علیحدہ

علیحدہ داخل کروا دیا جائے تاکہ وہ جید عالم بن سکیں۔

* دونوں بستیوں کے شیعہ سُنی سمیت تمام فرقوں والے افراد کو ہلاک کر دیا جائے کیونکہ ان کی ہمدردیاں کسی وقت بھی غازیا کے ساتھ ہو سکتی ہیں اور تب اس وقت ہم ان پر قابو نہیں پا سکیں گے چنانچہ ان سب کو ایک ایک کر کے قتل کر دیا گیا۔

* ان علماء سے ہم نے جتنا کام لینا تھا وہ لے لیا اب یہ ہمارے لئے اعتماد کے قابل نہیں رہے۔ کسی وقت بھی وہ غازیا کے ساتھ مل کر ہمارے خلاف ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا انہیں بھی گولی سے اڑا دیا جائے۔'' چنانچہ ان تمام کو ہلاک کر دیا گیا۔

اگلے دن کی اخباروں نے اتنے لوگوں کی ہلاکت پر جوشہ سرخیاں لگائیں۔ اُن سب کے الفاظ مختلف تھے مگر بات ایک ہی تھی کہ:

''مسلمانوں کی فلاں فلاں بستیوں میں فرقہ بازی کی بنیاد پر وسیع پیمانے پر ہلاکتیں۔ شیعہ اور سنی فرقوں والوں نے دل کھول کر ایک دوسرے کا قتلِ عام کیا یہاں تک کہ ان کے علماء بھی مارے گئے''۔

نیلا کے ظلم کے بارے میں کسی اخبار نے کچھ بھی نہ لکھا تھا۔ ہو سکتا ہے یہ سرکاری پالیسی ہو یا ممکن ہے اخباروں والوں نے انتہا پسندوں سے گھبرا کر خبر کو اس طرح چھاپا جیسا کہ انہوں نے کہا تھا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ انہیں سچائی کا علم ہی نہ ہو۔

دلچسپ بات یہ تھی کہ نیلا نے اس خوں ریزی کے لئے محرم کی ان تاریخوں کو چنا تھا جن میں شیعہ اور سنیوں کے درمیان خون ریز معرکے پڑتے ہیں۔ اسی وجہ سے کسی نے بھی اس خبر کا نوٹس نہ لیا۔ یہاں تک کہ پاکستانی اخباروں نے بھی اس واقعہ پر بڑی بڑی سرخیاں لگائیں لیکن یہ وہی تھیں جو بھارتی اخباروں نے لگائی تھیں۔ ان میں سے بھی کسی نے نہ لکھا کہ اتنی ہلاکتوں کی باقاعدہ عدالت سے انکوائری کروائی جائے تاکہ ان کے پیچھے اصل ہاتھ کا پتہ چل سکے۔

دو چار روز ہو گئے تھے اور غازیا کافی سنبھل چکا تھا۔ اچھوتوں کے سردار نے ایک شام برادری والوں کو اکٹھا کر کے کہا:

"تمہیں یاد ہے کہ میں تمہیں بتلاتا تھا کہ ایک نوجوان بڑی دانش کی باتیں کرتا تھا۔ دراصل وہ نوجوان یہ ہے جو میرا مہمان ہے۔ اگر آپ سب اس سے ملنا چاہتے ہیں تو میں اس سے درخواست کرتا ہوں وہ آپ میں آجائے گا اور آپ اگر کوئی مسئلہ اس سے حل کروانا چاہیں تو بات کر سکتے ہیں۔ وہ ہے تو نوجوان مگر ہمارے پرکھوں سے بھی زیادہ عقل رکھتا ہے۔"

لوگ جب اکٹھے ہو گئے تو غازیا بھی ان کے درمیان آ گیا۔ سب لوگ تجسس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ ایک عورت نے اپنے دودھ پیتے بچے پر چادر ڈالتے ہوئے کہا:

"یہ تو شکل سے کوئی مسلمان لگتا ہے"۔

ایک دوسری نے کہا:

"ایسا حلیہ کئی اوروں کا بھی ہوتا ہے"؟

پہلے والی نے کہا:

"مگر نظریں اتنی باحیا اور پاکیزہ نہیں ہوتیں"۔

دوسری نے کہا:

"مگر یہ اپنی اپنی نیت اور سوچ کی بات ہے۔ جو جیسی نیت رکھتی ہے اسے دوسرے مرد بھی ویسے ہی نظر آتے ہیں"۔

پہلی نے کہا:

"لیکن پتھر کو پتھر اور پھول کو پھول کہنا پڑتا ہے چاہے نیت کچھ بھی ہو"۔

دوسری نے کہا:

"تم بچے کو دودھ پلا رہی ہو کہ عقل پلا رہی ہو۔ ہم تمہاری باتیں روز سنتے رہتے ہیں۔ مہربانی سے اب ہمیں اس کی باتیں بھی سننے دو"۔ پہلی والی دوسری کی تلخی دیکھ کر چپ ہو رہی"۔

جب سب اطمینان سے بیٹھ گئے تو اچھوتوں کے سردار نے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

"تم پہلے کوئی بات اس سے پوچھو گے یا یہ کوئی اپنی بات شروع کرے"۔

کچھ دیر تک سب چپ ہو رہے۔البتہ سردار نے کہا کہ:

"غازیا نے مجھے پوچھا تھا کہ ہمارے قبیلے کا مذہب کونسا ہے تو میں نے اسے اس وقت بتلایا تھا کہ ہم لوگ ہندوا چھوت ہیں مگر اس نے اس وقت بڑی دلیری سے میری مدد کی تھی۔

اب میں اسے بتلاتا ہوں:

"کہ ہم صدیوں سے در بدر ہیں"۔

غازیا کا خیال تھا کہ:

"صدیوں کی در بدری نے ان سے ذہنی اور روحانی بالیدگی چھین لی ہوگی اور وہ صرف انسانی شکل میں ایک مخلوق ہیں لیکن وہ حیران تھا کہ ان کے پاس انسان کی بہترین قدر مہمان نوازی جیسی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بے دین ہونے کے باوجود ان سینکڑوں مسلمانوں سے زیادہ افضل تھے۔جنھوں نے اسے مناظرے میں بلا کر اس کی بات سننے سے انکار کر دیا تھا۔"

وہ اس بات پر بھی حیران تھا کہ:

"یہ لوگ بالکل تعلیم ودین سے ناآشنا تھے مگر جانتے تھے کہ عقل کی باتیں جہالت کی باتوں سے مختلف ہوتی ہیں اور وہ اسے سننے کے لئے اکھٹے ہو گئے تھے۔ وہ جی بھر کر اسے

سننا چاہتے تھے۔وہ اس پر بھی حیران تھا کہ:

"اچھی بات سننے کے آداب انہیں کس نے سکھائے تھے کیونکہ وہ بڑے با ادب ہوکر اس کے سامنے بیٹھے تھے۔"

یہ سوچتے سوچتے غازیا نے انہیں یوں مخاطب کیا:

میرے عزیزو!

"پہلے یہ بتلاؤ کہ محبت سے گفتگو سننے کا یہ قرینہ تم نے کہاں سے حاصل کیا ہے"۔

سردار نے کہا:

"ایک بار ہمارا ڈیرا فلاں بستی کے پاس رکا جو کہ مسلمانوں کی تھی۔وہاں ایک گھرانہ بڑا سخی تھا۔ انہوں نے مل کر ہماری مدد کی تھی۔اس وقت ہم پر ایک بڑی بپتا پڑی ہوئی تھی۔ہم نے اس گھرانے میں دیکھا تھا کہ ایک بزرگ ایک جگہ پر بیٹھا گفتگو کررہا تھا اور اس کے سامنے مرد اور عورتیں بڑے ادب سے بیٹھے اسے سن رہے تھے۔ہمیں وہ طریقہ اچھا لگا چنانچہ اس کے بعد ہم میں کوئی برادری اکٹھی کرکے بات کرنے لگتا ہے تو ہم وہی انداز اختیار کرتے ہیں"۔

غازیا نے پوچھا:

"اور کیا سیکھا"؟

سردار نے کہا:

اگلی بار چند سالوں کے بعد جب ہم وہاں سے گزرے تو وہ گھرانہ وہاں نہیں تھا ورنہ آتے جاتے شاید کچھ اور ہم سیکھ لیتے۔لیکن وہ لوگ وہ بستی چھوڑ کر کیوں چلے گئے اس کا ہمیں آج تک علم نہیں ہو سکا۔ سچی بات ہے کہ ہم ان لوگوں کے چلے جانے پر بڑا روئے تھے۔ہم جگہ جگہ پھرنے والے لوگ ہیں۔باقی بستی تو وہیں تھی مگر ہمارے لئے سونی تھی۔"

غازیا نے انہیں مخاطب ہو کر کہا:

بہنوں اور بھائیو!

"تم لوگ اتنے دانشمند ہو کہ تمہارے سامنے کوئی بھی عقل کی بات بڑی بات نہیں ہو گی کیونکہ تم صرف دیکھ کر ہی قرینے سیکھ جاتے ہو اور یہی فرق ہے دانش سے جینے والوں اور جہالت سے زندہ رہنے والوں میں اور سنو کہ:

"میرا نام غازیا ہے۔میں کبھی کٹر ہندو تھا اب مسلمان ہو چکا ہوں۔مسلمان سوچ کر اور سمجھ کر ہوا ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے۔"

پہلی عورت نے آہستہ سے کہا:

"دیکھا میں نے کہا تھا یہ مسلمان لگتا ہے۔"

دوسری نے کہا:

”چپ رہو اور کچھ سننے دو“

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:

”اگر میں تمہارے پاس نہ آتا تو آپ مجھے سننے کے پابند نہیں تھے اور میں آپ کو سنانے کا پابند نہیں تھا مگر میں جس دین میں داخل ہو چکا ہوں اس کا حکم ہے کہ اللہ کا پیغام سنا دو لیکن کسی کو ماننے پر مجبور نہ کرو۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں اللہ کا پیغام تمہیں سنا دوں مگر آپ اسے تسلیم کرنے کے پابند نہیں ہیں“۔

سردار نے کہا:

”ہمیں کئی مذاہب کے لوگ آ آ کر اپنا پیغام سناتے رہتے ہیں۔ ہم دل تنگ نہیں کرتے اور سب کو سنتے ہیں۔ البتہ ہمارے مرد اور عورتیں ان سے بہت کچھ پوچھتے ہیں اور جواب میں وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔ ان سے پوچھ پوچھ کر ہمارے بعض لوگ بعض باتیں سیکھ گئے ہیں لیکن وہ کوئی مذہب ماننے کو تیار نہیں۔ ایک بار تمہارے مسلمانوں کی بھی ایک جماعت آئی تھی مگر وہ اپنے حلیوں اور طریقوں سے ہی عجیب سی لگتی تھی جس کی وجہ سے ہمارے لوگوں نے سننا گوارا نہ کیا اور وہ آپس میں اونچی آواز میں ہمیں سنانے کے لئے وعظ و تلقین کر کے چلے گئے۔ البتہ جاتے ہوئے ایک شخص کہ جس کی بہت زیادہ لمبی داڑھی تھی وہ ہماری جانب رخ کر کے کہہ گیا تھا کہ ”اگر تم مسلمان نہ

ہوئے تو اگلے جہان میں بڑی مار پڑے گی اور تم الٹے لٹکا دیئے جاؤ گے"
"شروع میں تو ہم اس کی بات سے ڈرے تھے لیکن بعد میں دیگر مذاہب والے آئے تو انہوں نے اس سے بھی زیادہ ڈرایا۔ تب آہستہ آہستہ ہمارا ڈر ختم ہو گیا اور اب جو بھی کچھ کہتا ہے ہم سن لیتے ہیں اور اسے کچھ نہیں کہتے۔"
پہلی عورت اپنے بچے کو سنبھالتے ہوئے کھڑی ہوئی اور اس نے کہا:

سردار!
"مگر یہ شخص خود ہندو سے مسلمان ہوا ہے۔ اس لئے اس کی بات یقیناً مختلف ہو گی اور اس سے وہ سوالات پوچھنا اچھا رہے گا جس کے بارے میں دوسرے لوگ ہمیں جنگلی، اُجڈ، آوارہ، جانور اور بے عقل کہہ کر چلے جاتے ہیں۔"
ایک اور شخص نے کہا:
"اس کی یہ بات بھی اچھی لگی ہے کہ اللہ کا پیغام سن کر اسے تسلیم کرنے کی پابندی نہیں اور بقول اس کے یہ بھی اس کے اللہ کا ہی حکم ہے۔ اس لحاظ سے ہماری آزادی پر کوئی حرف نہیں آتا اور نہ ماننا کوئی جرم بھی نہیں۔"
غازیا ان کی باتیں سن کر محظوظ ہونے لگا۔ اسے ان کی دانش یونان کے سوفسطائیوں کی دانش سے ملتی جلتی محسوس ہونے لگی۔

دوسری عورت نے کہا:

"مگر ہم اسے موقع دینے کی بجائے خود ہی گفتگو کرنے چلے ہیں۔اس لحاظ سے یہ شخص ہمارے قبیلے کے بارے میں کیا نتیجہ اخذ کرے گا"۔

اچھوتوں کے سردار نے پھر کہا:

بہنوں اور بھائیو!

پہلے اسے بات کرنے دی جائے یا آپ مزید کچھ پوچھنا چاہیں گے۔ پیچھے بیٹھے ہوئے افراد نے کہا:

"مہمان ہی بات کرے تو بہت ہے۔ہم نے کیا بات کرنی ہے!"

غازیا نے پھر ہلکی اور پاکیزہ سی مسکراہٹ سے بات شروع کی۔

اس نے کہا:

محترم انسانوں!

"ہر انسان کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی پسند کی زندگی گزارے۔لیکن یہ ہر لحاظ سے جانوروں سے بہتر ہونی چاہیئے ورنہ وہ دوسرے انسانوں کی دنیا میں فساد کا باعث بنے گی اور اس طرح قتل و غارت اور ظلم و درندگی شروع ہو جائے گی اور تب انسان خود بھی جانوروں میں شمار ہو جائیں گے اور جس کے ہاتھ جو آئے گا وہ اسے چھین لے گا اور لوٹ لے گا اور اس

طرح انسان امن واطمینان اور مسرتوں کے حسن سے محروم ہو جائیں گے۔"

دوستو!

"یہ آ گاہی میں نے قرآن سے حاصل کی ہے۔ اور یہ آ گاہی صرف قرآن ہی دے سکتا ہے کیونکہ یہ اللہ کی وحی ہے۔"

لوگ اک دم غازیا کی جانب ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگے کیونکہ یہ بہت ہی سادہ الفاظ تھے جو اس کی زبان سے نکلتے ہی لوگوں کے دلوں میں اتر گئے۔ درمیان میں بیٹھے ہوئے ایک اچھوت نے کہا:

"اچھی بات کی ہے"!

ساتھ والے نے کہا:

"آرام سے بیٹھو اور ہمیں مزید سننے دو"۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

میرے عزیزو!

"یہ زندگی اس قدر حسن اور اطمینان سے مالا مال ہے کہ اگر ہر لمحہ اس حسن کو سمیٹتے رہو تو یہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ زندگی کا مقصد بے گھر ہو کر در بدر پھرتے رہنا نہیں بلکہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر اک بستی بنا کر اس میں وہ قوانین نافذ کرنا ہے جن کی آ گاہی قرآن نے دی

ہے یعنی دکھ درد بانٹنے کی خاطر:

''ایک سب کے لئے اور سب ایک کے لئے'' اور قرآن کے یہ قوانین کسی فرد کو 'غریب' بے آسرا اور بے علم' نہیں رہنے دیتے کیونکہ اس بستـــــی میں کسی ایک فرد کا بے ذرائع ہو کر جینا بستی کے حکمران کو جہنم کے قابل بنا دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔''

اچھوتوں کی عورتیں بہت زیادہ محنت کے باوجود پیسے پیسے کو ترستی تھیں اور ان لوگوں کو حسرت سے دیکھا کرتی تھیں جن کے پاس وافر ذرائع ہوتے تھے اور وہ خود ان کے مقابل بالکل ہی نادار اور غریب رہتیں۔ انہیں ''بے ذرائع'' والی بات ہی پیاری لگی۔ ایک لمحے کے لئے انہیں لگا کہ ان کے دن بدل گئے ہیں۔ اس سرخوشی میں ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہہ دیا کہ:

میرے ویر!

غریبوں والی بات پھر سے کہو اور بے ذرائع والی بات بھی پھر سے کہو۔

اس کے شوہر نے تلخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:

مت بولو اور اپنا پردہ رکھو!

غازیا نے کہا:

معزز لوگو!

"قرآن صرف اسے ہی آخرت کی حسین زندگی کی بشارت دیتا ہے جو یہ زندگی حسین گزار کر جائے اور یہاں کی حسین زندگی یہ ہے کہ وہ خود بھی اللہ کی نعمتوں سے محروم نہ رہے اور ساتھ والے دوسرے کو بھی محروم نہ رہنے دے اور اس کی ذمہ داری بستی کے حکمران پر آتی ہے ورنہ اس کی تمام عبادات غارت جاتی ہیں اور وہ سیدھا جہنم میں پھینک دیا جاتا ہے اور یہ ہے جس کی آگاہی میں نے قرآن سے حاصل کی ہے"۔

ان میں وہ جو جوانی میں بھی بہت ہی نادار تھے اور اب محنت و مزدوری کے بھی قابل نہ رہے تھے اور اب انہیں پوچھنے والا کوئی نہ ہوتا تھا وہ نیچے سر کئے ہوئے رونے لگ گئے۔ انہوں نے سوچا ایسی کونسی اور کب بستی بنے گی کہ ان کی سنی جائے گی۔ ایک نے اپنے آنسو پونچھ کر کپکپاتے ہونٹوں سے کہا:

غازیا!

"تم اپنے اللہ کی نعمتوں کی باتیں نہ کرو۔ کوئی اور بات کرو۔ ہمیں خبر نہیں ہے کہ نعمتیں کیا ہوتی ہیں۔ ہم تو صرف موت کے انتظار میں جیئے جاتے ہیں"۔

اس کے کپکپاتے ہونٹ دیکھ کر غازیا کا دل بھر آیا۔ اس نے کہا:

میرے بزرگو!

"اللہ کی نعمتوں کی صرف انہیں خبر ہے اور ان کے لئے ہیں جنہیں اللہ کے قوانین کی خبر

ہے اور وہ ان کو اپنا لیتے ہیں"۔

بزرگ اچھوت نے کہا:

غازیا!

"تمہاری یہ بات بھی عقل والی ہے"

بیٹھے ہوئے لوگوں کو جیسے کوئی گم شدہ سی چیز کا سراغ مل رہا ہو وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے مگر باتیں ان کے ہونٹوں پر آ کر رہ جاتی تھیں ایک عورت نے کھڑے ہو کر کہا:

غازیا!

"جس بستـــی کی تم بات کر رہے ہو اس میں بے گھر والوں اور در بدر پھرنے والوں کو کیا سمجھا جاتا ہے۔ انہیں بڑی ذات والے کیا مقام دیتے ہیں۔ کیا انہیں وہاں عزت ملتی ہے او رانہیں بیٹھنے کے لئے چارپائی یا کرسی دی جاتی ہے۔ کیا انہیں بڑی ذات والے قرآن پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں اور کیا کوئی غریب ترین بھی مسجد میں جا کر نماز پڑھ سکتا ہے اور کیا عید پر ٹھوکر زدہ بے روزگار کے بچوں کو نئے کپڑے نہ پہننے پر طعنے تو نہیں ملتے اور کیا سکول میں ہم جیسوں کے بچے بھی داخل کر لئے جاتے ہیں اور کیا اسی بستی میں کسی بے گناہ و کم تر پر اگر جھوٹا مقدمہ بن جائے تو وہاں کی عدالت اس کی بات پر یقین کر لیتی ہے او رکیا وہ بھی اس کی عدالت میں بغیر پیسوں اور فیس کے اپنی بات پیش کر سکتا ہے اور جج اسے بھی

انصاف دیتا ہے اور انسان سمجھتا ہے یا اسے دھکے دے کر عدالت سے نکال دیا جاتا ہے۔
اس بستی میں اگر کوئی بیوہ ہو جائے تو اسے زندہ تو نہیں جلایا جاتا یا بچوں کو قتل کر کے رزق کی کمی کی وجہ سے دفن تو نہیں کر دیا جاتا۔"

اور غازیا!

یہ بھی بتاؤ کہ:

جو بے سہارا ہوتے ہیں اور بیمار ہو جاتے ہیں تو وہاں کے ڈاکٹر انہیں رسوا تو نہیں کرتے ہیں اور یہ بھی بتاؤ کہ اس بستی میں پولیس آ کر ہر روز دوسروں کے جرائم بے سہاروں پر تو نہیں ڈال دیتی اور یہ بھی بتلاؤ کہ جب کوئی بے آسرا مر جاتا ہے تو کیا اس پر رونے کی اجازت ہوتی ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ بچے اور عورتیں اگر اغوا ہو جائیں تو اس کی ذمہ داری کس پر ہوتی ہے اور اسے کون سزا دے سکتا ہے۔

مہربانی سے آپ ہمیں بتلائیں کہ اللہ کے قوانین ایسے میں ان بستی والوں کی کیا مدد کرتے ہیں؟"

جب تک وہ عورت بولتی رہی مجمع پر ہُو کا عالم طاری رہا۔ لوگ دم بخود بیٹھے رہے۔ سب اس کی طرف دیکھتے رہے۔ وہ عورت بے گھر اور در بدر پھرنے والی نہیں لگ رہی تھی۔ وہ تسلسل سے دل کے چھالے دکھا رہی تھی۔ دراصل یہ سب کچھ ان کے ساتھ گزرتا تھا مگر وہ آنسو پی کر

سو جاتے تھے۔ اس سے پہلے جب مختلف مذاہب والے آتے تو انہیں اپنے اپنے مذہب میں داخل ہونے کی دعوت دے کر چلے جاتے مگر کوئی بھی ان کے درد کی بات نہ کرتا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ غازیا نے وہی نغمہ چھیڑا تھا جو دل کے تاروں سے نکلتا ہے اور روح کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے۔ اس عورت نے جو کچھ کہا تھا وہ دراصل ان سب کی آواز تھی۔لیکن وہ کیسے سناتے۔ وہ کیسے بتاتے کہ ہم دربدر والے کیا کریں۔ وہ کسے راہنما مانتے۔ دنیا کے پادریوں، واعظین ذاکرین، سکالروں، فیصلہ سازوں پنڈتوں تک ان کی رسائی نہیں تھی۔اس لئے کہ وہ راندہ درگاہ تھے۔وہ صرف جسمانی مزدوری کر سکتے تھے۔ان کی عورتیں بھی مزدوری کرتیں۔ وہ اینٹوں پتھروں کو سروں پر اٹھائے اپنے بچوں کو چھاتیوں سے لگائے چلتی رہتیں۔ کسی کو ان پر ترس ہی نہ آتا۔ کوئی حکومت، اقوام متحدہ کا کوئی کارندہ اور سرمایہ داروں کی تنظیم کا کوئی نمائندہ ان کے سر پر ہاتھ رکھنے والا نہیں تھا جو انہیں صرف یہ کہہ دیتا کہ اینٹوں اور اپنے بچے کو ایک ساتھ لے کر بلندیوں پر نہ جاؤ کیونکہ ٹھوکر لگی تو اینٹیں بچ جائیں گی اور بچہ مر جائے گا۔"

اس عورت نے جو کہا تھا سب کے دلوں کی آواز تھی۔ باتیں کرتے کرتے وہ عورت رونے لگی جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے سوالات صرف پوچھنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے دکھوں کا مداوا مانگا تھا۔

سردار نے اس کی باتیں سن کر کہا:

شاباش! میری بہن

"تم نے بہت اچھا سوال کیا ہے"۔

بلکہ میں اس سے یہ بھی پوچھتا ہوں کہ کیا اس بستی میں رات کی روٹی مل جاتی ہے اور کیا پانی بھی کہیں قریب سے ہی مل جاتا ہے۔ جو لوگ کمانے کے لائق نہیں ہوتے انہیں وہاں کون روٹی دیتا ہے اور جن کو کئی کئی دن مزدوری نہیں ملتی اور وہ ہر صبح ہوتے ہی قطاروں میں سینے پر ہاتھ رکھے سہمے ہوئے خریدے جانے کے انتظار میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور شام کو مایوس لوٹتے ہیں انہیں کون آٹا لا کر دیتا ہے اور جو میری مرنے والی بیٹی کی طرح بدصورت بیٹیاں ہوتی ہیں انہیں کون بیاہ کر لے جاتا ہے اور جو بوڑھے بیمار اور لاغر ہو جاتے ہیں انہیں کون آ آ کر پوچھتا ہے۔ اس بستی کے لوگ کیسے جیتے ہیں اور کیسے مرتے ہیں۔ یہ بتاؤ تمہارے اللہ کے قوانین انہیں کس طرح لا لا کر مسرتیں دے دیتے ہیں اور وہ الگ بیٹھ کر روتے نہیں۔

سردار نے جو باتیں کیں وہ اور بھی دردبھری تھیں۔ اس عورت کی طرح آخر میں سردار کی آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے تھے۔ معلوم نہیں وہ کب سے دل میں طوفان اٹھائے بیٹھے تھے۔ آج ان کے سامنے جو شخص کھڑا تھا۔ انہیں پہلی بار ایسا لگا تھا کہ وہ انسانوں میں

انسان کی ہی بات کر رہا ہے اور وہی انہیں اک نئی راہ دکھانے والا لگ رہا تھا۔ انہیں اس کے چہرے کی پاکیزگی اور نگاہوں کے حیاء سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ہتھیار ڈالنے والا نہیں بلکہ زندگی کے دردوں کا مقابلہ پوری قوت سے کرنے والا ہے اور اگر اس نے ان کا راہنما بننا قبول کر لیا تو وہ انہیں کسی ایسی منزل تک لے جائے گا جو انہوں نے سنی نہ دیکھی ہوگی۔

غازیا خاموش کھڑا بڑے اطمینان سے انہیں سنتا رہا۔لوگ اٹھ اٹھ کر اور بھی کچھ کہتے رہے۔وہ سب کچھ کہتے رہے جو انہوں نے زندگی بھر سوچ رکھا تھا اور کسی نے نہ سنا تھا اور وہ حسرتیں لے کر سو جاتے اور آرزوئیں لے کر جاگ جاتے۔حسرتوں اور آرزؤں کی یہ کشمکش بڑی تلخ تھی اور انہوں نے زندگیاں یوں ہی گزار دی تھیں۔

غازیا نے کہا:

معزز بہنوں اور معزز بھائیو!

اللہ کا قانون یہ ہے اور یہ اس کا حکم ہے کہ:

''ہر انسان انسان ہونے کی وجہ سے ہی محترم ہے''

سنو کہ!

تم اتنے ہی محترم ہو جتنا اس دنیا کا کوئی بھی انسان۔کسی کو اختیار نہیں کہ تمہارا اختیار چھین کر تمہیں بے اختیار کر دے۔کسی کو اختیار نہیں کہ تمہیں زندگی کی سہولتوں سے محروم

کر کے اپنی تجوریاں بھرتا رہے۔کسی کو اختیار نہیں کہ سکول، بستیاں،اور عدالتیں امراء اورغرباء کے لئے علیحدہ علیحدہ تعمیر کروائے اور عدل دینے کے لئے کوئی فیس یا قیمت مقرر کرے۔کسی کو اختیار نہیں کہ مسجدوں میں دولت واختیار کے لحاظ سے علیحدہ علیحدہ نشستیں الاٹ کرے۔ یا جو کچھ بھی تم نے کہا ہے اگر وہ عدل کے پیمانوں کے مطابق پورا نہیں کیا جاتا تو وہ تمہیں بے محترم کرنا ہوگا اوراس کی ذمہ داری صرف اورصرف بستی کے حکمران پر عائد ہوتی ہے اوراس طرح وہ اللہ کے قانون کی صریحاً خلاف ورزی کر رہا ہوگا اور اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرنے والے کی سزا اگلے جہان میں جہنم تو ہے ہی مگر اس جہان میں وہ فساد پھیلانے والوں میں شمار کیا جاتا ہے۔کیونکہ اس کی کوتاہیاں انسانوں کو بے محترم کرتی ہیں اور ہروہ عمل جو محترم کو بے محترم کرتا ہے وہ صریحاً فساد ہے اور اس کے خلاف قرآن جہاد کا سخت ترین قانون نافذ کرتا ہے۔

دائیں طرف بیٹھے ہوئے ایک شخص نے کہا:

غازیا:

لیکن ہم نہیں جانتے ''محترم'' ہونا کسے کہتے ہیں اور محترم لوگ کون اور کس قسم کے ہوتے ہیں کیونکہ آج تک ہمیں ہر مذہب کے اونچی ذات والوں اور نیچی ذاتی والوں نے کمین اور اچھوت ہی کہا ہے اور یہ بھی بتاؤ کہ کیا اچھوت ہونا بھی محترم ہونے میں آتا ہے۔

غازیا نے اس کا سوال دل سے محسوس کیا۔ اسے ان کی حالت یوں لگی جیسے کوئی بچہ اپنی پیدائش پر ہی ماں سے اور باپ سے محروم ہو جائے اور عمر بھر لوگوں سے پوچھتا ہی رہے کہ ماں کی ممتا کیا ہوتی ہے اور باپ کی شفقت کیا ہوتی ہے؟ اور وہ ہر گزرنے والی عورت کا دامن پکڑ کر اسے "ماں" کہے اور وہ چند سکے اسے دے کر آگے بڑھ جائے اور وہ سمجھے کہ "ممتا" اسے ہی کہتے ہیں۔

غازیا نے کہا:

معزز بہنوں اور بھائیو!

"یہ پورا معاشرہ جس میں کہ ہم جی رہے ہیں "محترم" نہیں ہے۔ اسے یوں سمجھو کہ جیسے غلیظ کیچڑ ہو اور اس میں ہیرا رہ رہا ہو تو وہ اس میں لپٹ کر ہیرا نظر نہیں آئے گا۔ وہ اسی کا ایک حصہ لگے گا جب تک کہ وہ صاف ہو کر علیحدہ نہ ہو جائے۔ اس نظام میں سوکھے ہوئے کیچڑ کے ٹکڑے محترم اور کیچڑ میں پڑے ہوئے ہیرے بے محترم نظر آتے ہیں۔

لیکن کوئی بھی شخص سرمایہ، مذہب یا اونچی وراثت و منصب حاصل کر لینے سے ضروری نہیں کہ "محترم" بھی ہو جائے کیونکہ قرآن نے ان سب حیثیتوں کو "محترم" ہونے کے لئے مسترد کر رکھا ہے۔" اچھوتوں کے سردار نے جھلملاتے آنسوؤں سے کہا:

میرے عزیز مہمان!

"واہ! کیا بات کی ہے"۔

غازیا نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

"قرآن کی نگاہ میں محترم وہ ہے جو قرآن کے قوانین کے مطابق فرائض ادا کر رہا ہے اور اس کے حقوق اسے مل رہے ہوں دوسرے لفظوں میں اپنا فرض ادا نہ کرنے والا بے محترم ہے اور جس کے ذمے کسی کا حق ہے وہ حق نہ دے کر بے محترم ہے اور بستی کا حکمران اگر اللہ کے قوانین استعمال کر کے انہیں محترم ہونے کی جانب نہیں دھکیلتا تو وہی اللہ کے قوانین ان سب کو پیس کر رکھ دیتے ہیں۔ یعنی یا تو ان کا آپس میں قتل عام شروع ہو جاتا ہے یا ان سے زیادہ جابر و طاقتور انہیں غلام بنا لیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کے اختیارات چھین لئے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے وہ بستی کہ جہاں اللہ کے قوانین راج کرتے ہیں وہاں زندگی کے دکھوں، دردوں، آنسوؤں اور پچھتاوؤں کی حکمرانی نہیں ہو سکتی کیونکہ بے آسرا، بے سہارا، بے ذرائع اور بے خانماں جیسے الفاظ اس بستی میں بے معنی ہو جاتے ہیں۔ وہاں پر صرف بستی کا حکمران ہی اللہ کے قوانین کے سامنے بے سہارا، بے بس اور غریب ترین ہوتا ہے اور باقی سب اطمینان سے جیتے جا رہے ہوتے ہیں"۔

درمیان میں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بھرائی ہوئی اونچی آواز میں کہا:

غازیا!

مگر ایسی بستی کی کوئی زندہ یا عملی مثال دو کیونکہ یہ تو خوابوں میں بھی ممکن نہیں۔

غازیا نے کہا:

"مدینہ کہ جب محمد ﷺ اس کا حکمران تھا۔"

وہ سب آپس میں دیکھنے لگے اور سوال کرنے والا خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔

دوسرے نے کہا:

مگر آج کی کوئی مثال دو۔

غازیا نے کہا:

"یوں سمجھ لو کہ ایک سورج کے سامنے لاکھوں چراغوں کی مثالیں کیا معنی رکھتی ہیں یا ایک چراغ نے لاکھوں چراغ روشن کرنے کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ یعنی اس مثال نے ان گنت مثالوں کو قائم کرنے کے در وا کر دیئے ہیں۔"

بہنوں اور بھائیو!

جو کوئی گروہ چاہے گا وہ ویسی ہی بستی تیار کر لے گا۔ اس کے لئے مسلمان ہونا ضروری نہیں۔ بس اتنا ہے کہ محمد ﷺ نے جو کچھ کیا کرتے جائیں اور جس سے منع کیا اس سے قطع تعلق کر لیں"۔

ایک بوڑھا اچھوت روتے روتے ہنس دیا۔ اس نے کہا:

غازیا!

"اگر کسی نے ویسے ہی کرنا ہے جیسے محمد ﷺ نے کیا تو غیر مسلم کیسے رہ سکتا ہے۔ آپ نے بہتے دریا میں غوطہ زن ہوکر خشک رہنے کی شرط لگائی ہے"۔

غازیا نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا:

دوستو!

اگر سمجھ گئے ہو تو سنو کہ:

"وہ بستـــــــی کہ جسے تم خوابوں کی سرزمین کہتے ہو دور نہیں ہے۔ تم اپنے دلوں کی دھڑکنوں کو جمع کرلو۔ کسی ایک کے ہاتھ میں ہاتھ دو اور چل پڑو۔اس طریقہ زندگی کی طرف کہ جس کی وجہ سے وہ نورانی مثال قائم ہوئی جس کی طرف میں نے تمہاری توجہ دلائی ہے"۔

صندل کے درختوں کی کونپلیں نکل آئی تھیں۔ وہ جاڑے کے دن گزار آئے تھے۔ پچھلے موسم کی شدت دم توڑ چکی تھی۔ اگلے موسم کی تلخیاں ابھی بہت دور تھیں۔ یہ دن ہلکی سی برکھا کے تھے تاکہ زمین کے ہونٹ تر ہوں اور رنگ سے رنگ بنیں اور پات سے پات کھلیں۔ اک عجیب سماں طاری تھا۔ رات جب جب گزر رہی تھی لوگ دلوں میں حرارت مگر جسموں میں ٹھنڈک سی محسوس کرنے لگے تھے۔ نباتات والے کہتے ہیں کہ:

پودوں پر جب یہ کیفیت طاری ہوتی ہے تو پھول بے حجاب ہوتے ہیں اور کانٹوں

والوں کے کانٹے نوکیلے خار بنتے ہیں۔لوگ اسے موسمِ گل کا نام دے دیتے ہیں حالانکہ اسے موسمِ خار بھی کہا جاسکتا ہے۔ مگر یہ ممکن نہیں کیونکہ جو سخاوت کرے گا اور دوسروں کی زندگی کو معطر کرے گا وہی نام پائے گا اور وہی محترم ہوگا۔وہی گلے کا ہار ہوگا اور سروں کا تاج ہوگا۔ کھلتے پھول دور تک ماحول کو مہکا دیتے ہیں۔چلنے والی ہواؤں کے دامن خوشبوؤں سے بھر دیتے ہیں۔ اس سے زیادہ سخاوت اور کیا ہوگی۔ لوگ اسی لئے اسے موسمِ گل کہتے ہیں۔ یہی موسم تھا اور رات بھی اسی موسم کی تھی۔لوگ اس کی باتیں سن کر عجیب زمانوں کے خوابوں میں اتر رہے تھے۔ کچھ اپنے ہاتھوں اور کچھ پیروں کی طرف بار بار دیکھتے۔کچھ جہاں بیٹھے تھے وہاں پہ بے وجہ زمین پر انگلیاں پھیر رہے تھے۔سب ہی خاموش تھے۔

اس نے کہا:

لوگو!

تم زندگی میں کبھی تو اپنے آپ کو ٹٹولو۔ تم کبھی تو اپنے آپ سے نظریں ملاؤ اور پوچھو اپنے آپ سے کہ تمہیں اچھوت کس نے بنایا۔تم کیوں روندے ہوئے ہو۔تم بنا گناہ کے کیوں گنہگار ہو۔ تم بنا جرم کے کیوں مجرم ہو۔تمہیں تمہارے گھروں کی جنتوں سے باہر کس نے دھکیل رکھا ہے۔ تمہیں کس نے ان جانوروں کی طرح بنا رکھا ہے جن کو شیر کی ایک دھاڑ دھکیلتی چلی جاتی ہے اور وہ تتر بتر ادھر سے ادھر بھاگتے ہی چلے جاتے ہیں۔ تمہاری

عورتیں اور بچے اگلی صبح کے خواب لئے سو جاتے ہیں اور ان پر صبح اترتی ہی نہیں۔ وہ تو ہر رات کے بعد اک دوسری رات میں چلے جاتے ہیں اور ان اجالوں کو ترستے مر جاتے ہیں جن میں زندگی کی سادہ سی آرزوئیں پوری ہو سکتی ہیں۔

سنو!

''اگر میں اپنے دین اور قرآن کے حوالے سے بات کروں تو اس کی نگاہ میں صرف اور صرف تم قصور وار ہو۔ اس لئے کہ تم نے اپنے ہاتھوں سے دنیا کی جہنم کو خرید رکھا ہے۔ تم کیوں ایسی بستـــــی نہیں بنا سکتے جس میں تمہیں کوئی اچھوت نہ کہہ سکے۔ تم اتحاد و یقین سے اپنے بچوں کو ایسی صبحیں کیوں نہیں دے سکتے جن کے انتظار میں ان کے لڑکپن اور جوانیاں بے نور ہو کر رہ جاتی ہیں۔ اگر تم قرآن کے ماننے والے ہوتے تو قرآن ایسے لوگوں کے لئے سخت ترین سزا کا حکم دیتا ہے جو مسکین، بھکاری، غریب بن بن کر دوسروں سے ترس و رحم کی امید رکھتے ہیں اور خود عقل و ہمت استعمال کئے بغیر زندگی گزار دیتے ہیں''۔

خاموش ہونے کے باوجود وہ پر شور دلائل کی گفتگو میں مگن تھے کوئی حرکت نہ کرنے کے باوجود وہ اپنے آپ کو کسی بہت بڑے میدان جنگ میں محسوس کر رہے تھے۔ ان پر عجیب سماں طاری تھا۔ وہ اتنے ساکت تھے کہ ان لمحوں میں یونان کا مورتی

تراش پگمیلین ادھر سے گزرتا تو وہ انہیں اپنی ہی مورتی کی طرح کے مجسمے جان کر ضرور دعا مانگتا کہ جان دینے والے انہیں بھی جان دے دے اور اگر وہ ان سب کے سامنے غازیا کو دیکھتا تو اس کی زبان سے ضرور حمد کے الفاظ نکلتے جو کہ اس سے کہیں زیادہ عظمت و مہارت سے ان بے جان سی جانوں میں ہر ایک کے لئے اک نورانی وحسین روح کی طلب میں نہ نظر آنے والے سجدوں میں تھا اور ان کے لئے نجات، سرخوشی اور توانا حیات کی دعائیں مانگ رہا تھا مگر اس کی اس کیفیت کو کوئی پگمیلین ہی محسوس کرتا تو کرتا ورنہ ظاہر کو دیکھنے والے تو اسے گمراہ کرنے والا جان کر پھر سے اس کی جان کے دشمن ہو جاتے۔

صندل کے پھولوں کی خوشبو تو ویسے بھی روح پرور اور مشام جاں ہوتی ہے۔ اتنی پاکیزہ جاں پرور کہ تصورات لمحوں سے زیادہ تیز گام اور وقت کی حدود سے نا آشنا اپنی پسند کے زمانوں میں محوِ پرواز ہو جاتے ہیں۔ وہ لوگ یوں ہی کھو گئے تھے کہ غازیا کی آواز نے انہیں پھر بیدار کر دیا۔

اس نے کہا:

غور سے سنو!

اگرچہ تم قرآن پر یقین نہیں رکھتے لیکن قرآن کی نگاہ میں صرف وہ اچھوت ہے جو اللہ کے قوانین کو اپنا تا نہیں یا اس کے خلاف چلتا رہتا ہے۔ تم اپنی سانسوں اور خون کے رنگ کو دیکھو

کیا یہ سیّدوں اور برہمنوں سے مختلف ہیں۔ کیا یہ بڑے سے بڑی قوم و ملک کے بڑے سے بڑے انسانوں سے مختلف ہیں۔ تمہارے خون کا رنگ وہی ہے جو ان کا ہے؟ تمہاری سانسوں کی تاریں ویسی ہی ہیں جیسی ان کی ہیں۔ ان کے بچے بھی پیدا ہوتے ہی روتے ہیں تمہارے بھی روتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ جو اچھوت نہ ہونا چاہے اور نہ بننا چاہے اسے اس کائنات میں کوئی اچھوت نہیں بنا سکتا۔ جو غریب نہ رہنا چاہے اسے کوئی غریب نہیں رکھ سکتا۔ جو بھکاری نہ بننا چاہے اسے کوئی بھکاری نہیں بنا سکتا۔

میرے عزیزو!

''تم اس دنیا میں کیوں داخل نہیں ہوتے ہو جہاں انسان اپنی جنتیں خود تعمیر کرتا ہے اور خود ہی انہیں سنوارتا اور پر وقار بنا دیتا ہے۔'' آؤ!

''تم بھی اس راہ، اس منزل کی جانب جس کی جانب میں نے قدم بڑھا دیئے ہیں''۔

اچھوتوں کی دنیا میں یہ ایک نئی طرز کی آواز تھی۔ ایسی آواز کہ جو انہوں نے کبھی نہ سنی تھی۔ یہ عجیب دل ہلا دینے والی آواز تھی۔ اُن کی نگاہوں میں قرآن کو دیکھنے اور سننے کی پیاس بڑھنے لگی۔ وہ اس کتاب کو آگے بڑھ بڑھ کر دیکھنا چاہتے تھے جو انہیں بھی محترم کہہ رہی تھی۔ وہ اسے بڑھ بڑھ کر سینے سے لگا لینا چاہتے تھے جو ان سے محرومی اور مظلومیت سے نکل کر چھا جانے اور غالب ہونے کا تقاضا کر رہی تھی۔ وہ اس کے

ہر ہر لفظ کو سننا چاہتے تھے اور آگے ہی آگے بڑھنا چاہتے تھے۔ ان میں سے کوئی بھی مرد اور کوئی بھی عورت ایسی نہیں تھی جس کے دل کی دھڑکنیں اس کی آواز کے ساتھ ساتھ ارتعاش میں نہ آئی ہوں جو جہاں تھا وہ اپنی مٹھیاں بھینچے اس سوچ میں غرق تھا کہ:

"زندگی یوں ہی گزار دی۔ وہ زندگی جو ایک ایک دن کا مجموعہ ہے اور یہ دن بیکار گزار دیئے۔ کاش غازیا پہلے مل گیا ہوتا اور وہ کوئی بستی بسا کر اس جنم کو حسین تر جنم میں بدل لیتے"۔

وہ سوچ رہے تھے کہ:

"کس طرح سازش کرنے والوں نے انہیں نوید سنائی تھی کہ اگر یہ جنم ان کا منحوس و دل آزار ہے تو اگلا جنم حسین تر ہوگا"۔

وہ سوچتے رہے کہ:

"انسان کتنا خود غرض ہے کہ مذہب کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرتا ہے اور اپنی سہولتوں کے تحفظ کی خاطر کمزور کو کمزور تر اور خوف زدہ کر کے رکھ دیتا ہے"۔ وہ حیران تھے کہ:

ایک وہ تھے جو انہیں اس جنم کی سختیاں یوں ہی جھیلتے رہنے کے لئے تلقین کرتے اور صرف پرستش و عبادات کرنے کے لئے مذہب اختیار کرنے پر زور دیتے اور ایک یہ شخص

کہ جس نے راز فاش کر دیا اور قرآن کی للکار پوری قوت سے عیاں کر دی اور جس نے کہہ دیا کہ:

''اچھوت تم نہیں بلکہ وہ ہیں جو تمہیں اچھوت رہنے پر مجبور کرتے ہیں''۔

ان کے سامنے ان تمام مذاہب کے مذہبی افراد کے چہرے اور حلیے گھومنے لگے جو کئی کئی راتیں ان میں گزارتے اور انہیں پیغمبر کا بس یہ پیغام دیتے کہ:

''یہ دنیا دکھوں کا گھر ہے۔ اس سے قطعی طور پر محبت نہ کی جائے ورنہ اگلا جنم بدترین ہوگا یا اگلی دنیا میں جہنم لکھ دی جائے گی''۔

دوسری طرف وہ ٹکٹکی باندھے غازیا کو دیکھ رہے تھے اور اس کے الفاظ گونج در گونج بن کر ان کے قلب وشعور کو گھیرے ہوئے تھے کہ:

''قرآن نے حکم دیا ہے کہ اس کائنات کو مسخر کر دیا گیا ہے اور آگے بڑھ بڑھ کر اس کی نعمتوں کو حاصل کرو، استعمال کرو اور اس کا شکر ادا کرو اور یہ کہ اللہ کی رحمتیں اور فضل حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھتے ہی چلے جاؤ۔''

وہ کچھ دیر تک خاموش رہے۔ سب ایک دوسرے کی جانب دیکھتے اور نظریں جھکاتے رہے۔ کسی کو اس سے کچھ پوچھنے کا یارا نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی پوچھتا بھی تو کیا پوچھتا۔انہوں نے اپنے دکھ بتائے تھے اور مداوا کرنے والے نے کہہ دیا تھا کہ

اس کائنات میں دکھوں کا حل ایک ہی کہ:

"جتنی ہمت ہے اسے کام میں لا کر پوری قوت سے ان کا مقابلہ اس ڈھنگ سے کرتے جاؤ کہ انہیں شکستِ فاش ہو جائے اور اس نے جو طریقہ بتلایا تھا وہ اور بھی گریبانوں کو پکڑ کر جھنجوڑنے والا اور آگے کی جانب دھکیلنے والا تھا"۔

اس نے کہا تھا:۔

"قرآن تو تنہا پرستش کی بھی اجازت نہیں دیتا وہ تو کندھے سے کندھا ملا کر صفوں کی صفوں میں سجدہ ریز ہونے کا کہتا ہے۔ یعنی ایسے ہی کندھے سے کندھا ملا کر اور صفوں کی صفوں میں آگے بڑھو اور دکھوں اور مشکلوں، غربت، ناداری، مسکینی و مایوسی اور پچھتاووں، کمتری و بے ہمتی کو شکست دے ڈالو، انہیں اپنی دنیا سے، اپنی روحوں اور اپنے قلب و شعور سے باہر دھکیل ڈالو"۔

ان کی روحوں میں اُس کے الفاظ گونجنے لگے کہ:

"ایک ہی کعبہ اس لئے رکھا گیا اور اس کی جانب سب کو پرستش کیلئے رخ کرنے کا اس لئے حکم دے دیا گیا کہ جو کائنات مسخر کر دی گئی ہے اسے اگر فتح پہ فتح کرنا ہے تو اتحاد بھی اتنا ہی پاکیزہ، ایمان افروز ناقابلِ شکست اور ناقابلِ تقسیم کرنا پڑے گا۔"

وہ کیا کیا سوچتے رہے کسی کو کچھ خبر نہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان لمحوں میں ان کی

روحوں نے اچھوت ہونے کو مسترد کر دیا ہوا تھا۔

جو رات ڈھل رہی تھی اور ستارے چاند کے پیچھے پیچھے سنہری صبح کو آتا دیکھ رہے تھے تو انہوں نے دیکھا کہ سب نے ہی کھڑے ہو ہو کر غازیا کی جانب ہاتھ بڑھا دیئے کہ:

لو!

یہ لے لو ہاتھ اور لے چلو کسی بھی اس منزل کی طرف کہ جس کے لئے قرآن نے آواز دی ہے۔

ان کی آوازیں جو اٹھیں تو زمین و آسمان رقص میں آ گئے۔

وہ کہہ رہے تھے کہ:

تم جو کچھ کہہ کر مسلمان ہو گئے ہو۔ ہمیں بتاؤ وہ کلمات کیا ہیں۔ وہ نورانی الفاظ کیا ہیں کہ ہماری روحیں بے تاب ہو چکی ہیں، کہ ہمارے قلب بے چین ہو رہے ہیں۔ تب غازیا کا ہاتھ یدِ بیضا کی طرح ان کی طرف بڑھنے لگا اور لوگوں کے ہاتھ اس کے ہاتھ میں آنے لگے۔

اور جو اس نے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

کہو اپنی زبان سے۔ کہو اپنے شعور سے اور کہو اپنے دل سے اور کہو اپنی روح سے کہ:

” لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ “

لوگ ایک ایک حرف، ایک ایک لفظ ویسے ہی کہتے جا رہے تھے اور یہ آواز اس پورے ماحول میں آسمانوں تک اٹھ رہی تھی اور دور دور کی وادیاں اور ان سے بھی پرے سمندر کی لہروں نے اور اس کے طوفانوں نے بھی یہ آواز سنی کہ جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

"اس کائنات میں کسی کی غلامی اور پرستش نہیں ہو سکتی سوائے اس اللہ کے جو برتر ہے، مالک ہے اور ہر شے پر قدرت رکھتا ہے اور احد ہے، واحد ہے اور جس نے زندگی کے حسین و جمیل نظام نازل کئے اور نافذ کرنے کے لئے آخری رسول و پیغمبر محمد ﷺ کو چن لیا۔"

لوگ کہتے جا رہے تھے اور جھوم رہے تھے۔ رو رہے تھے اور ہاتھ بلند کر کر کے اپنی وفاؤں کا یقین دلا رہے تھے۔

لوگوں نے اپنے مہمان کا جشنِ صحت اس قدر جوش سے منایا کہ آسماں نے یہ سماں کبھی کبھی دیکھا ہوگا۔ لوگ بڑی ہی عقیدت سے اس کے ارد گرد جمع تھے اور اسے اپنی زبان میں بلند ناموں کے خطاب دے رہے تھے۔

مگر اس نے لوگوں سے کہا:

"تعریف کے لئے صرف ایک "اللہ" ہے"۔

"اس کی یہ بات سن کر ان کی اور عقیدت بڑھ گئی۔"

انہوں نے محسوس کیا کہ:

''عجیب آدمی ہے یہ اپنے لئے کسی تعریف وتوصیف کو خاطر میں نہیں لا رہا اور ہر بات پر صرف ''اللہ'' کو ہی مددگار ٹھہراتا ہے اور اسے زندگی کا نہ موت کا خوف ہے اور جب وہ انہیں ملا تو کتنے زخموں سے چور تھا لیکن اس وقت بھی اسی ''اللہ'' کو ہی پکارتا رہا اور تب بھی اپنی حسین مسکراہٹیں بکھیرتا رہا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کوئی زخم تھا ہی نہیں۔

لوگ اس کی ہر ہر حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے اور اس سے اس قدر متاثر ہو رہے تھے کہ عورتیں اپنے دودھ پیتے بچے نیک شگون کے لئے اوپر اٹھا کر ان کا رخ غازیا کی جانب کر رہی تھیں تاکہ اس کا کوئی عکس کوئی سایہ ہی ان پر پڑ جائے۔ مائیں یوں بھی اپنے بیٹوں کو ان جیسا ہی دیکھنا چاہتی ہیں جن سے وہ شعوری یا لاشعوری طور پر متاثر ہوتی ہیں۔

ایک عورت نے ایڑیاں بلند کر کے اپنے بیٹے کو اوپر اٹھا کر کہا:

غازیا!

''میرے بیٹے کی جانب نگاہ کرو یہ بھی تم جیسا ہو جائے''۔

لیکن یہ کہہ کر اس نے لوگوں کے اچھے شگون اور برے شگون کے عقائد کو مسترد کرتے ہوئے کہا:

''صرف وہی مبارک ہے۔ جس نے اپنا رخ ''اللہ'' کے احکام اور اس کے قوانین کی

طرف کر رکھا ہے اور صرف وہی سیدھے راستے پر ہے جس نے محمد ﷺ کو راہنما چن رکھا ہے کیونکہ یہ گارنٹی قرآن نے دی ہے کہ:

"اے محمد ﷺ تم سیدھے راستے پر ہو" (القرآن)

اس لحاظ سے ہر بچہ اور ہر شخص اپنی ذات کا خودشگون ہے۔

ستاروں نے دیکھا کہ:

"یہ بڑا روح پرور سماں تھا۔ ایک قبیلہ دم سحر آسمانوں کو چیرتی ہوئی اذان کی آواز سن رہا تھا اور غازیا انہیں اس کے معنوں سے آشنا کر رہا تھا اور تب وہ صندل کے درختوں کے جھرمٹ میں ذرا پرے جھیل کے کنارے کہ جس کے پانیوں کے ارتعاش میں چاند اور اس کی چاندنی ان سب کے ساتھ باوضو ہو رہے تھے ایسا لگا کہ وہ بھی ان لمحوں میں ان کے ساتھ ہی وہاں پر سجدہ ریز ہو گئے ہیں کہ جہاں عورتیں ایک جانب اور مرد دوسری جانب غازیا کے پیچھے سربسجود تھے۔ یہ ایک ساتھ کھڑے ہو جانا، ایک ساتھ جھک جانا اور ایک ساتھ سجدوں میں چلے جانا ان سب کو پہلی بار عجیب حیران کن دلچسپ اور روح پرور منظر محسوس ہو رہا تھا۔ انہیں بالکل یہ علم نہیں تھا کہ:

"غازیا کیا کہہ رہا تھا۔ وہ صرف یہ دیکھ رہے تھے کہ غازیا کیا کر رہا ہے اور وہ بھی ویسا ہی کرتے جاتے تھے اور تب جو غازیا کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھے کہ:

''اے علم وحکمت کے مالک اور اے جہانوں کے مالک!

تو نے کہا ہے کہ:

''صرف تجھ ہی سے مانگا جائے''۔

اور تو نے کہا ہے کہ:

''دعائیں مانگو میں تمہاری دعائیں سُنتا ہوں''۔

تو پھر یہ بھی سن کہ:

''انہیں بہتر شعور، علم اور عمل سے آشنا کر دے۔ یہ لوگ اس سرزمین پر بے محترم کر دیئے گئے ہیں تُو انہیں محترم کر دے۔ یہ رزق کے ایک ایک ٹکڑے کے لئے ترستے ہیں، تُو رزق کے ذرائع آسان کر دے۔ یہ لوگ در بدر ٹھوکریں ہی کھاتے آ رہے ہیں، تُو کوئی جائے قرار دے دے کہ تو بے پناہوں کو پناہ دینے والا ہے۔ انہیں بھی کوئی پناہ دے دے اور مجھے توفیق دے کہ انہوں نے مجھے راہنما مان لیا ہے، میں تیرے محمد ﷺ کے راستے پر انہیں لے چلوں''۔

اسلام قبول کرنے کے بعد اچھوتوں کا یہ قبیلہ آہستہ آہستہ پرستش کے آداب سیکھ رہا تھا اور غازیا ممکن حد تک انہیں قرآن کے علوم کے بارے میں آگاہی دیا کرتا تھا۔ کام کاج کے بعد یہ لوگ رات گئے تک اس کی محفل میں بیٹھے رہتے اور وہ بڑی سادہ زبان میں انہیں اسلامی تاریخ کی

آگاہی بھی دیتا رہتا۔ ہوتے ہوتے وہ ان کے شعور اور جذبوں کو اس مقام تک لے آیا جہاں وہ ان کے سامنے اپنا مقصد بیان کرتا تو وہ اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہو جاتے۔ جب سارا قبیلہ اس کی ایک آواز پر جانیں دینے کے لئے تیار ہو گیا تو اس نے ایک شب ان سے مخاطب ہو کر یوں کہا کہ:

بہنوں اور بھائیو!

"آپ نے محسوس کر لیا ہو گا کہ نسل در نسل جو زندگی تم گزار رہے تھے اس کے نتائج غلامی اور رسوائی ہی نکلے۔ مسلمان ہونے کے بعد بھی اگر تمہارے طریقے اور سلیقے وہی رہے تو نتائج بھی وہی رہیں گے یعنی ذلت و محکومی۔ اگر تم آزاد، عزت یافتہ، خوشحال و توانا زندگی چاہتے ہو تو پھر اللہ کے راستے میں جانیں دینے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔ میری منزل وہ بستی حاصل کرنا ہے جو کبھی مسلمانوں کی تھی اور جسے انہوں نے اپنی برائیوں کی وجہ سے "عبرت گاہ" بنا کے رکھ دیا اور خود ذلیل و رسوا ہو کر فنا ہو گئے اور اب اس زوال شدہ بستـــــی کو کرشنا کے جنگل نے چاروں طرف سے آلیا ہے۔

"نیلا اور تشدد پسند ہندو ہر مسلمان کی جان کے در پے ہیں اور خاص کر "میں" ان کا ٹارگٹ ہوں جسے وہ ہلاک کرنے کے لئے سر گرم ہیں۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ان کا مقابلہ کرتے کرتے وہ عبرت گاہ بھی حاصل کر لیں اور آپ اسے پھر سے آباد کر کے روشن و پر نور کر سکیں تو آپ کو اپنے

جوان بیٹے میرے حوالے کرنے ہوں گے جنہیں میں گوریلا تربیت دے کر اس قابل کر دوں گا کہ تشدد پسندوں کا باقاعدہ مقابلہ کیا جا سکے۔ اس سلسلے میں ہمیں اپنے جنوب مشرق میں گوریلا جنگ لڑنے والوں سے تعلقات استوار کر کے اسلحہ حاصل کرنا ہوگا اور اس کیلئے آپ لوگوں کے پاس جو جو پونجی ہیں وہ اسلحہ حاصل کرنے پر صرف کر دو۔"

اور غور سے سنو!

"میرا آپ سے یہ وعدہ رہا کہ آپ کا یہ سودا خسارے کا نہیں ہوگا۔ اگر اللہ نے مدد کی تو آپ اس زندگی میں بھی اور اگلی زندگی میں بھی "نجات" کے حق دار ہو جاؤ گے۔"

سب لوگ انہماک سے اسے سن رہے تھے اور ایک نوجوان نے کہا:

"آپ نے جو کچھ کہا ہے اس میں کوئی شک نہیں مگر صرف دل کے اطمینان کے لئے جاننا چاہتا ہوں کہ کیا "جہاد" ضروری ہے کہ جس کیلئے ہم تربیت حاصل کریں۔"

غازیا نے جواب دیا کہ:

میرے رفیق!

"جس طرح رات کو ختم کرنے کے لئے سورج ضروری ہے اسی طرح ظلم کو ختم کرنے کے لئے جہاد ضروری ہے"۔

ایک بہت جذباتی نوجوان نے اُٹھ کر سرخ ہوتے ہوئے چہرے سے کہا:

اے عظیم انسان!

"جب آپ نے ہمیں ٹکرانے کیلئے آواز دے دی ہے تو پھر اسلحے کا انتظار کیسا۔ ہم پوری قوت اور پورے جذبے کے ساتھ ان سے ٹکرا جائیں گے۔"

غازیا کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا:

برادرِ عزیز!

"دشمن اگر تارے توڑنے والے ہتھیار پیدا کرلے تو اس کے مقابل اس سے برتر ہتھیار پیدا کر لینے چاہئیں ورنہ صرف جذبے کے بل بوتے پر بے حساب جانیں دینی پڑیں گی۔"

ایک پیچھے بیٹھے ہوئے پڑھے لکھے نوجوان نے کہا:

اے ہمارے راہنما!

"فلاں امن پسند مسلمان سکالر کا نظریہ ہے کہ امن قائم کرنے کے لئے ٹکراؤ سے پرہیز کرنا چاہیئے"۔

غازیا نے اس کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ:

"امن کے بارے میں خرگوشوں اور ہرنوں کے نظریات اور ہوتے ہیں۔ چیتے اور شیروں کے نظریات اور ہوتے ہیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے زندگی کے بارے میں عقائد و نظریات کامیاب انسانوں کے اور ہوتے ہیں، ناکام لوگوں کے اور، کاہلوں کے اور۔ مگر انقلاب صرف وہ افراد

لاتے ہیں جو زندگی کو حسین تر تراشنے کے لئے کامیابی اور ناکامی سے برتر ہو کر اپنی زندگی کو داؤ پر لگادیتے ہیں۔ ایسے ہی حسین تر امن صرف وہ قائم کرسکتے ہیں جنہیں عدل اور جہاد کے معنی آتے ہیں کیونکہ امن صرف عدل کے قائم ہونے سے پیدا ہوتا ہے ٹکراؤ کے پرہیز سے نہیں۔"

ایک بڑی عمر کے شخص نے بڑے جوش وجذبے سے کہا:

اے ہمارے راہبر!

اب آپ ایک طرف ہوجائیں اور نیلا وتشدد پسندوں کے خلاف ہمیں خود اسلام کی راہ میں لڑنے دیں تاکہ ہم سرخرو ہوسکیں۔

غازیا نے چمکتی آنکھوں سے کہا:

میرے حبیب!

"جو راہنما یا حکمران اپنے جسم وجان پر اسلام نافذ نہیں کرسکتا وہ اگر اسلام کی بات کرتا ہے تو لوگ اسلام سے ہی متنفر ہوجاتے ہیں اور اس طرح تاریخِ اسلام کی عدالت میں وہ ایک اور مجرم کے اضافے کا باعث بنتا ہے۔ اس لئے اگر میں نے تم لوگوں کو جہاد کے لئے آواز دی ہے تو یہ جہاد میری رگ رگ میں اترے گا تو برکت پڑے گی"۔

ایک بوڑھی عورت جو غازیا کی جانب بڑی محبت سے اور بڑی دیر سے دیکھ رہی تھی اس نے کہا:

اے میرے بیٹے!

میں آپ کی کئی باتیں سمجھ گئی ہوں اور کئی نہیں سمجھی۔ آپ یہ بتائیں کہ کمزور کیسے ظالم ہو سکتا ہے؟

پیچھے بیٹھے ہوئے ایک بوڑھے نے کہا:

"جیسے تمہارا میاں تمہاری وجہ سے مر گیا۔"

اس کی بات سن کر سب ہنس دیئے مگر غازیا نے کہا:

اے ماں!

"کبوتر اور ہرن اس لئے ظالم ہیں کہ ان کی کمزوری اور مسکینی بازوں اور شیروں کو درندگی کے لئے اکساتی ہے"۔

سب لوگ انہماک سے اس کی باتیں سنتے رہے اور اس کی گفتگو کے دوران ان کی مٹھیاں کبھی بند ہوتیں اور کبھی کھلتیں۔ اس کی باتوں کے ساتھ ساتھ جوانوں کا جوش و جذبہ بڑھتا چلا گیا۔ آخر ایک نوجوان نے اُٹھ کر جب بات کرنی چاہی تو اسی وقت دو چار دیگر جوان بھی کھڑے ہو کر کچھ کہنے لگے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب کچھ نہ کچھ کہنے کے لئے بے تاب ہیں۔

پورے قبیلے نے غازیا کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کیا کہ وہ اس عظیم مقصد کے لئے جو کچھ بن پڑا کریں گے یہاں تک کہ جانیں دے دیں گے۔

غازیا نے اگلے روز تمام جوانوں کا معائنہ کیا اور ان کا اپنے طور پر ایک جسمانی امتحان لیا۔ اس نے ایک دستے کو علیحدہ لے جا کر بتلایا کہ ان کی باقاعدہ تربیت کسی ساحلی فورٹ میں شروع کی

جائے گی اور اس کے لئے جب تک ضروریات کے مطابق فورٹ تلاش نہیں ہو جاتا تب تک رات کا پچھلا پہر جب کہ اچھا خاصا اندھیرا ہو فلاں جگہ پر جسمانی ورزش اور تربیت شروع کر دی جائے گی۔

غازیا نے اپنی جنگ حکمتِ عملی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے سادہ اور قابلِ عمل ٹیکٹکس کو اپنانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن یہ طے تھا کہ وہ اپنی تمام تر دفاعی تدابیر کسی نہ کسی ساحلی فورٹ کو اپنا مسکن بنا کر ہی پورا کرے گا۔ اس نے جنوب مغرب میں کیمبے سے لے کر کوچن سے بھی آگے ٹیوٹی کارن تک بحیرۂ عرب کے ساتھ ساتھ ساحل کا مطالعہ کیا تا کہ وہ ان میں ایسا فورٹ تلاش کر سکے جو دفاعی لحاظ سے حملہ آوروں کے لئے بہت زیادہ مشکلات پیدا کرے۔ ویسے تو یہ فورٹ خلیج بنگال تک تقریباً ایک سو اکیاون کی تعداد میں موجود تھے جو کبھی بیرونی حملہ آوروں سے محفوظ رہنے کے لئے اس زمانے میں راجاؤں، شہنشاہوں، فاتحین نے تعمیر کئے تھے لیکن اسے صرف وہ فورٹ درکار تھا جس کے اردگرد دلدل ہو اور وہاں سے قریب ہی کوئی دوسرا فورٹ بھی ہو۔

جنوب مغرب سے لے کر انتہائی جنوبی بھارت کا یہ علاقہ ایسے جغرافیائی خدوخال سے مزین ہے کہ کسی بھی مہماتی جنگجو کے لئے پر کشش ہے کیونکہ اس علاقے میں بہت اونچے اونچے بانسوں والی فصل اور پھر مزید ساحل کے ساتھ بے حساب صندل کے پیڑ اور شیشم کے درخت سینکڑوں میل تک پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ساحلِ مالابار کی شمالی جانب نیل گری کی پہاڑیاں بھی کسی بھی

گوریلا کارروائی کے لئے مناسب تھیں۔ مگر غازیا کھلے آسمان کے نیچے رہ کر دو وجوہات کی بناء پر ایسی کارروائیاں نہیں کرنا چاہتا تھا:

* ایسی کارروائیاں کرنے سے یہ لازماً ثابت ہو جاتا کہ وہ دہشت گرد ہے جب کہ وہ بذاتِ خود دہشت گردی کے خلاف تھا۔

* الیکٹرانک وارفیئر کے زمانوں میں بانسوں کے جھرمٹ یا شیشم کے پیڑوں کے جنگلات چند گوریلا کارروائیوں کی بھی اجازت دینے کو تیار نہ ہوتے کیونکہ وہ براہِ راست نیپام بموں کی زد میں تھے جس کی وجہ سے ان کی جڑیں تک جل کر راکھ ہو جاتیں اور تب غازیا اور اس کے ساتھی کہیں بھی پناہ نہ لے سکتے۔

چنانچہ غازیا نے اپنے چند ساتھیوں کو مغربی گھاٹ میں گجرات، مہاراشٹرا، گوا، کرناٹکا، کیرالہ اور تامل ناڈو کے ساحلوں تک اپنی ضروریات کے مطابق دو اکٹھے فورٹ تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپ دی۔

جغرافیائی لحاظ سے ویسے تو گجرات کے علاقے کی کوسٹ لائن ترچھی، الٹی سیدھی اور موڑ کھاتی ہوئی ٹوٹی پھوٹی تھی اور باقی سواحل نسبتاً سیدھے تھے چنانچہ غازیا کی پہلی ترجیح بھی بل کھاتا ہوا الجھا الجھا ساحل تھا۔ بہر حال تلاش کرنے والوں نے منداوی، پور بندر، منگرول، دیو، ناگوا، شیال، داماں، دھانو، شرگم، ماہم، ورتھن، سرج کوٹ، کرولی، جنجیرا، رتن گری اور ٹری

وٹڈرم جیسے تمام ساحلی قلعوں کا جائزہ لیا۔ آخر انہیں دو ایسے فورٹ مل گئے جو ان کی مکمل ضروریات پوری کر سکتے تھے۔ غازیا نے ان میں سے ایک میں گوریلا تربیت دینے کا آغاز کر دیا۔

یہ ساحلی فورٹ بہت ویران تھا۔ جب کبھی یہ آباد تھا تو یقیناً دفاعی حصار ہوتا ہوگا۔ اب اس کے گرداگرد دلدل اور سمندری پانیوں نے جگہ بنا رکھی تھی۔ اسی وجہ سے کئی طرز کے سمندری کیڑے مکوڑے وہاں چلتے پھرتے نظر آتے اور یونہی ایسی جھاڑیاں بھی اُگ آئی تھیں جو میدانوں اور جنگلوں میں نظر نہیں آتیں۔ اس کا ماحول بہت پراسرار تھا۔ اسی وجہ سے دور و نزدیک کے لوگ اس جانب کا رخ نہ کرتے اور اگر کوئی اس طرف جانے کی سوچتا تو وہ کس لئے وہاں جاتا کیونکہ تحقیق کی غرض سے اب وہاں کیا رکھا تھا۔ سوائے یہ کہ وہ فلاں زمانے میں بنایا گیا اور فلاں مقصد کیلئے قائم رہا۔

حیرت یہ تھی کہ آندھیاں، طوفان اور سمندری لہریں ابھی تک اس سے سر ٹکراتیں اور بے ہوش واپس لوٹ جاتیں کیونکہ وہ زیادہ طاقتور تھا اور ابھی تک اپنے آپ کو ان سب آفات کے حوالے کرنے کو تیار نہ تھا۔ لیکن ان سب ویرانیوں کی وجہ سے غازیا کے لئے وہ زیادہ پرکشش تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ ان ویرانیوں سے فائدہ اٹھا کر اپنے دستوں کی تربیت کر سکے گا اور وقت آنے پر نیلا دیوی کے حملوں کا بہتر جواب دے سکے گا۔

قبیلے کے لوگوں سے یہ قلعے قطعی طور پر زیادہ دور نہیں تھے جس کی وجہ سے انہیں اپنی جھونپڑیاں مزید ادھر ادھر کرنے کی ضرورت پیش نہ آئی اور وہ فاصلے پر رہ کر ضرورت پڑنے پر فورٹ کے اندر تمام ضروریات پوری کرتے رہتے۔ غازیا نے خواتین کو علیحدہ ایسی تربیت دی کہ وقت پڑنے پر ان سے حملہ آوروں پر پیچھے سے گرنیڈ وغیرہ سے حملہ کروا کر ان کی توجہ اصل ٹارگٹ سے ہٹائی جاسکتی تھی۔ کچھ ساتھیوں کو مختلف بہروپ بدلنے کی تربیت دی گئی۔ چند ساتھیوں کو دشمن کے بارے میں اہم ترین معلومات اکٹھی کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔

تربیت کے دوران کلدیپ نیلا اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کرتا رہا اور غازیا کی ہدایت کے مطابق ان کی تلاش کا رخ جنوب کی بجائے شمال کی جانب کئے رکھتا۔ کیونکہ جب کلدیپ کو شک پڑتا کہ اس کی کشتی میں کوئی نیلا کا ساتھی بیٹھا ہوا ہے تو وہ باتوں باتوں میں بات کر دیتا کہ کچھ دیر پہلے کشتی پر سوار کچھ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ غازیا شمال کی جانب فلاں قصبے میں دیکھا گیا ہے'' اس طرح کی گفتگو فوراً نیلا تک پہنچتی اور اسکی تنظیم کے کچھ لوگ اس علاقے تک اپنی تلاش کی سرگرمیاں پھیلا دیتے۔

کافی عرصے کے بعد ایک دن نیلا کو اچانک غازیا کا خط ملا۔ جس میں لکھا گیا تھا کہ:

نیلا دیوی!

یہ کسی پردہ سیمیں کا کردار نہیں کہ کوئی نہتا سینکڑوں سے لڑنے چلا آئے اور گولیوں کی

بوچھاڑ میں چلتا ہوا فتح یاب ہو جائے۔ زندگی حقائق سے لبریز ہے اس میں صرف تین ہی طرح کے مقابلے ہیں:

1. طاقت کا مقابلہ طاقت سے
2. طاقت کا مقابلہ عقل سے
3. عقل کا مقابلہ عقل سے

مجھے آپ سے صرف آخری دو طرح کے مقابلے درپیش ہیں اور مجھے اسی کے لئے تیار کرنا ہے کیونکہ آپ کے ساتھ ان تمام ہندوؤں کی سرکاری اور غیر سرکاری طاقت ہے جو مسلمانوں کو بھارت کی سرزمین سے نابود کرنا چاہتے ہیں اور ان کی طاقت ناقابلِ پیمائش ہے۔ اس کے مقابل محمود غزنوی یا امیر تیمور کی طاقت چاہیئے تھی جو میرے پاس نہیں اور اگر وہ میری جگہ ہوتے تو وہ بھی شاید یہی کچھ کرتے جو کہ میں نے ٹھانی ہے۔ لہٰذا انتظار کرو۔ لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ میں اس میدانِ کارزار میں آپ کو بنا مقابلے کے واپس نہیں جانے دوں گا۔''

تمازیا

نیلا مطمئن تھی کہ پچھلے چند سالوں سے چلی ہوئی کشمکش اب اختتام پذیر ہو جائے گی اور وہ اپنے مقاصد حاصل کر کے ہندوؤں کے لئے امر ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ پوری قوت سے اپنی حکمتِ عملی کو مکمل کرنے کے لئے دن رات جدوجہد کر رہی تھی۔

غازیا چاہتا تھا کہ نیلا مایوس ہو کر واپس نہ چلی جائے چنانچہ وہ گاہے بگاہے شمال اور شمال مشرق کے بعض شہروں کے ڈاک خانوں سے اسے خط ڈلواتا رہتا تا کہ وہ خطوط کی مہر سے اگر جاننے کی کوشش کرے تو تلاش کرنے والے تضادات کا شکار رہیں۔

نیلا کے لئے یہ بہت کٹھن مرحلہ تھا۔ کیونکہ اس دوران اس کا بیٹا بھی تقریباً تین سال کا ہو چکا تھا۔

غازیا نے جب تمام حالات کو اپنے قابو میں کرلیا اور دفاعی طور پر اچھی خاصی قوت حاصل کر لی تو اس نے آہستہ آہستہ نیلا کے علاقے میں نیلا کے ساتھیوں اور تشدد پسندوں کے خلاف کارروائیوں کا آغاز کر دیا۔

ایک رات جب نیلا کے ساتھی عبرت گاہ سے کوئی بیس میل جنوب کی جانب مسلمانوں کی ایک بستی کو لوٹ کر واپس آ رہے تھے تو غازیا کے آدمیوں نے انہیں گھیر لیا۔ اس رات کو بہت دھند تھی۔ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ دھند نے اچانک انہیں آلیا تھا اور یہ اگلی دوپہر تک ختم ہونے والی نہیں تھی۔ ان کے پاس واپسی کا صرف ایک راستہ تھا اور اس راستے پر غازیا اپنے ساتھیوں کو لئے انتظار میں تھا۔ نیلا کے آدمیوں کی کارروائی کے بارے میں کلدیپ نے غازیا کو پہلے سے آگاہ کر رکھا تھا۔

وہ لوگ جبھی اس راستے پر مڑے تو غازیا نے انہیں دھر لیا۔ تین کے علاوہ اس نے سب کو زخمی

کر کے راستے میں تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا۔ دو کو اس نے اپنا ایک خط تھما دیا کہ نیلا کو جا کر دے دیں۔ ایک کو وہ ساتھ لے آیا۔ تقریباً تین سال کے بعد پہلی مرتبہ غازیا نے عملی طور پر نیلا کو للکارا تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ:

نیلا دیوی!

میں نے وعدہ کیا تھا کہ آپ نے جو خون کئے ہیں میں آپ سے ان کا حساب لے لوں گا۔ مسلمان ہونے کی وجہ سے میں اپنے وعدے سے منحرف نہیں ہو سکتا۔ آپ کے کوئی تیس چالیس ساتھی میں نے زندگی اور موت کی کشمکش میں چھوڑ دیئے ہیں۔ آپ ان کا علاج کروالیں کل کو وہ آپ کے کام آئیں گے۔

غازیا

بچ جانے والوں نے جا کر نیلا کو سارے واقعہ سے آگاہ کر دیا۔ یہ بھی بتلایا کہ:

''غازیا کی سرگرمیاں جنوب کی جانب ہیں''۔

اس واقعہ نے نیلا کو قطعی طور پر پریشان نہ کیا۔ اس نے غازیا کا خط ان ایجنسیوں کے حوالے کر دیا جنہیں غازیا کو تلاش کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔ انہوں نے مزید پوچھ گچھ کے ذریعے متعدد نتائج اخذ کرنے کی کوشش کی جس میں اہم ترین یہ تھا کہ جنوب میں مزید کارروائیاں کر کے غازیا کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔

کلدیپ مہارت اورزیرکی سے نیلا کی تمام حرکات وسکنات کے بارے میں خبریں غازیا کو پہنچارہاتھا۔لیکن اسے یہ خبرنہیں ہوتی تھی کہ غازیا کہاں پر ہے کیونکہ تب تک یہ راز غازیا اس تک پہنچانا ہی نہیں چاہتا تھا کہ مبادا نیلا کے آدمیوں کوخبر ہوجائے اور وہ اسے ٹارچر کرکے راز حاصل کرلیں۔اس کے لئے وہ اپنا کوئی دوسرا ساتھی مخصوص کوڈ ورڈ یعنی نشانی کے الفاظ بتلا کر بھیج دیتا تھا جن کے بارے میں صرف کلدیپ اور غازیا کوخبر ہوتی۔کلدیپ تمام خبریں اس شخص کوکشتی میں بٹھا کرآہستہ آہستہ چلتے چلتے دوسرے کنارے تک پہنچنے سے پہلے دے دیا کرتا تھا۔

کلدیپ کیونکہ انتہاپسندوں اور کٹر ہندوؤں کا بااعتماد دوست تھا اس لئے اس کی ان تک رسائی مشکل نہیں تھی۔چنانچہ نیلا کی انتہائی خفیہ حکمتِ عملی جو اس نے اپنے کسی ساتھی سے مشورہ کے بعد طے کی ہوتی اس کی کسی نہ کسی بہانے وہ خبر پا ہی لیتا۔کلدیپ کو اس بات کا شدید رنج تھا کہ نیلا نے بغیر کسی گناہ وجرم کے اس کے باپ کو مروا کر دریا نبرد کروادیا۔

غازیا چاہتا تھا کہ آہستہ آہستہ اکا دکا کارروائیاں کرتے کرتے حکومت کی ایجنسیوں کے افراد کو اپنی پسند کی جگہ تک لے آیا جائے۔چنانچہ وہ ایسا کرتا رہا۔البتہ ایک روز نیلا جب انتہاپسندوں کے سربراہ کے ساتھ غازیا کے خلاف نئے سرے سے شروع ہونے والی کارروائیوں کے بارے میں مشورہ کرنے گئی ہوئی تھی تو غازیا کے آدمیوں نے شام کے بعد اس کے مزید تیس چالیس

آدمیوں کو زخمی کر کے اس کے محل نما گھر کو بارود سے اڑا دیا جس کی آواز دور دور تک سنی گئی۔ یہ محض اتفاق تھا کہ اس شام گھر میں نیلا نہیں تھی ورنہ اس کا قصہ پاک ہو گیا ہوتا۔ مگر اس کارروائی میں نیلا کے شوہر کا ایک بازو اور ایک ٹانگ اڑ گئی بعد میں جس آنکھ کو ضعف آیا تھا وہ بھی نہ بچ سکی۔ یہ کارروائی اتنی شدید تھی کہ دریائے کرشنا کے پار والی یہ بستی جو بڑی ذات والوں کا گڑھ تھا خوف زدہ ہو کر رہ گئی۔

غازیا نے حکم دیا کہ اس بستی میں کوئی ایک مرد بھی زخمی ہوئے بغیر نہ رہے چنانچہ ان کے بڑے بڑوں کو گھروں سے نکال نکال کر زخمی کر دیا گیا۔ اس نے انہیں بتلایا کہ:

"فی الحال یہ اس سوئمبر کی سزا ہے جس میں تمہاری بستی والوں نے نیلا کے ہاتھ مضبوط کئے تھے اور اگر نیلا تمہاری بستی میں ٹھہری رہی تو اگلی بار تم سب کو ہلاک کر دیا جائے گا"۔

غازیا اپنے ساتھیوں کو لے کر رات کے اندھیرے میں آناً فاناً غائب ہو گیا۔ موقع پر موجود وہ بہت سے پولیس والے جو ان کی حفاظت پر ڈٹے رہتے تھے وہ اتنی خونخوار شدید کارروائی دیکھ کر فوراً ہی وہاں سے کھسک چکے تھے جنہیں غازیا کے ساتھیوں نے راستے میں جا لیا اور کارروائی ختم ہونے پر چھوڑ کر چلے گئے۔ اس بستی میں سے بہت زیادہ اسلحہ غازیا کے ہاتھ لگا۔

یہ وہ واقعہ تھا جس نے پہلی بار نیلا کو ہلا کر رکھ دیا۔ اس کے گھر کو اڑانے سے پہلے غازیا نے اس کے بیٹے کو مندر میں لے جا کر بٹھا دیا تھا تا کہ اسے کوئی چوٹ نہ آ جائے۔ اس دوران نیلا کا

شوہر کسی کمرے میں جا چھپا تھا۔ جانے سے پہلے غازیا نے پھر ایک خط وہاں کے ایک بوڑھے کو دیا کہ وہ نیلا کو پہنچا دے اور یہ بھی کہا کہ:

بابا!

”تمہارا بڑھاپا تمہاری ڈھال ثابت ہوا ہے ورنہ اچھوتوں کے خلاف کی گئی تمہاری ساری کارروائیوں کی سزا یہ تھی کہ تمہارے جسم کے اتنے ٹکڑے کر دیئے جاتے جتنی بھارت کی آبادی ہے اور تمہیں اس لئے چھوڑ رہا ہوں کہ اسلام جہاد کے دوران عورتوں، بچوں اور بوڑھوں اور بیماروں پر سختی کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔“

یہ کارروائی نیلا کے گھر میں آ کر کی گئی تھی اور اس کی تنظیم کے سارے خونخوار اگرچہ ہلاک نہیں کیئے گئے تھے مگر وہ خون میں لت پت تھے۔ ان میں کئی دوسری بار زخمی ہوئے تھے اس لئے وہ غازیا کے نام سے ہی دہشت زدہ تھے۔ ان میں سے کئی افراد نے تہیہ کر لیا کہ تیسری بار زخمی ہونے سے پہلے پہلے وہ نیلا کو چھوڑ چھاڑ کر ادھر ادھر ہو جائیں گے۔

نیلا نے خط کھولا تو اس میں لکھا تھا کہ:

نیلا دیوی!

”آپ کا بیٹا فلاں مندر میں ہے وہ تمہارا انتظار کر رہا ہو گا۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کا نامور شوہر سورما آج نظر نہیں آیا ورنہ جہاں تمہارا سوئمبر ہوا تھا وہیں اس کا شمشان ہوتا۔ جسے اس نے

سو نمبر کی رات ہلاک کیا تھا میں نے اس کی روح کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ اس کی سزا آپ کے سورے کو ضرور دی جائے گی سو اگلی بار ہمیں یقین ہے کہ اسے بچ کر بھاگنے نہیں دیں گے۔ اس علاقے میں تمام بستیوں کو ہم نے پیغام پہنچا دیا ہے کہ جو بستی تمہیں پناہ دے گی اس کا حشر بھی ایسا ہی کیا جائے گا"۔

غازیا

غازیا کے ٹیکٹکس میں کسی کو ہلاک کرنا نہیں تھا چنانچہ یہی ہوا۔ دی گئی تربیت کے مطابق غازیا کے ساتھی کسی کو ہلاک تو نہ کرتے مگر بڑی بُری طرح زخمی کر جاتے۔ اگر چہ وہ لوگ کچھ دنوں بعد صحت یاب ہو جاتے مگر وہ اتنے دہشت زدہ ہو جاتے کہ جہاں جہاں جاتے وہ غازیا اور اس کے ساتھیوں کی دہشت کا ہی ذکر کرتے۔

انتہا پسندوں نے اس واقعہ کا خاص کر نوٹس لیا۔ انہوں نے فوری طور پر حکومتی سطح پر رابطے کر کے دور دور تک پولیس کی نفری بڑھوا دی اور مخبروں کی با قاعدہ ایک زنجیر سی قائم کر دی جو کسی بھی چھوٹے سے چھوٹے رونما ہونے والے واقعہ کی انہیں خبر دیتی رہتی۔

"بستی کی عورتوں نے نیلا کے سامنے ہاتھ باندھ دیئے کہ وہ مہربانی سے ان کی بستی خالی کر دے کیونکہ اس کے بعد وہ کوئی دوسرا حملہ برداشت نہیں کر سکیں گے"۔

تین چار روز بعد نیلا نے اپنے ایک جانثار کو پیغام دے کر بھیجا کہ وہ تشدد پسندوں کے فلاں شخص

سے رابطہ کر کے اسے یہ بتلائے کہ تربیت یافتہ چند افراد ان کی حفاظت کے لئے بھیج دے کیونکہ تنظیم کے ساتھی نہ صرف زخمی ہو چکے ہیں بلکہ وہ نیلا کا اعتماد بھی کھو چکے ہیں اور یہ کہ غازیا کی اگلی کارروائی سے پہلے پہلے نیلا کو اتنے جانثار مہیا کئے جائیں کہ وہ دفاع کرنے کی بجائے خود غازیا کے ٹھکانوں پر حملہ آور ہو کر اسے تہس نہس کر دے۔ نیلا نے یہ بھی خدشہ ظاہر کیا کہ غازیا کو تلاش کرنے والی ایجنسیوں کے بیشتر افراد غازیا سے مل چکے ہونگے۔ لہٰذا فلاں سربراہ رابطہ کر کے حکومت کو آمادہ کرے کہ وہ جنوبی علاقے میں غازیا کے خلاف فوجی کارروائی کا آغاز کرے۔

نیلا کی تجویز کو حکومتی حلقوں میں پذیرائی ملی اور فوج کی ایک لڑاکا یونٹ کو اس جگہ پر تعینات کر دیا گیا جس علاقے میں شک تھا کہ غازیا کا مسکن ہے اور اس بارے میں مخبری حاصل کرنے میں حکومت کامیاب ہو چکی تھی۔

غازیا کے بارے میں حکومت کی جن ایجنسیوں کو معلومات حاصل ہوئیں انہیں اچھی کارکردگی کے سرٹیفکیٹ دیئے گئے۔ یہ خبر نیلا، انتہا پسندوں اور تشدد پسندوں کے لئے باعثِ اطمینان تھی اور اب وہ بہت جلد اسے مرا ہوا دیکھنا چاہتے تھے۔ لیکن تا حال یہ علم نہ ہو سکا تھا کہ اس کے ساتھی کون ہیں اور ان کا مسکن واقعی کس جگہ پر ہے۔ ابھی تک صرف یہ یقین ہو گیا تھا کہ وہ کہیں جنوب کی جانب ہی ڈیرا ڈالے ہوئے ہیں۔

نیلا نے انتہاپسندوں کے دانشمندوں کے ساتھ مشورے شروع کر دیئے اور انہیں اپنی تجاویز سے بھی آگاہ کرتی رہی۔اس نے حالات کا نئے سرے سے تجزیہ شروع کر دیا تا کہ غازیا کو نا کام کر کے جنوبی بھارت کو مسلمانوں سے پاک کیا جا سکے۔

وہ یہ جانتی تھی کہ گولڈن ٹمپل جسے حکومت میں موجود کٹر ہندوؤں کی پالیسی کی وجہ سے تباہ کر دیا گیا تھا۔اس کے چاہنے والے سکھ بذاتِ خود کسی ایسے جانباز کی تلاش میں تھے جس کی مدد سے وہ حساب برابر کر سکیں۔دوسری طرف عیسائیوں کے گرجوں پر کٹر ہندو بار بار حملہ آور ہو رہے تھے اور یوں عیسائی بھی انہیں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے جس کی وجہ سے نیلا نے غازیا تک پہنچنے کی نئی حکمتِ عملی پر غور شروع کر دیا۔

اس نے حالات کا پوری یکسوئی سے تجزیہ کیا اور جس نتیجے پر پہنچی اس کے مطابق غازیا کو جال میں لانے کے طریقے طے کر لئے جو یوں تھے کہ:

* ہندوؤں کے ہاتھوں بابری مسجد، گولڈن ٹمپل اور گرجوں کی تباہی کے بعد مسلمان، سکھ اور عیسائی مذاہب کے لوگ غازیا کا ساتھ دے سکتے ہیں۔

* ان کا مقابلہ کرنے کے لئے انہی مذاہب کے چند وفادار لوگ تلاش کرنے چاہئیں اور پرکشش معاوضہ دے کر انہیں دہشت گردی کی تربیت دے کر غازیا کے پیچھے لگا دینا چاہیئے۔

* حکومت کو مکمل حالات سے آگاہی دے کر اعتماد میں لیا جائے اور غازیا کے مقابل فوج کو

مدد کے لئے بلایا جائے تا کہ اس کی باغیانہ سرگرمیوں پر جلد از جلد قابو پالیا جائے۔

نیلا پہلے مرحلے میں ہی حکومت کے متعلقہ نمائندوں کو قائل کرنے میں کامیاب ہوگئی اور اس نے ثابت کر دیا کہ:

''غازیا نے باقاعدہ فوج تیار کر کے علاقے کے لوگوں میں ہراس پھیلا دیا ہے کیونکہ اسے جنوبی بھارت میں بعض علیحدگی پسند عناصر کی حمایت حاصل ہے۔حکومت کے نمائندوں نے فیصلہ سازوں سے اجازت حاصل کر کے فوج کے جنرل ہیڈ کوارٹرز میں احکام بجھوا دیئے کہ فلاں علاقے میں غازیا نامی باغی اور دہشت گرد کے لئے ضرورت کے مطابق فوج بھیج دی جائے''۔

نیلا مطمئن تھی کہ پچھلے چند سالوں سے چلی ہوئی کشمکش اب اختتام پذیر ہو جائے گی اور وہ اپنے مقاصد حاصل کر کے ہندوؤں کے لئے امر ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ پوری قوت سے اپنی حکمتِ عملی کو مکمل کرنے کے لئے دن رات جدوجہد کر رہی تھی۔

غازیا جب نیلا کے جاں نثاروں کے خلاف کامیاب کارروائی کر کے واپس آ رہا تھا تو بانسوں والے علاقے میں سے گزرتے ہوئے اس کے وہ ساتھی جنہیں غازیا ہمیشہ اپنے راستے سے کافی آگے بھیج دیتا تھا تا کہ وہ خطرات سے آگاہ کرتے رہیں ان میں سے ایک نے آ کر اطلاع دی کہ ''ڈاکو یا لٹیروں نے بعض لوگوں کو یرغمال بنا رکھا ہے اور ان کی چیخوں کی آواز سنائی دے رہی

ہے"۔

غازیانے پیچھے ہٹ کر ساتھیوں کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے کو چاروں طرف سے گھیر لیں اور زمین پر لیٹ کر بیک وقت انسانی سروں سے اوپر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیں۔ چنانچہ یہی کچھ ہوا۔ جواب میں چند لمحے گولیوں کا جواب گولیوں سے آیا مگر جلد ہی اندر سے آواز آنے لگی کہ ہم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں گولیاں چلانا بند کر دیا جائے۔

غازیانے ساتھیوں کو بھیجا کہ انہیں باندھ کر بانسوں کے جنگل سے باہر لایا جائے۔ کچھ ہی دیر بعد ان سب کو باہر لے آیا گیا۔ ان میں کوئی چھ سات سرمایہ دار تھے۔ جن کے ہاتھ پیچھے کو باندھے ہوئے تھے اور یرغمال بنانے والے ان کی ملوں کے مزدور تھے۔ جس دن وہ اکٹھے میٹنگ کر رہے تھے ان مزدورں نے انہیں اغواء کر لیا اور بانسوں میں لا کر باندھ کر پھینک دیا۔

یرغمال بنانے والوں میں سے ایک نے بتایا کہ:

"ہم فلاں سرمایہ دار کے کارخانے میں مزدور ہیں۔ اس نے زیادہ پیسے دے کر ہمارے اوپر خونخوار جابر مقرر کیے ہوئے ہیں جو ہماری مزدوری کا حصہ چھین لیتے ہیں اور ظلم بھی کرتے ہیں۔ یہ سرمایہ دار ہماری مزدوریاں نہیں بڑھاتے اور ہماری محنت سے کمایا ہوا لاکھوں ڈالر کا سرمایہ لے کر یورپ چلے جاتے ہیں اور اسے وہاں لٹا آتے ہیں۔ ہمارے بچے بلکتے

سو جاتے ہیں۔ہم ایک کارخانے کو چھوڑ کر جب دوسرے کارخانے میں جاتے ہیں تو وہ بھی ان کے ہی ساتھی ہیں اور وہ ہم پر اور ظلم بڑھا دیتے ہیں۔ ہمارے باپ بھی انہی کارخانوں میں مزدوریاں کرتے کرتے ان کی چمنیوں کے دھویں میں دھواں ہوتے ہوتے مر گئے اور آج ہم بھی موت کی طرف بڑھ رہے ہیں مگر یہ رحم نہیں کرتے اور بینکوں میں ان کا سرمایہ ابل رہا ہے لیکن ہم پر رحم نہیں کرتے۔"

وہ مزدور یہ کچھ" کہتے کہتے رونے لگ گیا۔سرمایہ دار ابھی تک بندھے ہوئے تھے اور اس کی باتیں بڑے تحمل سے سن رہے تھے کیونکہ بندھے ہوئے تھے اور سامنے غازیا دائیں ہاتھ میں ان کی جانب بندوق لئے کھڑا تھا۔ غازیا نے بندوق کی نالی سرمایہ داروں کی جانب کرتے ہوئے کہا:

آپ میں سے اس شخص کے آنسوؤں کا کون جواب دے گا؟

ان میں سے ایک نے کہا:

"میں اسے دس ہزار روپیہ دیتا ہوں"۔

دوسرے نے کہا پانچ میری طرف سے بھی شامل کرلو۔تیسرے نے کہا:

"اس کے آنسو کم ہیں ہم نے پیسہ زیادہ دے دیا ہے۔"

غازیا نے کہا:

"میں اس کی باتوں کا جواب پوچھ رہا ہوں قیمت نہیں پوچھ رہا"۔

ان میں سے جو سب سے زیادہ دانشمند قسم کا سرمایہ دار تھا۔

اس نے کہا:

"اس وقت ہم ان کی قید میں ہیں یا آپ کی قید میں؟" کیونکہ سوال کرنے والا سمجھ گیا تھا کہ جس سے میں مخاطب ہوں یہ کوئی لٹیرا یا ڈاکو نہیں بلکہ کوئی زیادہ ذہین انسان ہے۔

غازیانے ان سب سے ذرا کرخت لہجے میں کہا:

اگر اس کی باتوں کا جواب نہیں دو گے تو ہم آپ کو اسی حال میں چھوڑ کر چلے جائیں گے اور پھر خود ہی سمجھ جاؤ گے کہ تم کس کی قید میں ہو مگر:

تم جس قدر سفاک ہو اتنے تو بھیڑیے بھی ظالم نہیں ہوتے۔ تم لوگ اتنا پیسہ لے کر اپنے لئے کتنی قبریں اور مزار بنوا لو گے۔ تم کیوں ان سسکتے انسانوں کی جھونپڑیوں میں دیے نہیں جلنے دیتے۔ تم کیوں اس جانب نہیں آتے ہو جہاں یہ لوگ تمہاری چاہت اور وفا کی مورتیاں بنا ڈالیں۔ اگر آج یہ تمہیں خاک میں ملا دیں تو بتلاؤ تمہاری چھن چھناتی ہوئی دولت سوائے تمہاری قبریں بنانے کے اور کس کام آئے گی۔ تم کیوں ان پر ان حسین صبحوں کو طلوع نہیں ہونے دیتے جن کے لئے یہ نسل در نسل اپنے چہروں پر دھوئیں کی کالک ملتے آرہے ہیں مگر وہ نمودار تمہارے بنگلوں میں ہو جاتی ہیں۔ تم کیوں وہ حسین انقلاب برپا نہیں کرتے جن کے

لئے یہ تڑپتے رہتے ہیں۔آخر تمہیں اور کونسی زندگی ملے گی۔

غازیانے بڑے جوش اور ولولے سے یہ باتیں کی تھیں اور وہ سارے کے سارے اس کے نورانی و پاکیزہ چہرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔انہوں نے محسوس کیا کہ یہ باتیں صرف حساس اور زندہ دل ہی کرسکتا ہے۔ان میں سے اسی سرمایہ دار نے کچھ دیر بعد اٹک اٹک کر کہنا شروع کیا کہ:

"میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ صنعتی دور نے انسان کا اطمینان چھین لیا ہے اور تب یہ زمانہ جہنم زار بن کے رہ گیا ہے۔انسان نے انسان کو اور قوموں نے قوموں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ہم نے زمینیں بیچ کر کارخانے لگائے لیکن چمنیوں کے دھویں نے ہمارے چہروں کے ساتھ ہمارے دل بھی سیاہ کردیئے اور ہم اتنے ہی سفاک ہو گئے جتنی کہ چیلیں اور گدھیں کسی لاش کو نوچتے وقت ہوتی ہیں۔ ہمارے سامنے مزدور بلکتے مرجاتے اور ہم بے رحمی سے مزدوروں کے احتجاج سے خوف زدہ ہو کر ان کے گھر چند سکے بجھوادیتے ہیں۔ہم اس احساسِ گناہ کو لئے بینکوں میں اپنے جمع شدہ سرمائے کے عوض زندگی گزار رہے ہیں۔لیکن تم اک نئی صبح کی نوید دیتے ہو اور ایسے انقلاب کی بات کرتے ہو جسے ہمارے اوراک قبول نہیں کر رہے اور جسے ہماری نگاہیں دیکھنے سے قاصر ہیں اور جس کے نغمے ہمارے کان سننے کے لئے تیار نہیں۔آخر تم ہمیں کیوں اس جانب آواز دیتے ہو جس کی منزلیں دور افق سے پار ہیں اور جہاں تک پہنچتے

پہنچتے ہمارے پاؤں تھک کر مفلوج ہو جائیں گے اور ہم راستے میں دم توڑ جائیں گے"۔

غازیا ان کی منطق اور دانش کی تعریف کیے بنا نہ رہ سکا لیکن وہ عجیب طرز کی حیرانی میں گم ہو گیا۔ اس نے سوچا کہ یہ لوگ مزدور کی حالت کا احساس بھی رکھتے ہیں اور ایسے سرمائے کے مالک ہیں جو شمالی چوٹیوں پر صدیوں سے جمے کسی برفانی تودے کی طرح ہے اور جس کی ٹھنڈک کسی بھی ذی روح کا سانس برفانی کر کے اسے موت کے گھاٹ اتار دیتی ہے۔

تب غازیا نے اس سے کہا:

میرے عزیز!

کچھ اور کہو!

اس نے کہا:

آج کی رات رہا کروا دو۔ وعدہ رہا کہ میں اب ان کے آنسو نہیں بہنے دوں گا۔ اب جا کر احساس ہوا ہے کہ ہم سرمائے کو موت بنا کر اپنی روحوں میں اتار دیتے ہیں اب جا کر احساس ہوا ہے کہ جب ہم بلاوجہ دوسروں کے جسم مردہ کرتے ہیں تو ان کی موت ہماری روحوں میں اتر آتی ہے جو جہنّم کے عذاب سے زیادہ خوفناک ہے۔

اس نے کہا:

میں سرمایہ دار نہیں بلکہ ان سرمایہ داروں کا باپ ہوں اور مجھے اس حقیقت کی اس وقت آگاہی

ملی جب میں رسیوں میں بندھا ہوا پھڑ پھڑا رہا ہوں۔ غازیا نے یہ وعدہ لے کر حکم دیا کہ ان سب کو آزاد کر دو۔

انتہا پسندوں کے احتجاجات بڑھتے جا رہے تھے۔ بعض اخباریں غازیا کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑی ہوئی تھیں اور اس کے خلاف طرح طرح کے مضامین چھاپے جا رہے تھے۔ اسے مسلمانوں اور خاص کر پاکستان کا ایجنٹ قرار دیا جا رہا تھا۔ بعض نے اسے دہشت گردوں کے سرغنے کا نام دیا ہوا تھا۔ نیلا کی کوشش تھی کہ پولیس اسے زندہ یا مردہ گرفتار کرنے کے انعام کی زیادہ سے زیادہ تشہیر کرے تاکہ عوام دلچسپی لیں اور ضرورت مند آگے بڑھ کر اس کا پیچھا کریں اور اسے ہلاک کر دیں۔ یہ ایک طرح سے ایسی جدوجہد تھی جس کا مقصد بھارت میں ہندوؤں کو مسلمان ہونے سے روکنا تھا۔ انتہا پسندوں نے بھانپ لیا تھا کہ جب جب مسلمانوں پر ظلم و جبر کیا جاتا تھا تو بہت سے نئی نسل کے ہندو قرآن پڑھنے کی طرف مائل ہوتے جا رہے تھے۔ ''غازیا کی جدوجہد'' اخبارات کا پسندیدہ موضوع بن چکا تھا۔ ایک ترقی پسند بڑی اخبار جس میں تمام مذاہب والوں کے مضامین چھپتے تھے اس میں جو غازیا کے بارے میں مضمون چھپا تو اس نے یونیورسٹیوں کے طلباء میں حد درجہ دلچسپی پیدا کر دی تھی کیونکہ مضمون نگار نے اپنے مضمون کا عنوان ''اچھوتوں کا نجات دہندہ'' رکھا تھا اور اس میں غازیا کی جدوجہد کو ''تحریکِ عظمتِ انسان'' کا نام دیا تھا۔ لکھنے والے نے ثابت کیا تھا کہ اس کے نظریات کسی فلسفے یا نظریے پر مبنی

نہیں بلکہ "قرآن کا پیغام" ہیں جنہیں جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ اس مضمون نے غازیا کے مخالفین کو سیخ پا کر دیا اور انہوں نے اخبار کو پولیس کے محکمے سے وارننگ کا نوٹس جاری کروا دیا جس میں لکھا تھا کہ:

"ایک ایسا ملزم جو بھارت اور ہندوازم کی بنیادوں کو ہلا دینے کی پالیسی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے پولیس کو مطلوب ہے اسے فلاں تاریخ کی اخبار کے فلاں مضمون میں اچھوتوں کا نجات دہندہ قرار دینا صریحاً قانون کا مذاق اڑانا ہے لہٰذا کیوں نہ اخبار کے مالک کو بھی اسی جرم میں شاملِ تفتیش کیا جائے"۔

اخبار کے مالک نے معذرت نامہ لکھ کر پولیس ڈیپارٹمنٹ میں جمع کروا دیا اور آئندہ کے لئے نہ صرف سخت احتیاط برتنے کا وعدہ کیا بلکہ ایک مضمون پہلے والے مضمون کو باطل قرار دینے کے لئے بھی چھاپ دیا۔ لیکن پہلے مضمون کے باعث کم تر ذات والوں کے طلباء اور طالبات میں اک خوشی کی لہر دوڑ گئی اور ان میں بہت سے ایسے بھی تھے جو اس کی مدد کرنا چاہتے تھے مگر انہیں اس کا اتا پتا معلوم نہیں تھا۔ کیونکہ اخبارات میں چھپنے والی خبروں میں اسے جنوبی بھارت میں ہی جدوجہد کرتے ظاہر کیا گیا تھا اور بار بار لکھا جاتا تھا کہ "قوم کی عظیم سپوتری نیلا دیوی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ اس کا گھیرا تنگ کرتی جا رہی ہے۔ چنانچہ قوم کو بہت جلد اس سلسلے میں خوشی کی خبر سننے میں ملے گی۔"

بہت سی طالبات جو بھارت کے اس کلچر سے متنفر ہو چکی تھیں جس میں کہ عورت کو "برہنگی اور بے حیائی" کا نشان بنا دیا گیا تھا وہ چاہتی تھیں کہ غازیا کی مدد کی جائے تا کہ وہ طاقت حاصل کر کے انسانی قدروں کے احیاء کی آواز بلند کر سکے اور بھارت ایسے کلچر اور ماحول سے نجات حاصل کر لے جس میں عورت کے جسم کو برہنہ گائے اور بھینسوں کی مانند پیش کیا جاتا ہے"۔ بنیادی طور پر یہ طالبات بڑے گھرانوں سے نہیں تھیں۔ یہ تمام کی تمام رسوا شدہ کمترین گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ انہیں کسی کی مالی اعانت حاصل نہیں تھی۔ البتہ بعض بڑے ہندو گھرانے جو ابھی تک شرم وحیاء اور خلوص ومحبت کی قدروں کی پرورش کرنے والے تھے ان کی بیٹیاں بھی خفیہ طور پر ان طالبات کو سپورٹ کرتی تھیں اور ان کے والدین بھی انہیں بھاری چندہ وغیرہ فراہم کرتے تھے۔ یہ طالبات ایسی تحریک شروع کرنے والی تھیں جس کا مقصد بھارت کو ایسے ترقی پسندی وآزاد خیالی پر مبنی کلچر سے نجات دلانا تھا جس میں آرٹ اور فن کے نام پر برہنگی اور جذبوں کی دہشت وتخریب کو عام کر دیا گیا تھا۔ دراصل اس کا مقصد تو پاکستان کے جوان ہوتے ہوئے بیٹوں وبیٹیوں کو اسلام کی قدروں سے منحرف کر کے انہیں سیکولر اور بے پہچان والی قوم بنا دینا تھا تا کہ وہ دوقومی نظریے جیسی تاریخی سچائی کا سرِ عام مذاق اڑائیں اور ہوتے ہوتے پاکستان کے کلچر کو باطل قرار دے کر پھر سے اکھنڈ بھارت کا نعرہ لگانے والوں کو سپورٹ کریں۔ لیکن بھارت نے پاکستان کے خلاف اس طرف سے کلچرل

جنگ شروع کر کے اپنی ہی عوام کو گمراہ کر کے رکھ دیا اور جنگل نما برہنگی سرعام پھیلتی چلی گئی جس کے نتیجے میں انسانی حیاء پر مبنی قدروں پر عمل کرنے والے گھرانے سراپا احتجاج بن گئے۔ ان گھرانوں میں ہندو، سکھ، پارسی، عیسائی، بدھ، مسلم سبھی شامل تھے۔ لیکن عملی طور پر قدم اس یونیورسٹی کی طالبات کے اس چھوٹے سے گروہ نے اٹھایا تھا اور انہوں نے پوری قوت سے حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ ٹی وی اور ڈش وغیرہ پر فلمیں یا کوئی بھی وہ طریقہ جو تفریح کی بجائے انسان کو شرمندہ کر دے اور وہ اپنے آپ کو جانوروں سے بھی گرا ہوا محسوس کرے اسے فوری طور پر ''انسان کی مشترکہ قدروں'' کا پابند کیا جائے۔

طالبات کا احتجاج بڑھتا جا رہا تھا مگر انتہا پسند بھارت کے اس طریقہ کو مسلمانوں کے خلاف کلچرل وارفیئر یعنی ثقافتی جنگ قرار دیتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ:

'' عمومی طور پر مسلمانوں کو اور خصوصی طور پر پاکستانیوں کو اسی جال میں لا کر شکستِ فاش دی جائے گی۔ یہاں تک کہ پاکستانیوں کے بچے اسلامی تہواروں کے نام تک بھول کر صرف ہندو تہواروں کے نام یاد رکھا کریں گے اور پاکستانی لڑکیاں اسلام کی عظیم شخصیتوں کے نام بھول کر صرف بھارت کے فلمی ہیروز کے نام الاپا کریں گی اور یوں دھیرے دھیرے ان کے بچے پاکستان سے نفرت اور بھارت سے محبت پر آمادہ ہو کر خود ہی پاکستان کو مٹانے کے درپے ہو جائیں گے اور اس طرح بھارت کو اسلامیوں کے سب سے زیادہ

طاقتور مسلم ملک کو جنگ کے ذریعے ختم کرنے کی نوبت نہیں آئے گی"

لیکن ان طالبات کا استدلال بڑا دلچسپ، طاقت ور اور دلوں کو ہلا دینے والا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ:

"دشمن کے گھر کو آگ لگانے کے لئے کیا یہ ضروری ہے کہ اپنے گھر کے افراد کے دماغوں کو کچل کر انہیں پہلے بے کردار کر دیا جائے۔"

ان طالبات نے حکومت کو جو احتجاجی نوٹ بھیجا تھا اس میں یہ بھی لکھا گیا تھا کہ "اگرچہ پاکستان کی حکومتیں عملی طور پر سیکولر رہی ہیں لیکن عوام اسلامی قدروں سے بے پناہ محبت کرنے والے ہیں اس لئے گنتی کے گھرانوں کو چھوڑ کر وہاں کے بیٹوں اور بیٹیوں کو گمراہ نہیں کیا جاسکتا لہٰذا حکومت اس ثقافتی یلغار کی طرز بدلے کیونکہ اس سے پاکستان کی بجائے بھارت کے عوام احساسِ کمتری و ذہنی رسوائی کا شکار ہو رہے ہیں۔"

لوک سبھا میں موجود انتہا پسندوں کے مددگار بعض عوامی نمائندوں نے ان طالبات کا یہ احتجاجی مراسلہ حکومت تک نہ پہنچنے دیا اور ان پر کچھ دنوں کے بعد ان طالبات پر غنڈوں سے حملہ کروادیا۔ یہ طالبات پہلے ہی غریب گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ان کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا۔ انہیں بڑی بری طرح مارا پیٹا گیا۔ ان کی آبرو پر ہاتھ ڈالا گیا۔ انہیں یونیورسٹی کے اندر اور باہر سر عام رسوا و ذلیل کیا گیا۔ زنانہ پولیس نے آ کر ان طالبات کو ہنگامہ

آرائی اور بدامنی پھیلانے کے جرم میں گرفتار کرلیا۔انہیں جیل لے جا کر رسوا کرنے کی حد کر دی۔

غازیا جس وقت چھپا ہوا تھا اس نے بعض اخباروں میں اپنا ایک کھلا خط بعنوان ''انتہا پسندوں کا جبر'' حکومت کے نام اخبارات میں چھپنے کے لئے بھیجا تھا۔ اس میں اس نے لکھا تھا کہ:

بعد از آداب محمد غازیا کی جانب سے حکومتِ بھارت کے نام!

'' واضح ہو کہ میں نے فلاں فلاں وجوہات کی بناء پر دینِ اسلام اختیار کرلیا تھا۔ جس کا مقصد قطعی طور پر کسی دوسرے مذہب کی توہین نہیں بلکہ اپنی شعوری پسند کا احترام کرنا تھا۔لیکن سیکولر بھارت کے انتہاپسند اس کی جان کے درپے ہیں اور اس طرح وہ بھارت کے آئین کے خلاف جرم کررہے ہیں جس کے لئے حکومت کو فوری طور پر اپنے شہری کی حفاظت کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیئے۔اس سلسلے میں اگر حکومت آگے نہ بڑھی تو میں ملک کے بڑے بڑے سکالروں سے اپیل کروں گا کہ وہ انسان کی دو بنیادی قدروں یعنی ''ذہنی آزادی اور حیا'' کے لئے متحد ہو کر اٹھ کھڑے ہوں اور میری اس ''آواز کو توانائی بخشیں'' تا کہ یہ بھارت میں چلنے والی ''جسم کی آزادی اور شعور کی تخریب'' والی تحریک کو ختم کردے اور یوں بھارت دنیا میں برہنگی کی وجہ سے نہیں بلکہ بہتر قدروں کی وجہ سے پہچانا جائے''۔

یہ خط اس نے ملک کی تقریباً تمام بڑی بڑی اخباروں کو بھیجا تھا مگر اسے صرف ایک اخبار نے ہی جگہ دی۔ یہ اگرچہ نیا نیا اخبار تھا لیکن یہ زیادہ طلباء یونین اور مزدور یونین کی خبروں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا تھا جس کی وجہ سے یہ اخبار ان طبقوں میں اپنی جگہ بنانے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اس خط نے حیرت انگیز اثر کیا۔ مذکورہ طبقوں کے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور بڑی پذیرائی دی۔ آزاد ذہنوں والے طلباء کا گروہ کافی سرگرمِ عمل ہوگیا۔ اس گروہ میں تقریباً تمام مذاہب کے طلباء تھے۔ یہ افراد صرف دو نکات پر متفق ہوئے اور اس سلسلے میں وہ قلم کے ذریعے جنگ جاری رکھنے پر آمادہ ہوئے۔ انہوں نے غازیا کے اس نظریئے کی بھرپور حمایت کی کہ:

* "ہر مذہب صرف اسی شکل میں پیش کیا جائے جس شکل میں کہ اس کے اوتار یا پیغمبر پر اتری ہوئی کتاب عمل کا راستہ دکھاتی ہے اور اس کے علاوہ اس مذہب کی کسی ہستی کی کوئی بات اس میں شامل ہونے کی اجازت نہ ہو اور یہ کام سپریم کورٹ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ مذاہب کے پیروں کاروں کو صرف متعین راستے کا پابند کر دے اور بھارتی حکومت فرقہ وارانہ فسادات سے مامون ہو کر ترقی اور برابری کا احساس پیدا کر سکے"۔

* دوسرے یہ کہ الیکٹرانک میڈیا پر فحش اور برہنگی پر پابندی لگائی جائے۔

حکومت نے غازیا کے خط پر قطعی توجہ نہ دی۔ البتہ انتہا پسندوں نے اسے آڑے ہاتھوں لیا

اور پوری شدومد سے اس کا نہ صرف جواب دیا بلکہ اسے ملک کا سب سے بڑا دشمن قرار دیا۔

ان کا کہنا تھا کہ:

غازیا اصل میں مسلمانوں کا اور خاص کر پاکستان کا ایجنٹ ہے اور اس کے نظریات دراصل وہ وجوہات ہیں جن کو پاکستانی اخباروں نے بڑھا چڑھا کر غازیا کے مسلمان ہونے کی روداد میں چھاپا تھا۔ لیکن بعد میں پاکستانی حکومت کو خود اس کے نظریات کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے کیونکہ وہاں اسی کی ایما پر "ذہنی آزادی اور حیا" کی تحریک نئی نسل کے لڑکوں اور لڑکیوں نے شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے اپنے فرقے کو مسترد کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ان کی اپنی بعض مذہبی تنظیموں نے غازیا کے نظریات کو ملحدانہ، کافرانہ اور تضادات سے بھرپور قرار دیا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی کی بناء پر بھارت میں ذہنی خلفشار اور فرقہ وارانہ فسادات پیدا کروانا چاہتا ہے۔ البتہ پاکستان کی وہ مذہبی تنظیمیں مبارک باد کی مستحق ہیں جنہوں نے بروقت اقدام کر کے اپنے اپنے فرقوں کو غازیا کی ملحدانہ یلغار سے محفوظ کر لیا۔ انہوں نے حکومت وقت کو لکھا کہ:

غازیا کے خلاف گھیرا تنگ کر دیا جائے اور اسے مذاہب کی بالواسطہ اور بلاواسطہ توہین کرنے سے باز رکھا جائے اور اسے فوری گرفتار کر کے سخت تفتیش کی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ "وہ کیونکر بھارت کے خلاف کام کر رہا ہے"

انہوں نے بھارتی عوام سے یہ اپیل بھی کی کہ وہ نیلا دیوی کے ہاتھ مضبوط کریں جو کہ
غازیا کا پیچھا کر رہی ہے اور اس کے لئے بھارت کی زمین تنگ کرتی جا رہی ہے" اور حکومتِ
وقت پر زور دیا کہ:

"غازیا کو زندہ مردہ گرفتار کرنے کا اگرچہ پہلے ہی انعام رکھا جا چکا ہے مگر اس سلسلے میں
متعلقہ ایجنسیوں کی کارکردگی ابھی تک زیادہ قابلِ تعریف نہیں رہی اور یہ کہ اس کے لئے نیلا
دیوی کو زیادہ سے زیادہ مدد فراہم کی جائے۔ تاکہ وہ اس کا قلع قمع کر سکے اور اگر ایسا نہ کیا
گیا تو وہ بھارت کی نئی نسلوں کو گمراہ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور وہ "ذہنی آزادی، حیا
اور برابری" کی نام نہاد قدروں کی تحریک کی بناء پر بغاوت اور فسادات پر آمادہ ہو کر
بھارت کی سلامتی سالمیت کو خطرے میں ڈال دیں گی۔"

طلباء یونین کی بعض تنظیموں نے شروع شروع میں انتہا پسندوں کے تجزیے کو متعصّبانہ قرار
دے کر مسترد کر دیا اور غازیا کے حق میں آواز اٹھانے کے لئے مشورے شروع کر دیئے لیکن
چند ہی دنوں میں وہ تمام تنظیمیں خاموش ہو گئیں اور انہوں نے بھی آہستہ آہستہ غازیا اور اس
کے نظریات کے خلاف لکھنا

اور کہنا شروع کر دیا۔

البتہ طالبات کی ایک یونین کی سربراہ طالبہ سنیتا ڈٹی رہی اور اس نے غازیا کے خلاف بولنے

سے انکار کر دیا بلکہ پوری قوت سے اس کی آواز کو بڑھانے کے لئے لائحہ عمل بنا ڈالا۔ یہ لڑکی خاندانی طور پر ہندوؤں کی ایسی ذات سے تعلق رکھتی تھی جسے ذلت کی ماری ہوئی کمتر ذات گنا جاتا ہے۔ اس پر دباؤ ڈالنے والے اس کے بارے میں زیادہ متفکر نہیں تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ وہ جب چاہیں گے اسے خاموش کر ڈالیں گے کیونکہ اس کی مدد کرنے والا کوئی نہ تھا مگر وہ ذہین اور دلیر تھی۔ اس کی دیکھا دیکھی کچھ اور طالبات نے بھی اس تحریک میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

اگلے دو ایک ہفتوں میں کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایسے کئی جلسے ہوئے جس میں قرار دادیں پاس کی گئیں کہ بھارتی حکومت ''ذہنی آزادی، حیا اور برابری'' کی قدروں کو سرکاری طور پر نافذ کرے۔

انتہا پسندوں کے ایما پر مخالف یونین نے بھی جلسے کئے اور اس میں قرار دادیں پاس کی گئیں کہ:

''بھارت میں پہلے ہی سب سے زیادہ ذہنی آزادی ہے اسی لئے یہ سب سے بڑی جمہوریت ہے اور سیکولر ہے۔ اس آزادی کی ضرورت پاکستان کو ہے جس کی ایما پر یہ لوگ تحریک چلا رہے ہیں اور ''حیا اور برابری'' کا بھارت کا اپنا طریقہ ہے اس کے لئے وہ کسی کی ڈکٹیشن برداشت نہیں کر سکتا۔''

ان طالبات نے انتہا پسندوں کی یونین کی تقریروں اور قرار دادوں کا بھرپور جواب دیا۔

انہوں نے ثابت کرنے کی کوشش کی کہ:

''بھارت میں جسے ذہنی آزادی کہا جاتا ہے وہ دراصل جسم کی آزادی، شعور کی تخریب اور غربت قائم رکھنے کا جبر ہے۔''

وہ کہتے تھے کہ:

''ذہنی آزادی والے امریکہ کی اس محقق کی تحقیق پر توجہ کیوں نہیں دیتے جس میں بتایا گیا ہے کہ بھارت کے فلاں فلاں علاقے میں غربت کے ہاتھوں تنگ مائیں اور باپ بچوں کو قتل کر کے دفن کر دیتے ہیں اور ان کی لاتعداد قبریں موجود ہیں اور اس ذہنی آزادی کی وجہ سے صرف کلکتے اور بمبئی میں لاکھوں جسم فروش عورتیں ہیں۔''

وہ یہ بھی تقریریں کرتے کہ:

''کیا مسلمانوں کی مساجد کو آگ لگانا، گرجوں کو برباد کرنا اور گوردواروں کو اس وجہ سے تہس نہس کرنا کہ وہ دوسرے مذاہب کے معبد ہیں ذہنی آزادی ہے؟''

وہ جلسوں میں غازیا کے نظریات کا حوالہ دے کر کہتیں کہ:

''ذہنی آزادی وہ ہوتی ہے جو انصاف وعدل قائم رکھنے کے لیے سر گرمِ عمل ہو اور برابری وہ ہوتی ہے جس میں انسان ذات پات یا رنگ و نسل کے حوالے سے برتر و کمتر نہ سمجھا جائے اور انسان صرف انسان ہونے کی وجہ سے ہی محترم سمجھا جائے اور حیا وہ ہوتا ہے جس میں عورت یا مرد

اپنے جسموں کی نمائش نہیں بلکہ ایسے لباسوں کا پابند کریں جو واضح طور پر جانوروں سے مختلف بہتر اور محترم لگیں۔''

ان کی ایسی تقریروں نے انتہا پسند طلباء کو مزید مشتعل کر دیا اور انہوں نے علی الا اعلان انہیں مسلمانوں کے گماشتوں میں شمار کیا۔

ان طلباء کے لیڈر کا کہنا تھا کہ:

''یہ وہی باتیں ہیں جو غازیا نے سیمنار میں قرآن کے حوالے سے کی تھیں اور اب ان کو دہرانے کا مقصد اسلام کی تبلیغ کے لئے راہ ہموار کرنا ہے تا کہ ہندوؤں کو ان کے مذہب سے بدظن کیا جائے۔انہوں نے چیلنج کیا کہ یہ طالبات پاکستان کے بعض مبلغین کی مدد سے ایسا کر رہی ہیں اور انہوں نے طالبات سے اسی حوالے سے سوالات کیے کہ:

''پاکستان کے جن افراد کے اشاروں پر یہ بھارت میں اک نئی تحریک کو آگے بڑھا رہی ہیں وہ اپنے محسنوں سے پوچھیں کہ کیا پاکستان میں اسلام نے طوائفیں ختم کر دی ہیں اور ہاریوں' وڈیروں' کی کمینوں، سّیدوں' مراثیوں' جولاہوں میں برابری پیدا کر دی ہے۔کیا پاکستان کے اکثر وزیروں' مشیروں امیروں کے ذہنی اور جسمانی عیاشیوں کے ذرائع ختم کر کے حیا نافذ کر دیا گیا ہے اور کیا وہاں فاقہ کشی' بے عدلی' بے روزگاری اور غربت کے جبر سے مجبور ہو کر خودکشی کرنے والوں اور مر جانے والوں کی قبروں کی گنتی مکمل ہو گئی ہے اور کیا

عورتوں کا قرآن سے شادیاں کرنا بند کر دیا گیا ہے؟"

انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ ان طالبات کے جلسے جلوسوں اور تقریروں پر پابندی لگائی جائے تا کہ یہ بھارت کے خلاف پاکستان کے مقاصد کو پورا نہ کرسکیں۔

جس خبر نے غازیا کو ہلا کے رکھ دیا وہ یہ تھی کہ اس کے درجن بھر بہترین ساتھی گرفتار کر لئے گئے تھے مگر تا حال تسلی یہ تھی کہ انہیں نیلا کے آدمیوں نے نہیں بلکہ پولیس نے ساری اچھوتوں کی بستی کے مردوں کو گرفتار کرلیا ہوا تھا۔ اس بستی پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے چند میل دور بڑی ذات والوں کے گاؤں پر حملہ کر کے انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی۔ جب کہ اچھوتوں کا کہنا تھا کہ:

"وہ جنم جنم سے ان سے خوف زدہ ہیں اس لئے ان کا کوئی مرد یا رشتہ دار یہ جرأت نہیں کرسکتا۔ پولیس ان کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی اور ایک وزیر کے بار بار ٹیلیفون آنے پر وہ بستی والوں پہ تشدد کرنے پر مجبور تھے۔ جب اس بستی پر چھاپا مارا گیا اس وقت غازیا کے ساتھی اپنے اپنے گھروں میں ملاقات کی غرض سے گئے ہوئے تھے اور وہاں کے بچے، بوڑھے، عورتیں غازیا کی خیریت دریافت کررہی تھیں۔ یہ لوگ غازیا کے دیوانے ہو چکے تھے اور مزے لے لے کر غازیا کے بارے میں پوچھتے تھے۔ وہ انہیں بتاتے تھے کہ غازیا کا مشن عبرت گاہ کو حاصل کرنا ہے جس میں وہ ہم سب مسلمان ہو جانے والوں کو لے جائے گا اور پھر ہم سب مل

کر اسے حسین بستی بناڈالیں گے۔ وہ بتلاتے تھے کہ کس طرح غازیا ان کی دن رات سخت تربیت کرتا ہے اور انہیں قرآن کے بارے میں آگاہی دیتا ہے۔ گھر والے اپنے نوجوانوں سے مل کر انہیں عجیب طرح کا بدلا ہوا انسان محسوس کرتے تھے۔

یہ لوگ بڑی ذات والوں کے جبر وستم سے تنگ آچکے تھے۔ وہ نسل در نسل ان کا جبر سہہ رہے تھے۔ جب کبھی ان کے حالات اچھے ہونے لگتے وہ انہیں پولیس والوں کے ہتھے چڑھا دیتے ایسے میں ان کی پونجی کبھی بھی نہ بچتی۔ ان کی کوئی داو فریاد سننے والا نہیں تھا۔ اب جا کر غازیا اک امید کی کرن بنا تھا۔ وہ ان کے احوال سے مکمل طور پر آگاہ ہو چکا تھا۔ تبھی اس نے ان کے مردوں کو تربیت دینے کا منصوبہ بنالیا تھا۔ اس کی یہ قطعی طور پر شرط نہیں تھی کہ کوئی مسلمان ہو۔ وہ صرف انہیں نجات دلانا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ:

"رسوائی کے مارے ہوئے ان لوگوں کو بھی انسانوں میں شمار کیا جائے"۔

لیکن اس کے اطوار ایسے تھے کہ دیکھا دیکھی اس بستی کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ اس نے بڑے ہی رازدارانہ طور پر اور انتہائی خفیہ طریقے سے ان کی گوریلا تربیت شروع کر رکھی تھی اور اس کے لئے ان اچھوت لوگوں نے ہی ایک ایسے سمندری قلعے کا پتہ بتایا تھا جو مدتوں سے ویران تھا اور جہاں کسی کی بھی عام حالات میں رسائی نہیں تھی۔

وہ لوگ صرف دو دنوں کے لئے اپنے گھر والوں سے ملنے آئے تھے۔ انہیں جس طریقے

سے گرفتار کیا گیا اور جس الزام پر پکڑا گیا اس سے ظاہر تھا کہ ابھی حکومت کے کارندے ان کی اصل تربیت سے واقف نہیں تھے اور وہ عادتاً ان پر تشدد کر کے جیل بھیجنا چاہتے تھے۔ سو انہوں نے یوں ہی کیا۔ ایک خبر کے مطابق وہ انہیں فورٹ والی جیل میں لے جا چکے تھے۔

یہ قلعہ جیل میں بدل دیا گیا ہوا تھا۔ کسی زمانے میں پرتگیزیوں نے اسے تعمیر کیا تھا۔ اس کے چاروں اطراف بڑی بڑی دیواریں تھیں جنہیں پتھروں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ شہر سے دور ہونے کی بناء پر آنے جانے والوں پر بخوبی نظر رکھی جا سکتی تھی۔ جنہیں ٹارچر کرنا ہوتا تھا انہیں بھی اسی قلعے میں بند کیا جاتا۔ جنہیں باغی سمجھا جاتا انہیں بھی اس قلعہ میں اور جنہیں جاسوس و دہشت گرد گردانا جاتا وہ بھی اسی قلعہ میں بند رہتے تھے۔ اس وجہ سے اس پر اچھی خاصی نگرانی رہتی اور گارڈ خالی بندوقوں کی بجائے بھری ہوئی بندوقوں سے پہرے داری کرتے۔ اس میں ایک سے زیادہ ٹیلی فون لائنیں تھیں۔ ملاقاتیوں کو ویسے ہی اس قلعے میں آنے کی اجازت نہیں تھی اور اگر کوئی خصوصی اجازت سے آ ہی جائے تو اسے کچھ لے دے کر ہی اجازت ملتی۔

نیلا کے آدمی غازیا کو جن علاقوں میں تلاش کر رہے تھے وہ اچھوتوں کی اس بستی سے تو خاصا دور تھا اور وہ قلعہ جہاں غازیا اور اس کے ساتھی پناہ لے چکے تھے وہ یوں بھی فورٹ جیل سے بہت زیادہ فاصلے پر تھا اور تا حال غازیا اور اس کے ساتھیوں نے وہاں سے نکل

کر بہت دنوں سے نیلا کے آدمیوں پر حملہ نہیں کیا تھا اور اگر چہ پچھلی کارروائی میں تشدد پسندوں کے کئی ٹھکانوں کو اُڑا دیا گیا تھا اور انتہا پسندوں کے سربراہ کی حویلی کو بھی زمین بوس کر دیا گیا تھا مگر ان کارروائیوں کو بھی کافی دن گزر گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے بارے میں نیلا کو کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ لیکن اس کا حکم تھا کہ تلاش جاری رکھی جائے۔ وہ جانتی تھی کہ غازیا جیسا شخص اس کے آدمیوں کو بے خیال کر کے کسی بھی وقت آ لے گا اور ان کے دفاعی انداز اختیار کرنے کا مطلب نیلا کی شکست اور غازیا کی فتح ہو گی جو علاقے کے کم تر لوگوں اور مسلمانوں کے لئے حوصلہ افزا ہو گی۔

غازیا اب نئی مشکل میں الجھ چکا تھا۔ وہ عارضی طور پر نیلا کی منصوبہ بندی کے مقابل جوابی کارروائیوں کے لئے متفکر نہیں تھا۔ اسے اپنے بہترین ساتھیوں کی فکر تھی۔ ساتھیوں کو چھڑانے کا اس کے پاس کوئی راستہ نہیں تھا۔ آج تک جب بھی ان کے رشتہ داروں نے ایسے مقدمات میں ان کی ضمانت کی کوشش کی تھی تو وہ ناکام رہے تھے اور اگر کبھی پہلے ایسا ہوا تھا تو انہیں بہت سی تاریخوں کا عذاب جھیلنا پڑا تھا۔ غازیا کو برطانوی طرز کے نظامِ عدالت سے ویسے ہی نفرت تھی۔

اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور قلعہ پر حملے کا منصوبہ تیار کر لیا۔ اس نے ان کے گھروں میں پیغام بھیج دیا کہ کوئی ان کی ضمانت نہیں کروائے گا اور نہ کوئی ان کی ملاقات کے

لئے جائے گا۔ان میں سے بعض لوگ جان گئے تھے کہ:

''غازیا کوئی بڑھ کر کارروائی کرنے والا ہے۔اس لئے انہوں نے دم سادھ لئے اور کسی نے کوئی تگ ودو نہ کی۔ پہلے یہ تھا کہ ایسے حالات میں لوگ روتے کُرلاتے، گڑگڑاتے بڑی ذات والوں کے پاؤں پڑتے، پولیس کی منت سماجت کرتے اور روتے رہتے اور کوئی انہیں دلاسا دینے نہ آتا مگر غازیا نے انہیں مشکل حالات میں ''اللہ'' کا ورد بڑھانے کا نسخہ دیا ہوا تھا اور بتلایا ہوا تھا کہ:

''مشکلات کے خلاف مشترکہ جدوجہد زیادہ توانا وطاقتور ہوتی ہے اور بہتر رنگ لاتی ہے''۔

یہ لوگ اب زندگی اور موت سے بے نیاز ہو گئے تھے۔

بڑی ذات والے حیران تھے کہ اس بستــــی والوں میں سے کوئی بھی ان کے پاس نہ آیا تھا اور کوئی منت سماجت بھی نہ کرر ہا تھا۔وہ بستی ویسے ہی پرسکون ومطمئن تھی۔ یہ حیران کن تھا۔ یہ حالات ان کی روحوں کو تڑپا دینے والے تھے۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ ''اچھوت بے خوف ہوتے جا رہے ہیں''۔ ایسی بے خوفی انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔یہ ایک گروہ کے لئے بہاروں کی نوید ہوتی ہے اور دوسرے گروہ کے لئے خزاؤں کی خبر۔

غازیا کی جنگی دانش بے مثال تھی۔وہ مختلف ذرائع سے اسلحہ حاصل کرنے میں کامیاب

ہو چکا تھا اور سب سے زیادہ اسلحہ اسے نیلا کی بستی سے ملا تھا جسے وہ اچھوتوں کی مدد سے کچھ اس قلعہ میں اور کچھ اچھوتوں کی بتلائی ہوئی جگہ پر ادھر ادھر چھپا چکا تھا۔ حملہ کرنے سے پہلے وہ ذاتی طور پر چیدہ چیدہ جگہ کا جائزہ لینا ضروری سمجھتا تھا۔ اس نے فورٹ جیل میں ساتھیوں سے ملاقات کا پروگرام بنالیا تاکہ وہاں کا ماحول زمین اور اردگرد کی تعمیر کا جائزہ لے سکے۔ اسے اگرچہ خدشہ تھا کہ کوئی اسے پہچان کر پولیس کے حوالے نہ کر دے اور پولیس بذاتِ خود پہچان کر اسے حراست میں نہ لے لے لیکن ان حالات سے نکلنا ضروری تھا اور اس کے لئے سوائے جیل سے انہیں فرار کروانے کے کوئی راستہ نہ تھا۔ ورنہ اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا یا قانون کا سہارا لیا جاتا تو وہ سالوں سال مقید رہتے یا باہر آ کر بھی بھٹکتے رہتے مگر اس وقت غازیا کو اُن کی مدد کی شدید ضرورت تھی۔ وہ ایک بڑی جنگ کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ وہ انہیں قطعی طور پر ان کے حال پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

ذرا دُور کے شہر میں یہ ایک ہنگامہ خیز صبح تھی۔ پچھلے دو ایک روز سے مسلم کش فسادات پھوٹ پڑے تھے اور بہت سے لوگوں کو گرفتار کر کے اس فورٹ جیل میں لایا جا رہا تھا۔ ہلاک ہونے والے بھی مسلمان تھے اور گرفتار ہونے والے بھی مسلمان تھے۔ یہ ایک دردناک منظر ہوتا تھا۔ جیل والے ایسے ہنگاموں سے تنگ تھے۔ وہ انہیں باقاعدہ جیل میں بند کرنے کی بجائے دو چار روز کے لئے صرف قلعے کے اندر کھینچتے تاکہ جلتی آگ ٹھنڈی ہو جائے۔

غازیانے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس کا ایک ساتھی ہنگامہ کرنے والوں میں گرفتار ہوکر قلعے کے اندر پہنچ گیا تا کہ دو چار روز میں فورٹ جیل کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل ہوسکیں۔

اس کے دیگر ساتھیوں کو فورٹ کی پچھلی جانب بند کیا گیا تھا۔ گرفتاری کے بعد ان کی جانب سے کوئی شخص بھی ان کی خبر لینے نہیں آیا تھا۔ پولیس کو انتظار تھا کہ کوئی آئے تو معاملہ طے ہو لیکن ایسا نہ ہوا چنانچہ ایک پولیس آفیسر نے ان پر تشدد کا منصوبہ بنایا تا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں کو پکاریں اور وہ انہیں چھڑانے کے لئے وہاں پہنچیں۔ یہ عجیب فورٹ تھا۔ یہ بہت پُراسرار تھا کیونکہ اس میں قیدی ایک جانب اور غیر قیدی طرز کے کچھ افراد فورٹ کے بڑے تہہ خانے میں دوسری جانب ہوتے تھے جہاں پر کہ کسی فوجی میجر کا آنا جانا ہوتا تھا۔ یہ آدھے فورٹ سے کچھ کم حصہ تھا جس کا پولیس والے حصے سے چنداں تعلق نہیں تھا۔ البتہ میجر کے وہاں کے ہم مرتبہ آفیسر سے اچھے تعلقات تھے جو کہ جیل آفیسر کہلاتا تھا اور پہلے وہ بھی فوج میں تھا۔

یہ دوسری رات تھی جب شہریوں کے ساتھ گرفتار ہونے والے ساتھی نے محسوس کیا کہ جہاں اس کے دوسرے ساتھی بند تھے ان پر ایسے کچھ افراد تشدد کرتے تھے جو پولیس والوں میں سے نہیں لگ رہے تھے اور انہیں فورٹ کی دوسری جانب والے تہہ خانے سے

بلایا گیا تھا۔ غازیا کے ان ساتھیوں کو پولیس نے باندھا ہوا تھا اور تشدد کرنے والے اپنی مرضی سے تشدد کر رہے تھے۔ اس نے یہ بھی مشاہدہ کیا کہ تین ایک بار آئے تھے اور تین دوسری بار اور دونوں پارٹیاں آپس میں بے خبر تھیں کیونکہ دونوں کو علیحدہ رکھا جاتا تھا اور انہیں آپس میں ملنے کی اجازت نہیں تھی۔ وہ مکمل طور پر ایک دوسرے سے مختلف حُلیے میں ہوتے تھے۔

اگلے دو چار روز بعد تمام ہنگامہ آرائی کرنے والوں کو چھوڑ دیا گیا اور وہ ساتھی بھی رہا ہو کر غازیا کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے غازیا کو جیل کے کلچر سے آگاہ کیا اور کچھ فورٹ کی تعمیر و نگرانی کے بارے میں بھی بتلایا۔ اس نے خاص کر تشدد کرنے والوں کے بارے میں بتلایا اور یہ بھی انکشاف کیا کہ فورٹ میں دو مختلف جگہوں پر تہہ خانے ہیں دراصل ان کے بارے میں تفصیلاً معلومات اس کے ساتھ گرفتار ہونے والوں میں سے ایک بوڑھے مسلمان مولوی نے فراہم کی تھیں۔ یہ معلومات اس نے سادگی سے باتوں باتوں میں کہہ دی تھیں۔ اس نے بتلایا تھا کہ:

"کئی سال پہلے مسلم کش فسادات میں جنہیں گرفتار کیا گیا تھا ان میں ایک وہ بھی تھا اور انہیں تشدد کے لئے ان تہہ خانوں میں لے جایا جاتا تھا۔ اس نے بتلایا تھا کہ ان تک جانے کے کوئی آسان راستے نہیں ہیں۔"

اس ساتھی نے بوڑھے سے استفسار کیا تھا کہ:

تہہ خانوں سے تشدد کے لئے آنے والے وہاں کیوں رکھے جاتے ہیں؟ تو اس نے جواباً کہا تھا کہ:

"یہ ایک راز ہے جسے وہ یا اس جیسے لوگ نہیں جان پائے۔ ہوسکتا ہے وہ پولیس کے اپنے خاص لوگ ہوں"۔

بتلانے والے نے یہ بھی بتلایا تھا کہ:

"ان کی زبان کے لہجہ اور الفاظ فورٹ میں موجود پولیس والوں سے مختلف ہوتے ہیں اور جب وہ تہہ خانے سے باہر آتے ہیں تو وہاں پولیس کا کوئی آدمی نہیں ہوتا البتہ جیل وارڈن کبھی کبھی چکر لگاتا ہے۔"

مزید سوالات کے جواب میں بوڑھے نے لاعلمی ظاہر کی تھی مگر ساتھ یہ بھی کہا تھا کہ:

"یہ پولیس والوں کے معاملے ہیں وہ دن کو کیا کرتے ہیں اور رات کو کیا کرتے ہیں اس کے بارے میں اتنا باریکی سے جاننا صرف اپنے دل کو جلانا ہے۔ البتہ دعا کرو کہ زندگی میں کوئی ان کے ہتھے نہ چڑھے۔"

ساتھی کو صرف اس قدر ہی اس سے معلومات مل سکی تھیں جو غازیا کے لئے بہت ہی ناکافی تھیں مگر اس نے ساتھی سے بہت سے سوالات کر کے ایسا نقشہ تیار کروالیا تھا کہ جس سے اسے فورٹ کے بارے میں قابلِ عمل آگاہی مل سکتی ہو۔

اگلے تین چار روز تک غازیا نے اپنے خاص ترین ساتھیوں سے مشورہ جاری رکھا۔ اب اس کی منزل فورٹ پر غلبہ حاصل کر کے ساتھیوں کو رہا کروانا تھا اور یہ انتہائی اہم تھا کیوں کہ تشدد کے دوران اگر کوئی بے خیالی میں بھی اپنے مسلمان ہونے یا غازیا سے تعلق کے بارے میں بات کر دیتا تو اک نیا ہنگامہ کھڑا ہو جاتا اور نیلا سے دور رہ کر اس علاقے میں ان کی آئندہ کے لئے تمام تیاریاں دھری کی دھری رہ جاتیں اور وہ انقلابی تحریک جس کی کہ وہ اس علاقے میں راہنمائی کرنا چاہتا تھا صرف خواب ہو کے رہ جاتی اور روندے ہوئے لوگ جو امید لگائے بیٹھے تھے وہ اسلام کی رحمتوں کے طفیل زندگی کی حسین مسرتوں سے محروم رہ جاتے۔ اسے اپنی منصوبہ بندی کے دوران اس ناگہانی صورتِ حال کا سامنا تھا۔ آئین، قانون، اصول اور عمومی زندگی کے باقاعدہ طریقِ کار اس کے لئے بے معنی اور بے رحم تھے۔ وہ ان کی مدد کا سہارا لیتا تو اسے نتائج کے لئے سالوں کا انتظار کرنا پڑتا۔ اسے یہ بھی علم نہیں تھا کہ فورٹ جیل کی نگرانی کے لئے انہوں نے رات اور دن کا کیا نظام قائم کر رکھا تھا۔

غازیا نے اگلے دو دن اور دو راتوں کو بذاتِ خود وہاں کے بیرونی ماحول کا جائزہ لیا۔ رات کو اس نے دیکھا کہ سرِ شام پولیس گارڈ دو دو کی ٹولیوں میں فورٹ کے اردگرد چکر لگانے شروع کر دیتی تھی تاکہ باہر سے اگر مشکوک افراد نظر آئیں تو انہیں دھر لیا جائے یا کم از کم لوگوں پر خوف طاری رکھا جائے اور انہیں خبر ہو جائے کہ فورٹ کی بڑی سخت اور کڑی نگرانی

ہوتی ہے۔ یہ فورٹ کیونکہ ساحلِ سمندر پر تھا اور کبھی حملہ آوروں کے بچاؤ کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اس لئے اس میں دفاعی ضروریات کو مدِ نظر رکھ کر ہی تہہ خانے اور ادھر ادھر خفیہ کمرے تعمیر کیے گئے تھے۔

پچھلے ایک ڈیڑھ ہفتے سے اس نے بڑی ہوشیاری اور تندہی سے کم از کم اپنے چالیس ساتھیوں کے ساتھ فورٹ جیل پر غلبہ حاصل کرنے کے لئے دن رات ریہرسل کی اور ہر اس طریقۂ کار کا جائزہ لیا جو زیادہ سے زیادہ بچ بچاؤ پر مبنی تھا تا کہ دونوں اطراف سے مادی نقصان ہو تو ہو مگر جانی نقصان نہ ہو۔ رہا ہونے والے ساتھی نے غازیا کو تہہ خانے والے افراد پر قابو پانے کے لئے خاص کر ترغیب دی تھی تا کہ حملے اور غلبے کے دوران تہہ خانے میں موجود افراد کہیں کسی کمین گاہ سے حملہ آور نہ ہو جائیں یا تہہ خانے سے ہی کسی وائرلیس، ٹیلیفون یا کسی اور طریقۂ کار سے فورٹ سے دور پولیس یا سرکار سے فوری مدد نہ طلب کر لیں۔ اس لئے سب سے پہلے انہیں حراست میں لے کر بچے کھچے پولیس والوں کا صفایا کرنا ضروری تھا۔ رہا ہونے والے کو یہ علم نہیں تھا کہ تہہ خانے بذاتِ خود کیا ہیں اور ان تک پہنچنے کے لئے کتنے اور راستے ہیں جن تک رسائی حاصل کی جائے۔ غازیا کی یہ خواہش اور تگ و دو تھی کہ جتنی جلد ممکن ہو وہ اتنی طاقت حاصل کر لے کہ نہ صرف ان کا کامیابی سے سامنا کر سکے بلکہ ریاست سے ایسی شرائط منوا سکے جن کی بنا پر وہ عبرت گاہ کو اطمینان سے مدینہ ریاست کا جلال و جمال عطا

کر سکے۔ یہ بظاہر طویل منصوبہ بندی تھی جس کے لئے طویل عرصہ درکار تھا لیکن وہ اس خواہش کو دنوں اور مہینوں میں پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہتا تھا۔

فورٹ جیل کی حفاظت کے لئے جو پولیس کی گارڈ متعین تھی وہ کہنے کو گوریلا ٹریننگ حاصل کرچکی ہوتی تھی لیکن پولیس کلچر انہیں ایسے مفادات سے وابستہ کر دیتا کہ ان میں سے بیشتر اپنی ڈیوٹی کے دوران جتنا مستعد ہونا چاہیئے تھا اس سے کہیں کم ہوتے تھے۔ ویسے بھی جب کوئی مقابلے کی ٹھان ہی لے تو وہ سب سے پہلے جوابی اقدامات کی ریہرسل کرتا ہے یہ ایک خطرناک اقدام تھا جو اسے اٹھانا پڑ رہا تھا۔ دوسری طرف نیلا جسے مقامی پولیس کی دور دور تک مدد حاصل تھی غازیا کی تلاش میں سرگرداں تھی۔

اخباروں نے طالبات کی لیڈر سنیتا کے بیانات کو جعلی سرخیوں سے شائع کیا اور اس کی حمایت میں لاتعداد خطوط چھاپے مگر انتہا پسندوں کے رویے کے خلاف کی گئی اس کی تقریر ایک لحاظ سے آخری ثابت ہوئی کیونکہ اس کے بعد اسے گرفتار کرلیا گیا اور دیگر طالبات نے خوف زدہ ہوکر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اس کی آخری تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ:

"بھارت کے اہل شعور کی یہ سوچ خطرناک اور تعصب سے لبریز ہے کہ ہماری آواز جو غازیا کی تحریک کے لئے ہے اسے پاکستان میں سے کسی کی حمایت حاصل ہے۔ یہ الزام سراسر بے بنیاد اور ذہنی آزادی کو تباہ کرنے کی مہم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پاکستانی خود ذہنی غلامی،

سماجی و معاشی ناہمواری اور ایک حد تک بے حیائی کا شکار ہیں کیونکہ وہ اپنے قرآن سے باغی ہیں۔ وہاں کے اہلِ اختیار و فیصلہ ساز بذاتِ خود ہماری تحریک سے خوف زدہ ہیں اس لئے وہ ہماری حمایت نہیں کر سکتے۔ طالبات کی اس لیڈر نے انتہا پسندوں سے سوال کیا کہ:

''کیا رام نے سیتا کو راون سے چھڑوانے کے لئے جو جنگ لڑی تھی وہ اس حیا کی قدر کیلئے نہیں تھی کہ جس میں عورت اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھے''۔

اس نے کہا کہ:

''غازیا نے عظمتِ انسانی کی قدروں کو عمل میں لانے کی تحریک کا آغاز کیا ہے اور جو جس کا مذہب ہے وہ اس کے مطابق انہیں اپنائے یا کھل کر اعلان کرے کہ وہ لادین ہے اور وہ انسان کی انسان ہونے کے ناطے سے برابری۔ حیا اور شعور کی آزادی کا دشمن ہے تاکہ بھارت میں ایک ایسے آئین کی عمارت تیار ہو جو انسان کی تباہ شدہ قدروں کی بنیادوں پر کھڑی ہو۔''

یہ سنیتا کے آخری الفاظ تھے جب اسے طالبات کے جلسے میں ہی لیڈی کانسٹیبل نے بڑی بری طرح مارتے گھسیٹتے گرفتار کیا۔ اگلے دن جن طلباء یا طالبات نے پولیس کے اس ایکشن کے خلاف تعلیمی اداروں میں ہڑتال کرنے کے لئے اپیل کرنے کا فیصلہ کیا پولیس نے انہیں ان کے گھروں میں ہی ڈرا دھمکا کر خوف زدہ کر دیا جس کی وجہ سے سنیتا کے حق میں کہیں سے کوئی

آواز نہ اٹھ سکی اور وہ بے یارومددگار ہو کر رہ گئی۔

سنیتا کو تفتیش کے لئے پولیس اسٹیشن میں بند کر دیا گیا۔ جہاں انہوں نے فوری طور پر عدالت سے پوچھ گچھ کے لئے اس کا ریمانڈ حاصل کر لیا۔ ریمانڈ مل جانے کے بعد پولیس آزاد تھی کہ جیسا چاہے اس سے سلوک کرے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا انہوں نے اسے ذہنی اور جسمانی طور پر توڑنے کا ہر حربہ استعمال کیا مگر اس نے ان کے سارے جبر کو مسترد کر دیا اور اپنے موٴقف پر ڈٹی رہی۔

ایک حربے کے طور پر انہوں نے جو اس کے خلاف سیکنڈل تیار کیا وہ بہت عجیب و غریب اور ہر ذات کے ہندووٴں کو اس کے خلاف کر دینے والا تھا۔ انہوں نے ایک اخبار میں اس کے خلاف لکھ دیا کہ:

طالبات کی فلاں لیڈر جو کہ ہندو اچھوت ہے اور جیل میں بند ہے اس کے ایک عیسائی لڑکے سے تعلقات کا انکشاف ہوا ہے اور وہ لڑکا غازیا کے ساتھیوں میں شامل ہو کر دخترِ بھارت نیلا دیوی کے خلاف برسرِ پیکار ہے۔"

اگلے دن پولیس نے اس خبر کے حوالے سے سنیتا پر مزید تشدد شروع کر دیا۔ تشدد کے باوجود اس نے بغیر خوف کے پولیس کو جو بیان دیا وہ بڑا دلچسپ تھا۔ اگرچہ اس کا حقیقت سے دُور کا تعلق بھی نہیں تھا کیونکہ اس کے ساتھ ایک برہمن فوجی کیپٹن شادی کا وعدہ کر چکا تھا۔ اس نے

واضح کیا کہ:

''اگر وہ لڑکا نیلا کے خلاف غازیا کی مدد کرتا رہا اور زندہ بچ رہا تو وہ آپس میں شادی کر لیں گے''۔

جب تک قانون اس کی مدد کو پہنچا اس وقت تک اسے مار مار کر بے سدھ اور بے محترم کر دیا گیا تھا۔ اسے کہا جا رہا تھا کہ وہ اپنی تحریک ختم کر دے وہ ''حیا اور انسانی قدروں'' کے لئے مضامین نہ چھپوائے اور نہ ہی احتجاجی مراسلے بھیجے مگر معلوم نہیں وہ کس مٹی کی تھی اور کس ہڈی کی تھی کہ وہ ڈٹ گئی اور زخم زخم ہونے کے باوجود اس نے اپنے مؤقف سے دستبردار ہونے سے انکار کر دیا۔

وہ طالبات جن کی سہیلیوں کے بھائی باپ طاقتور تھے وہ ان کی اعانت سے رہا ہو کر جا چکی تھیں مگر یہ سینتا مکمل طور پر بے سہارا تھی۔ اس کی کوئی سہیلی اسے ملنے آئی اور نہ ہی رشتے دار اسے چھڑانے میں کامیاب ہو سکے۔ کیونکہ وہ اچھوت تھی۔

وہ کچھ روز تک سلاخوں کی جانب دیکھتی رہی مگر پھر اس کی نگاہیں تھک کر لوٹ آئیں۔ یوں ہی صبح ہو جاتی جورات جیسی ہوتی۔ عدالت میں جب اس کو لے جایا گیا تو اسے مزید پوچھ گچھ کے لئے پولیس کی تحویل میں رکھنے کا ریمانڈ دے دیا گیا۔ یہ مجموعی طور پر زیادہ سے زیادہ دنوں کا ریمانڈ تھا۔ کیونکہ اس پر بہت سارے الزامات لگا دیئے گئے تھے اور پولیس نے

اس خیال سے کہ اگر اس طالبہ کو مقامی جیل میں رکھا گیا تو اسے یعنی پولیس کو بعض تنظیموں کے احتجاجات یا سٹوڈنٹس کمیونٹی کے کسی بڑے ردِ عمل کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے اسے جنوبی بھارت میں فورٹ جیل میں منتقل کرنے کی اجازت حاصل کر لی تھی تا کہ وہاں اطمینان سے پوچھ گچھ ہو سکے اور مقررہ تاریخ کو وہ اسے عدالت میں واپس پیش کر سکے۔

اس طالبہ کو جس ٹرین میں لے جایا گیا اس میں مجرموں کے لئے علیحدہ بوگی لگائی گئی تھی۔لیڈی پولیس کی جو خواتین اس پر مقرر تھیں انہوں نے اس کو بڑا مارا تھا۔ یہاں تک کہ اس کے جسم کے مختلف حصوں پر نیل پڑ گئے تھے اور وہ درد سے کبھی کبھی کراہ اٹھتی۔

ایک لیڈی کانسٹیبل نے کہا:

''تمہیں کیا ضرورت ہے اتنی مار کھانے کی اور اپنے موقف پر ڈٹے رہنے کی۔تم نے کیا پورے بھارت کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے کہ اس میں ''حیا حیا'' کی رٹ لگائے بیٹھی ہو''۔

اس طالبہ نے نہ ہی اس کی طرف دیکھا اور نہ ہی اس کی بات کا جواب دیا۔

''وہ جان گئی کہ یہ پڑھی لکھی لڑکی اس سے شدید نفرت کرتی ہے۔ تنہائی تھی۔ کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔ خاموشی تھی۔ پولیس والی دیر سے ایک ناول پڑھ رہی تھی جو اس نے پڑھ کر پرے پھینک دیا ہوا تھا۔ اس نے ساتھی کانسٹیبل سے پھر بات کرنے کی کوشش کی کہ:

''تم جانتی ہو کہ یہ ناول ''حسینوں کی صحبت'' ملک کے ایک بہت بڑے ادیب خشونت سنگھ نے

لکھا ہے۔ یہ ناول اس نے اکیاسی سال کی عمر میں جا کر لکھا ہے اور اس میں جس طرح اس نے پوری دنیا کی عورتوں کے احترام وتقدس کو برباد کرنے کی کوشش کی ہے اس پر یقیناً اسے بھارت سے کوئی بڑا انعام ملے گا خاص کر اس لئے کہ اس میں ایک پاکستانی مسلمان عورت کے حیا اور اس کے مذہب اسلام کا جس طریقے سے مذاق اڑا یا ہے وہ دیدنی ہے اور پڑھنے کے قابل ہے۔"

سنیتا سنتی رہی مگر خاموش رہی۔ کچھ دیر کے بعد با دل نخواستہ اس نے کہا:

"وہ ادیب جو اپنے قلم کی مقدس سیاہی کو آ گاہی کی بجائے رسوائی کا ذریعہ بناتا ہے۔ اس کا پہلا اور آخری نشانہ سوائے عورت کے اور کون ہوسکتا ہے" کاش ایسے ادیبوں کی پرورش کسی ایسی ماں کی گود میں ہوتی جو بچپن میں ان کی روحوں میں عورت کے احترام اور تقدیس کے نغمے اتار دیتی۔"

پہلے والی لیڈی کانسٹیبل نے بڑی حقارت سے اس کی جانب دیکھا اور کہا:

"اس سے بہتر تھا۔ تم خاموش رہتی تاکہ تمہارا بے مقصد فلسفہ سننے کو نہ ملتا۔

سنیتا نے کہا:

"اس ناول نگار نے یہ ناول لکھ کر عورت کو بدترین اور بدکردار مخلوق ثابت کیا ہے"۔

کانسٹیبل نے کہا:

”لیکن اسے The most honest man (یعنی بہت ہی سچا آدمی) کا حکومت کی جانب سے خطاب مل چکا ہے“۔

سنیتا نے کہا:

”ہماری حکومت انہیں خطاب عطا کرتی ہے جو ان کے مقاصد پورے کرے اور اس میں تو خاص کر مسلم عورت کو بے آبرو کیا گیا ہے“

پہلی کانسٹیبل نے کہا:

”تم کیوں اس خطاب کو تسلیم نہیں کرتی؟“

سنیتا نے کہا:

”یہ ناول نگار اپنے ناول کی تصوراتی بدکردار عورتوں میں سے کسی ایک کو اپنی بیٹی شمار کرلیتا تو میں اسے دیا ہوا خطاب درست تسلیم کرلیتی“۔

دوسری نے پہلی کانسٹیبل سے کہا:

”کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اس طالبہ کو زِچ کرتے جائیں۔ یہ جانیں اور فورٹ جیل والے جانیں وہ خود ہی اسے سیدھا کرلیں گے“۔

”ہاں ضروری ہے“۔ دوسری نے کہا:

کیوں؟

پہلی نے دوسری کو ایک طرف لے جا کر آہستہ سے کہا:

"سامنے والے گارڈ کے پیچھے دائیں جانب والا گارڈ انتہا پسندوں کا نمائندہ ہے۔ اسے خوش کرنا ضروری ہے ورنہ وہ میری ٹرانسفر کروا کے میرے بچوں سے کہیں دور مجھے بجھوا دے گا"۔

دوسری کو آہستہ آہستہ حالات کی سمجھ آنے لگی اور اس نے فورٹ جیل تک محتاط رہنے کا فیصلہ کر لیا۔

رات بھر ٹرین چلتی رہی اور طالبہ نے سوتے جاگتے گزار دی۔ وہ ایسی جانب رواں تھی جہاں غازیا اپنی جدوجہد کا آغاز کر چکا تھا۔ صبح ہی صبح جب ٹرین ایک اسٹیشن پر رکی تو ایک اخبار بیچنے والا لڑکا تیزی سے بوگی کے باہر یہ کہتا گزر گیا کہ:

"نیلا کی یلغار۔ غازیا بچ کر فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا؟ پولیس کی طرف سے اسے زندہ مردہ گرفتار کرنے والے کو مزید لاکھوں روپے کا انعام"

ایک لیڈی کانسٹیبل نے آواز سنتے ہی غیر اضطراری طور پر کیا کہا کہ:

"اگر اس پر کہیں میری نظر پڑ جائے تو میں اس کی گچی مروڑ دوں"

سنیتا کا تمام تر درد کے باوجود قہقہہ نکل گیا:

دوسری کانسٹیبل نے اسے ٹھوکر مارتے ہوئے کہا:

''تمہیں غازیا سے زیادہ ہمدردی ہے''

سنیتا نے کہا:

''ہر مظلوم کی غازیا جیسے بہادر اور عظیم انسان کے لئے دعائیں ہوتی ہیں''۔

پہلی نے کہا:

''تو تمہارا دہشت گردوں سے تعلق ثابت ہوگیا''

سنیتا نے کھنکتی ہوئی آواز میں کہا:

''ہر انتہا پسند اور اس کی مدد کرنے والا اصل دہشت گرد ہے اور انتہا پسندی کا نشانہ بننے والا مظلوم اور اس کے حلاف جدوجہد کرنے والا مجاہد ہے''۔

ایک کانسٹیبل نے اسے بالوں سے کھینچتے ہوئے کہا:

''تو تم غازیا کو مجاہد اور نیلا کو اور ہمیں دہشت گرد کہتی ہو؟''

اس نے اس کے بال اتنی زور سے کھینچے کہ اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

سنیتا نے کہا:

''تو کیا تمہارے اس طرح کرنے سے نیلا مجاہدہ اور غازیا دہشت گرد ہو جائے گا''۔

اس کانسٹیبل نے کہا:

"وہ ہو نہ ہو تمہیں ضرور سمجھ آجائے گی"۔

سنیتا نے بال سہلاتے ہوئے کہا:

"سمجھ کی زیادہ ضرورت تم لوگوں کو ہے تا کہ ہم جیسے تمہیں انسان سمجھ سکیں"۔

دوسری کانسٹیبل نے پہلی کانسٹیبل سے کہا:

تمہیں اس سے بات کرنے کا زیادہ شوق تھا اب سنتی رہ اس کا فلسفہ"۔ کچھ دیر کے بعد سنیتا تھکن اور تشدد سے چور آہستہ آہستہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو اسٹیشن کے باہر قیدیوں کی ایک گاڑی اسے فورٹ جیل میں لے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔

غازیا نے اپنے ایک ساتھی کے ذریعے جسے نہایت ہی غریب و نادار شخص کے روپ میں بنا رکھا تھا کسی سپاہی سے مل ملا کر جیل میں اپنے ساتھیوں سے ملاقات کے لئے کسی فرضی نام سے اپنے لئیے وقت حاصل کرلیا اور خود ایک نہایت ہی آزردہ، بیمار، لاغر اور فالج زدہ انسان کا روپ دھار لیا تا کہ پہچانا نہ جائے۔ فورٹ جیل میں غازیا نے دور دور تک جگہ کو جانچ لیا۔ اس نے تہہ خانوں کے اردگرد ماحول کو دیکھ لیا اور ایک سپہ سالار کی نگاہ سے وہ سب کچھ جانچ لیا جو ممکن تھا۔ البتہ ملاقات کے دوران اس نے ساتھیوں کو ریڈ الرٹ دے دیا اور ایک رات چھوڑ کر اگلی رات کو رات کے ایک بج کر بیس منٹ پر حملہ کر کے جیل میں داخل ہونے کا عندیہ دے دیا۔

اس وقت کے تعین میں حکمتِ عملی یہ تھی کہ وہ وقت عام طور پر نیند کا ہوتا ہے اور جو گھڑیاں

الارم بجاتی ہیں وہ ایک بجے صرف ایک بار آواز دیتی ہیں جو کہ نا قابلِ توجہ ہوتی ہے اور تھوڑا سا وقت اوپر گزرنے کا مطلب تھا کہ اگر کوئی گھڑی کی آواز سے جاگے بھی تو اتنی دیر میں پھر مدہوش ہو جائے گا۔

غازیا نے حملہ کرنے سے پہلے پوری سرگرمی سے فورٹ جیل کا اپنے جنگی نقشے پر "ٹارگٹ" کے طور پر نشان لگا لیا تھا۔

ایک ساتھی نے کہا:

"موسم کے لحاظ سے یہ ایک ایسا دن ہے کہ لوگ رات گئے تک جاگ سکتے ہیں جو ہمارے حملے میں رکاوٹ بن سکتا ہے"۔

غازیا نے کہا:

"راتوں کو جاگنے کا تعلق موسم سے نہیں۔ حالات سے ہوتا ہے۔"

اس نے کہا:

"وضاحت چاہیئے"

غازیا نے تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ:

"جیل کی رات باہر کی رات سے بہت مختلف ہوتی ہے۔ جیل میں دن اور رات ایک جیسے ہوتے ہیں۔ وہاں نہ سورج طلوع ہوتا ہے نہ غروب ہوتا ہے اس لئے قیدیوں کی نیندیں بے

ترتیب ہوتی ہیں۔ البتہ قیدیوں پر نگاہ رکھنے والوں کی نیندیں آہم ہیں مگر اس وقت ہمارے لئے صرف حملے کا وقت اہم ہے"۔

غازیانے ساتھیوں کو اپنے اپنے ہتھیار دوروز پہلے ہی فورٹ سے ذرا فاصلے پر لے جانے کے لئے کہہ دیا تھا۔ اس کے لئے انہوں نے خانہ بدوشوں کا روپ دھارا تھا اور کچھ دن پہلے ہی وہاں چند جھگیاں بناڈالی تھیں۔ جھگیوں سے فورٹ کا فاصلہ ناپا گیا تھا۔ دن اور رات کو جھگیاں خالی رہتی تھیں تا کہ اگر کسی اہلکار کو خبر ہو جائے تو وہ چھاپا مار کر کہیں سب کو پکڑ کر نہ لے جائے۔ البتہ اچھوتوں کی دوایک عورتیں ان بکریوں کی دیکھ بھال کے لئے رہتی تھیں۔ یہ وہ تھیں جن کے مرد فورٹ جیل میں تھے مگر انہیں حملے کے وقت اور دن کے بارے میں پہلے سے کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ انہیں یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ حملے کے بعد ان کی منزل کہاں ہو گی مگر حملے سے چند لمحے پہلے انہیں بتلا دیا گیا۔ البتہ ٹیکٹیکس کے لحاظ سے انہیں یہ بتایا گیا تھا کہ جب وہ حملہ کر کے وہاں سے گزر جائیں تو حالات کے مطابق وہ جھگیوں کو آگ لگا دیں تا کہ اگر پیچھا کرنے والے وہاں آئیں تو عورتیں گڑگڑا کر انہیں بتائیں کہ:

"حملہ آور جھگیوں کو آگ لگا کر ان کے کچھ مردوں کو لے گئے ہیں اور باقی مرد ادھر ادھر جا چھپے ہیں اور اسی دوران وہ انہیں تلاش کرنے کے لئے غلط راستہ پر ڈال دیں۔ البتہ صحیح راستہ پر چند ساتھی مورچہ بند رہیں تا کہ اگر وہ اس راستے پر ان کا پیچھا کریں تو گولیاں ان کا

راستہ روکیں اور یہ اس وقت تک مقابلہ جاری رکھیں جب تک کہ وہ طے شدہ منزل تک نہ پہنچ جائیں۔ان کی اصل منزل دلدل والا قلعہ تھی جس کے لئے پیدل کافی وقت درکار تھا اور ان کے پاس باقاعدہ ایسی گاڑیاں نہیں تھیں جنہیں وہ استعمال میں لاسکتے۔ البتہ اچھوتوں کے اس قبیلے کے چار افراد ایسے تھے جو کسی کے ٹرکوں میں ڈرائیور یا کنڈکٹر کا کام کرتے تھے۔ غازیا نے ان کی اعانت کا بھرپور فائدہ اٹھایا تھا اور ان ٹرکوں کو ایک فاصلے پر کھڑا کر کے انتظار کرنے کو کہہ دیا تھا اور منصوبے کا باقی حصہ انہیں سمجھا دیا گیا تھا۔ ایک ٹرک ڈرائیور کو بتلا دیا گیا تھا کہ وہ حالات کے مطابق اگر مناسب جانیں تو ٹرک خراب کر کے ایسے راستے پر کھڑا کردیں جہاں دائیں یا بائیں سے کوئی جیپ نہ گزر سکے اور ٹرک کا ٹائر کھول کر علیحدہ رکھ دیں۔

غازیا جانتا تھا کہ حملہ کرنا آسان ہوتا ہے لیکن واپسی بے حد مشکل اور وہ بھی اس وقت جب کہ غیر مسلح قیدیوں کو ساتھ لے کر بھاگنا ہو۔ حملے میں جو ٹیکٹیکس استعمال کئے جانے تھے وہ بظاہر تصوراتی وخیالی محسوس ہو رہے تھے مگر عملاً وہ مؤثر اور موقع کی مناسبت سے تھے۔ مثلاً یہ کہ:

* کم از کم فائر اور زیادہ سے زیادہ ہینڈ ٹو ہینڈ فائٹ

* زیادہ سے زیادہ گارڈ والوں کو بے ہوش کرنا

* فورٹ میں بیک وقت مختلف اطراف سے داخل ہونا تا کہ دشمن کسی ایک جانب توجہ نہ دے سکے۔

* تہہ خانے والوں کو فورٹ میں داخل ہوتے ہی اچانک جالینا وغیرہ وغیرہ۔

غازیا نے حملے کی رات آنے سے پہلے ساتھیوں کو زیادہ سے زیادہ آرام اور نیند کا مشورہ دیا تھا تا کہ دن اور رات بھر جاگنے سے قوی جواب نہ دے جائیں۔ایسے میں اکبر کا یہ شعر اسے بڑا ہی سچا لگتا تھا کہ

ہجر ہو یا وصال اکبر

رات بھر جاگنا مشکل ہے

ساتھیوں کو علم تھا کہ غازیا ''اللہ'' کا ذکر بہت زیادہ کرتا رہتا تھا مگر ایسے کہ دوسرے جان نہ سکیں۔انہیں یہ بھی علم تھا کہ غازیا اکثر اپنے منصوبے پر عمل کرنے کے اوقات نمازوں کے اوقات کو مدِ نظر رکھ کر طے کرتا تھا۔مسلمان ہونے کے بعد اس کے ساتھی کہتے تھے کہ:

''غازیا کی نماز بہت مختصر ہے اور وہ اس کی امامت میں بوجھل پن محسوس نہیں کرتے کیونکہ وہ انہیں پُر مسرت لمحات کہتا تھا''۔

ایک بار سفر کے دوران اس کے ساتھی ایک مسجد میں ایک مولوی کے ہتھے چڑھ گئے تھے جس کے پیچھے انہوں نے نماز پڑھی تو اس نے اچھا خاصا وقت لے لیا تھا جس کی وجہ سے وہ

غازیا کے علاوہ کسی اور کی امامت سے گریزاں رہتے تھے۔ فورٹ جیل پر حملہ کے لئے جو منصوبہ بندی کی گئی تھی اس میں یہ شامل تھا کہ اگر کامیاب ہوئے تو صبح کی نماز دلدل والے قلعے میں ادا کی جائے گی۔

عین منصوبے کے تحت حملہ کر دیا گیا گارڈ والے بہت جلد مغلوب ہو گئے کیونکہ وہ ایسے کسی حملے کی توقع نہیں کر رہے تھے اور نہ ہی انہیں جنگی حملے کو روکنے کی تربیت دی گئی تھی۔ یہ حملہ ڈاکوؤں یا لٹیروں کی طرح کا نہیں تھا بلکہ یہ کسی بہت بڑے جنگی حملے کا جزو معلوم ہو رہا تھا۔ حملے کو کمانڈ کرنے والا پورے فورٹ پر قابض ہو چکا تھا۔

گارڈ کے اکثر لوگوں کو زخمی کرنے کے بعد بے ہوش کر دیا گیا تھا۔ دو ایک نے پوزیشن لے کر حملے کو ناکام کرنے کے لئے اک دم فائر کھولا مگر حملہ آوروں نے بہت جلد ان کی ٹانگوں میں سے گولیاں گزار دیں۔ دو مختلف تہہ خانوں سے صرف چھ افراد ہاتھ لگے جنہیں تہہ خانے میں ہی زخمی کرکے بے ہوش کر کے ساتھ لے لیا گیا کیونکہ غازیا کے ساتھیوں پر زیادہ تشدد انہوں نے ہی کیا تھا۔ متعلقہ جیلوں کی سلاخیں کاٹ دی گئیں۔ جنہیں کہا گیا تھا وہ تیار تھے۔ یہ کارروائی منٹوں میں مکمل ہوئی اور وہ دیئے گئے منصوبے کے مطابق قیدی ساتھیوں اور تہہ خانوں والوں کو لے کر چلتے بنے۔ ٹرکوں نے درست کام دکھایا اور آن کی آن میں ہوا ہو گئے۔

جھونپڑیوں کو آگ لگانے کی نوبت نہ آئی اور نہ ہی ٹرک کو راستہ بلاک کرنے کی

ضرورت پیش آئی۔اس سارے واقعہ کے بارے میں سرکار کو صحیح علم ہو سکا۔ وہ بھی کہ جب خاکروبوں کو آنا تھا۔ انہوں نے جو کچھ دیکھا بتا دیا۔ وہاں پر کوئی گواہ نہ تھا۔ بے ہوش ہوش میں آ چکے تھے۔ کچھ زخموں سے کراہ رہے تھے۔جو سلامت تھے وہ شاملِ تفتیش کر لئے گئے۔ باقی ہسپتال پہنچ گئے۔سب کے بیانات ایک جیسے تھے کہ حملہ آور مارنا چاہتے تو وہ سب کو موت کے گھاٹ اتار سکتے تھے۔ جیل سے صرف وہی غائب تھے جن کا اچھوتوں سے تعلق تھا اس وجہ سے تفتیش پُر اسرار نہ رہی۔ویسے بھی پولیس کے سب سے بڑے آفیسر کو جو خط پہنچایا گیا اس نے سارے راز کو افشاں کر دیا۔

خط میں لکھا تھا:

معزز پولیس آفیسر!

"آپ کی پولیس بے سہارا اچھوتوں پر بڑی ذات کی ایما پر ظلم کرنے کی عادی ہو گئی ہے۔ یہ عدالت اور انسانوں کی توہین ہے۔عدالتیں اک عمر تک ان بے گناہوں کو بغیر کسی جرم کے جیلوں میں بند رکھتی ہیں اور فیصلوں کو لٹکاتی رہتی ہیں۔ یہ انصاف کا قتل ہے! انصاف کے اس قتل میں پولیس بھی حصہ دار ہوتی ہے چنانچہ آپ اپنی تفتیش میں متعلقہ پولیس اور عدالتوں کے ججوں کے لئے انصاف کو قتل کرنے کے جرم میں سزائے موت تجویز کریں۔ہم ان سب کو زندہ چھوڑ آئے ہیں تا کہ آپ کا انصاف دیکھ سکیں۔ دیگر اچھوتوں کو تفتیش کے لئے قید کرنے یا ان کی بستی کو

گھیراؤ لئے کا مطلب انتقام سمجھا جائے گا جس کے جواب میں ہم اگلے حملے کا آغاز انصاف کے قاتلوں کو ہلاک کرنے سے کریں گے۔

غازیا

حملے کے بعد فورٹ جیل میں یا باہر ایسا کوئی نشان نہ ملا جس سے یہ پتا چل سکے کہ حملہ آور کہاں جا چھپے ہوں گے۔ اگرچہ فورٹ پر حملے کی خبر کے ضمیمے تو اگلے ہی روز چھپ چکے تھے لیکن ان میں یہ ظاہر نہیں کیا گیا تھا کہ "حملہ آور کون تھے" البتہ یہ ضرور درج تھا کہ پولیس کو تفتیش کے دوران بعض شواہد میسّر آئے ہیں جن کی بنا پر وہ بہت جلد مجرموں تک پہنچ جائے گی۔ پاکستان کی طرح بھارت کی سماجی تاریخ میں یہ کوئی بالکل انوکھا واقعہ نہیں تھا کیونکہ اس سے پہلے ڈاکوؤں، لٹیروں اور دہشت گردوں نے کئی تھانوں، جیلوں اور عدالتوں کو نشانہ بنایا تھا اور حکومت ایسے واقعات کو چند روزہ تفتیش کے بعد مشکوک لوگوں کو پکڑ کر ان پر تشدد کر کے اپنی پسند کے بیانات لکھوا کر اخباروں میں ان کا انجام دکھا کر داخلِ دفتر کر دیا کرتی تھی مگر یہ ایک طرح سے واقعی انوکھا واقعہ تھا کیونکہ یہ کسی ڈاکو، دہشت گرد یا لٹیرے کے ہاتھوں پیش نہیں آیا تھا بلکہ اس کی ذمہ داری اک ایسے فرد نے قبول کی تھی جو پہلے سے نیلا دیوی کے خلاف برسرِ پیکار تھا اور جس کے لئے مقامی علاقوں کے لوگوں کی رائے تقسیم ہو چکی تھی۔ عیسائی، سکھ، مسلمان اور کمتر ذات والے ہندو اسے مجاہد کہتے تھے۔

جب کہ تشدد پسند اور انتہا پسند ہندو اسے دہشت گرد کہتے تھے اور پولیس بھی ان کی حمایت میں اسے ویسا ہی گردانتی تھی۔ خط کے مل جانے کے بعد انتہا پسندوں کے ہاتھ جیسے کوئی بہت بڑا راز آ گیا ہو یا جیسے انہیں کوئی بہت بڑی فتح نصیب ہوئی ہو۔ دو ایک روز کے بعد بالا پولیس آفیسر نے باقاعدہ پریس کانفرنس کی اور صحافیوں کو وہ خط دکھایا جو غازیا کی جانب سے لکھا گیا تھا۔ اس نے صحافیوں سے کہا کہ:

"اگر آپ لوگ ہماری مدد کریں تو ہم جلد غازیا تک پہنچ سکیں گے۔ پولیس آفیسر نے کہا:

"آپ عوام کو آگاہ کریں کہ وہ مجاہد نہیں۔ دہشت گرد ہے۔ پاکستان کا ایجنٹ ہے۔ جس نے اچھوتوں کو ساتھ ملا کر سرکاری املاک کو تباہ کرنے اور جیلوں سے خطرناک مجرموں کو بھگانے کا منصوبہ تیار کر رکھا ہے اور اسی سلسلے میں زیادہ سے زیادہ لکھیں تاکہ مقامی لوگ بھی اس سے متنفر ہوں اور اسے کہیں جائے پناہ نہ ملے۔"

ایک صحافی نے کہا:

جناب!

"کیا آپ یہ خط ہمیں پڑھنے کی اجازت دیں گے یا کیا اسے چھاپنے کی اجازت فرمائیں گے؟"

پولیس آفیسر نے کہا:

"یہ ایک سرکاری راز ہے"۔

صحافی نے کہا:

تو جناب!

"ہم آنکھیں بند کر کے بغیر روشنی کے کیا لکھیں۔ اس لحاظ سے تو آپ ہمیں مدد کے لئے نہیں کہہ رہے بلکہ ڈکٹیشن دے رہے ہیں"۔

ساتھ بیٹھے ہوئے ایک پولیس آفیسر نے کہا:

"ہم تفتیش کا دائرہ وسیع کر رہے ہیں جس میں بعض صحافی بھی غازیا کی پشت پناہی کے جرم میں پوچھ گچھ کے لئے حراست میں لئے جائیں گے"۔

وہ صحافی پھر کھڑا ہو گیا اور اس نے جو بات کہنے کی کوشش کی وہ کہہ تو دی مگر بالا پولیس آفیسر نے دوسرے صحافی کو سوال کی اجازت دے دی جس کی وجہ سے اس کی بات سنی ان سنی رہ گئی۔

اس نے کہا تھا کہ:

"اس لحاظ سے تو پولیس کا صحافیوں کے خلاف خود دہشت گردی پر اترنے کا منصوبہ لگتا ہے تاکہ وہ اصل وجوہات اور حالات نہ چھاپ سکیں۔

دوسرے صحافی نے کہا:

جناب!

آخر غازیا کا خط دکھانے میں کیا امر مانع ہے؟

پولیس آفیسر نے کہا:

"کسی موزوں وقت پر اسے بھی دکھا دیا جائے گا"۔

پولیس اس صحافی کو بہت زیادہ قائل نہ کر سکی البتہ وہ صحافی جو انتہا پسندوں کے مددگار تھے انہوں نے کھل کر غازیا کے خلاف زہر فشانی کی اور ہر بھارتی کو غازیا کی دشمنی پر ابھارا گیا۔ مقامی علاقے میں اخباروں کی دو کانوں پر لوگوں کے ہجوم لگ گئے۔ دکانوں پر لٹکی ہوئی اخباروں کی سرخیاں متضاد تھیں۔ کچھ میں غازیا کو "بھارتیوں کا دشمن" قرار دیا گیا اور ایک میں بھارتیوں کا "اصل دوست" قرار دیا گیا۔ ان خبروں پر عوامی بحث و تمحیص کے دوران نوجوانوں میں جھگڑے بھی ہوئے اور مار کٹائی تک بھی نوبت آئی۔ انتہا پسندوں نے غازیا کی حمایتی اخباروں کو آخری وارننگ دے دی کہ:

"غازیا کی حمایت کرنے والی اخبار اور اس کے مالک کا نام ونشان مٹا دیا جائے گا۔"

فورٹ جیل کی خواتین کی شاخ میں جو لیڈی کانسٹیبل اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی اسکی بڑی سرخیوں پر سنیتا کی نظر پڑی تو اس نے کانسٹیبل سے درخواست کی کہ اسے کچھ لمحوں کے لئے اس اخبار کے مطالعہ کی اجازت دی جائے۔ کانسٹیبل نے بڑی کرختگی سے اسے جواب دیا کہ:

”طالبہ کو جیل میں اخبار کی سہولت حاصل نہیں ہے۔“

سنیتا نے کہا:

”مگر میں پڑھی لکھی ہوں۔“

کانسٹیبل نے کہا:

”لیکن جیل اسے تسلیم نہیں کرتی۔ یہاں پر ان پڑھ اور پڑھے لکھے سب برابر ہیں اس لئے آپ لوگوں کی برابری“ والی تحریک پر جیل میں درست طور پر عمل ہو رہا ہے۔“

سنیتا نے کہا:

”مگر یہ اندھیر ہے اور میں اسے تسلیم نہیں کرتی“۔

کانسٹیبل نے کہا:

”اسی لئے جیل میں قید ہو“۔

اس نے کہا:

”غور سے سوچو گی تو تمہیں پتہ چلے گا کہ ”میں آزاد ہوں“ مگر تم قید میں ہو“۔

کانسٹیبل نے اپنی عینک کو ناک کی جانب نیچے کرتے ہوئے کہا:

بدنصیب!

”کیا یہ ضروری ہے کہ تمہاری زبان بند کردی جائے“۔

سنیتا نے کہا:

”تم میری سوچ کو کیسے بند کرو گی“

کانسٹیبل نے جل کر کہا:

”ہم تمہارا سر کچل دیں گے“

اس نے کہا:

”تم لوگوں نے غازیا کو بھی یہی پیغام بھیجا ہوا تھا مگر اپنی اخبار کی پچھلے صفحہ والی سرخیاں بھی پڑھ لو“۔

اخبار میں لکھا تھا کہ:

”فورٹ جیل پر حملے کی ذمہ داری غازیا نے قبول کرلی۔حکومتی ایجنسیوں نے براہِ راست نیلا سے رابطے قائم کر کے متحدہ کارروائی کرنے کا منصوبہ طے لیا“۔

ایک دوسری خبر میں تھا کہ:

”نیلا دیوی کو ان تمام افراد کا نگران مقرر کردیا گیا جو کسی نہ کسی طریقے سے غازیا کا پیچھا کر رہے ہیں“۔

ایک اور خبر میں تھا کہ:

”حکومت نے نیلا دیوی کو ہیلی کاپٹر اور کمپیوٹر سے منسلک جدید سہولتیں فراہم کر دیں“۔

کانسٹیبل نے ساری خبریں پڑھنے کے بعد سنیتا سے کہا:

”اس میں کونسی غازیا کی فتح ہے جس پر تم اترا رہی ہو؟“

سنیتا نے اس کی بات سنی ان سنی کر دی اور منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ وہ سوچنے لگی کہ:

”کاش وہ غازیا کے شانہ بشانہ عدل کے قاتلوں کے خلاف جنگ لڑ سکے اور اسی راہ میں اپنی جان دے سکے۔“

اسے غازیا کے ایک ساتھی کا چہرہ یاد آیا جس نے اس کے گرفتار ہونے سے پہلے غازیا کا پیغام پہنچایا تھا کہ:

”تمہارے الفاظ اور جذبے ہمارے الفاظ اور جذبوں کے شانہ بشانہ لڑ رہے ہیں“۔

”سنیتا اس احساس سے خوش تھی کہ غازیا تک اسکی جدوجہد کی داستان پہنچ چکی تھی اور اس نے اس کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے اپنے بہترین ساتھیوں میں سے برہمن زاد لڑکے کو اس تک پہنچنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ اسے ایک تصوراتی سی سرخوشی محسوس ہوئی جب اسے یاد آیا کہ:

”جب اسے گردن سے دبوچا گیا تو اس نے اسے دیکھ کر اپنی مٹھی ہوا میں بلند کی تھی اور

جواب میں اس نے بھی مٹھی ہوا میں بلند کی تھی جس کا مطلب دونوں نے ایک دوسرے سے ملنے والی نگاہوں سے سمجھ لیا تھا کہ:

"متحد رہنا، ہمت نہ ہارنا، ہم ضرور منزل تک پہنچیں گے"۔

"غازیا نے اپنی ساری کارروائیوں میں "سرپرائز" کو بنیادی جنگی اصول کی حیثیت سے اپنایا تھا۔ یہ اصول غیر مشنری، مفادات پرست دشمنوں کو جب چاہے اور جن حالات میں چاہے شکست سے دوچار کر دیتا ہے۔ غازیا کے ساتھی اک عظیم مقصد کے لئے تگ و دو کر رہے تھے مگر اس کے مقابل والے اس نظام کے پروردہ تھے جہاں انسان بہت کم قیمت پر بک جاتا ہے۔"

دلدل والے فورٹ میں غازیا نے حملے کی اگلی ہی صبح چند احکامات جاری کیئے۔ اس نے ساتھیوں کو مخاطب ہو کر کہا کہ:

"تہہ خانوں والے چھ آدمیوں پر اتنا ہی تشدد کیا جائے جتنا انہوں نے ہمارے ساتھیوں پر کیا تھا۔ دیگر تمام لوگ الرٹ رہیں کیونکہ کسی بھی نشانی یا مخبر کی وجہ سے پولیس اس قلعے کو گھیرے میں لے سکتی ہے اس لئے تمام ساتھی بتلائی گئی جگہ پر فورٹ کے باہر بکھر جائیں اور اپنے اپنے زمین دوز مورچوں میں چلے جائیں۔ اگلے حکم تک انہیں وہاں ہی سامانِ رسد پہنچتا رہے گا اگر پولیس یا حکومت کی کسی ایجنسی یا نیلا کے ساتھی فورٹ میں داخل ہو جائیں تو ان چھ کے چھ

آدمیوں کو گولی سے اڑا دیا جائے تا کہ یہ ہمارے بارے میں جو کچھ دیکھا ہے نہ بتلا سکیں۔"

"ان چھ لڑکوں کے لئے یہ حیران کن احکامات تھے۔ ان میں زیادہ تر ایک دوسرے کے لئے اجنبی تھے۔ ان کے لئے غازیا کی شخصیت بڑی مسحور کن تھی۔ وہ اس کے شکنجے میں تھے۔ سہمے ہوئے اور خوف زدہ تھے۔" انہیں علم تھا کہ:

"غازیا کا حکم اس کے ساتھی جان و دل پر لیتے ہیں۔ وہ یہ بھی جان گئے تھے کہ فورٹ جیل سے اپنے ساتھیوں کو چھڑوا کر لے آنے والا آسانی سے حکومت کے کارندوں کے ہاتھ نہیں آئے گا۔"

غازیا احکامات دے کر جب واپس جانے لگا تو ان لڑکوں م سے ایک نے کہا:

غازیا!

"میں پاکستانی ہوں۔ بھارتی نہیں ہوں۔ میں جانتا ہوں آپ شیعہ ہو مگر ہو تو مسلمان اس لئے آپ مجھے اور میرے ساتھ ان دو لڑکوں کو معاف کر دو۔ اگر چہ ہم سنی ہیں مگر ہیں ہم بھی مسلمان، آپ ہمیں معاف کر دو۔"

غازیا اک دم چونکا اور پیچھے مڑ کر اپنی جگہ پر آ گیا مگر دوسرے تین لڑکوں میں سے ایک نے کہا:

غازیا!

’’اگر آپ شیعہ ہیں تو یقین جانو کہ ہم دونوں شیعہ ہیں‘‘۔ ہمیں بتلایا گیا تھا کہ آپ سنی ہیں اور شیعوں کے جانی دشمن ہیں۔ ہم اس لئے پاکستان جا کر سنّیوں کے خلاف دہشت گردی کرنے سے پہلے آپ کو ہلاک کرنا چاہتے تھے اور یہی ہمارا امتحان تھا۔‘‘

پہلے والے دونوں لڑکوں نے کہا:

’’مگر ہمیں بتایا گیا تھا کہ آپ سنّیوں کے جانی دشمن ہیں اور اس لئے ہمیں بھی پاکستان میں جا کر شعیوں کو ہلاک کرنے سے پہلے آپ کو ہلاک کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی تھی‘‘۔

غازیا اور اس کے ساتھی جیسے گہری حیرانی میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ یہ ایک نئی صورتِ حال تھی۔ غازیا ان لڑکوں کے چہروں کی جانب غور سے دیکھنے لگا اس نے محسوس کیا کہ وہ بیس پچیس سالوں کی عمر کے لڑکے تھے۔ اس نے بار بار ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ سامنا نہ کر سکے۔ غازیا نے محسوس کیا کہ:

’’ان کی نگاہیں جان بخشی کی درخواست کر رہی ہیں‘‘۔

غازیا نے اپنے قریبی ساتھی کی جانب دیکھا تو اس نے کہا کہ:

’’دہشت گرد چاہے پاکستانی ہو یا بھارتی اسے ختم کر دیا جانا چاہیئے تا کہ معصوم و بے گناہ لوگ اس کے ظلم سے محفوظ رہ سکیں۔‘‘

دوسرے نے کہا:

"انہوں نے جب اقرار کرلیا ہے کہ وہ آپ کو قتل کرنا چاہتے تھے تو اب مزید پوچھ گچھ کی گنجائش نہیں اس لئے انہیں گولی سے اڑادیا جانا چاہیئے تاکہ ان جیسے باقی لڑکوں کو عبرت حاصل ہو جائے کہ:

"دوسرے ملک میں تربیت حاصل کر کے اپنے ملک کے لوگوں کو موت کی نیند سلانا ناقابلِ معافی جرم ہے"۔

تیسرے نے کہا:

"ہم زیادہ دیر تک انہیں زندہ نہیں رکھ سکتے کیونکہ دشمن ہمارا پیچھا کر رہا ہے اور یہ عین وقت پر موقع کا فائدہ اٹھائیں گے اور اپنی تربیت کے مطابق ہمارے خلاف سرگرم ہو جائیں گے"۔

غازیا نے کہا:

"مگر بنیادی طور پر ہماری ان سے لڑائی نہیں ہے۔ یہ جو صورتِ حال بتا رہے ہیں وہ تباہ کن اور خطرناک ہے۔ ایک فورٹ میں رکھ کر انہیں ایک دسرے سے اجنبی رکھا گیا ہے اور دونوں کے عقیدوں سے فائدہ اٹھا کر انہیں تربیت دی گئی ہے۔ غازیا نے اس لڑکے کو جو اپنے آپ کو سنّی کہتا تھا سے پوچھا کہ وہ پاکستان میں جا کر کیوں شیعوں کو ہلاک کرنا چاہتا تھا۔

اس نے کہا:

''ان کے دو چہرے ہیں ایک سے یہ مسکراہٹ دے کر امن ومحبت کا پیغام دیتے ہیں مگر دوسرے سے ایسے فیصلے کروانے کی کوشش کرواتے ہیں جس سے پاکستان صرف شیعہ ریاست بن کر اور ماتم کدہ بن کر رہ جائے اوراس کے لئے یہ تمام راہنمائی اور تقویت ساتھ والے شیعہ ملک سے حاصل کرتے ہیں جہاں ان کے آئین کے مطابق کوئی سنی فرد حکمران نہیں بن سکتا جبکہ پاکستان میں ان کو رعایت دی گئی ہے اور شیعہ بھی حکمران بن سکتا ہے یہ سراسر سنّیوں کے ساتھ زیادتی ہے اور یہ پوری قوت سے حکومت کی مشینری پر غالب ہیں جو ہم برداشت نہیں کرسکتے۔ جو بھی حکومت آتی ہے وہ اس شیعہ ملک کو خوش کرنے کے لئے ہمارے آدمیوں کو پولیس مقابلوں میں ہلاک کرواتی ہے کیونکہ حکومت میں انہی کے آدمی ہوتے ہیں''۔

غازیا خاموشی سے اسے دیکھتا رہا مگر اس کے چہرے کے تاثرات بدلتے جا رہے تھے۔ وہ لڑکا غازیا کے چہرے کی جانب دیکھے بغیر بول رہا تھا۔اس نے مزید کہا کہ:

''انہوں نے ساری احادیث اور لٹریچر عباسیوں کے دور میں تیار کیا اور اسی سے اپنے مفادات پورے کرتے رہے۔انہوں نے غیر مسلموں کی نگاہوں میں اسلام کو مذاق بنا کر رکھ دیا ہے کیونکہ یہ سارا سال روتے اور ماتم کرتے رہتے ہیں اور دنوں پہ دن مناتے رہتے ہیں۔ایسا

محمد ﷺ نے کبھی نہیں کیا تھا۔انہوں نے آخری پیغمبر کا نام صرف اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے اختیار کیا ہوا ہے۔انہوں نے آخری پیغمبر کا ساتھ دینے والی عظیم شخصیتوں کی خدمات اور قربانیوں کو جھٹلایا ہے۔یہ اسلام کے احسان فراموش ہیں اور انہوں نے ان رسموں کو اپنایا ہے جو قطعی طور پر انسانی دانش اور جذبوں پر پورا نہیں اترتیں اور نہ ہمیں آخری پیغمبر کے دور میں نظر آتی ہیں۔ انہوں نے کربلا کے سیاسی واقعہ کو عجیب وغریب دیومالائی رنگ دے ڈالا ہے۔ ملک میں انہیں بریلویوں کی حمایت حاصل ہے۔ دونوں کے عقائد میں وسیلے اور شرک ہیں دونوں مشرک ہیں۔"

غازیا کے پاس کھڑا شیعہ لڑکا چیخا کہ:

"بس کرو!اگر تم نے ایک لفظ بھی اور منہ سے نکالا اور میں زندہ بچ گیا تو سب سے پہلے تمہاری گردن کاٹوں گا اس لئے کہ تم ہمارے عقائد پر بدترین تنقید کر رہے ہو اور میں یہ برداشت نہیں کر سکتا۔"

تنقید کرنے والا لڑکا شاید اور بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر غازیا کے ہاتھ کا اشارا پا کر خاموش ہو گیا۔ غازیا نے شیعہ لڑکے سے کہا کہ:

"تم پاکستان جا کر سنیوں کو کیوں ہلاک کرنا چاہتے تھے اور انہیں اپنی دہشت گردی کا کیوں نشانہ بنانا چاہتے تھے"؟

شیعہ لڑکے نے پورے جذبے اور جوش سے کہنا شروع کیا کہ:

"اصل میں یہ لوگ تاریخی طور پر ظالم ہیں۔ یہ لوگ نسل در نسل آخری پیغمبر کی آل کے حقوق جھٹلاتے آ رہے ہیں۔ ان لوگوں نے ساری احادیث اموی دور میں تیار کیں اور انہی سے اپنے مطلب کے لئے فائدے اٹھاتے آ رہے ہیں۔ ان کو عرب ممالک میں ایک وہابی ملک کی حمایت حاصل ہے اور یہ وہیں سے فنڈ حاصل کرتے ہیں۔ ہم ماتم کر کے انہیں لوگوں کے ظالمانہ رویّے کے خلاف احتجاج کرتے ہیں۔ انہیں ملک کے اندر وہابیوں، دیوبندیوں اور پرویزیوں کی حمایت حاصل ہے۔ یہ لوگ عقل کے پجاری ہیں اور محمد ﷺ کی آل کا مقام نہیں سمجھتے۔ ہم انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ یہ لوگ کافر ہیں"۔

غازیا کی دائیں جانب والا سنّی لڑکا چیخا:

"بند کرو اپنی بے ہودہ زبان اور اگر میں بچ نکلا تو سب سے پہلے تمہارا سر اتاروں گا۔"

مگر غازیا نے شیعہ لڑکے سے کہا کہ:

تم اپنا مؤقف پوری قوت سے بیان کرتے جاؤ:

تب وہ کہتا گیا کہ:

"پاکستان ایک سنی ریاست بن کر رہ گیا ہے۔ ہم نے کم تعداد میں ہو کر بھی بہت قربانیاں دے کر اپنے حقوق منوائے ہیں۔ یہ لوگ منافق ہیں۔ پاکستان پر زیادہ انہی کے لوگ حکمرانی

کرر ہے ہیں۔ انہوں نے شیعوں کو کوئی تحفظ فراہم نہیں کیا۔"

یہ لڑکا اتنے زور سے اور چیخ کر بات کرر ہا تھا کہ اس کی آواز بیٹھ گئی وہ شاید اور بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر آہستہ آہستہ خود ہی خاموش ہو گیا۔

غازیانے سنّی اور شیعہ لڑکوں کو مخاطب ہو کر کہا:

"تمہیں اجازت ہے جو جس کے خلاف جو کچھ بھی کہنا چاہے کہتا جائے اور جو کچھ بیان کرنا چاہے بیان کرے۔تم دونوں میں زندہ وہ رہے گا جو جیتے گا۔"

اس نے اپنے ساتھیوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

شیعہ سنّی لڑکو!

"یہ سب اچھوت ہندو تھے اور اب اسلام میں داخل ہو چکے ہیں یہ تم دونوں کی تاریخ سے ناواقف ہیں اور تم آخری پیغمبر ﷺ کے بعد جس جس ہستی سے عقیدت رکھتے ہو انہیں اس کے بارے میں کچھ علم نہیں اس لئے ابھی تک اِن کی اُن ہستیوں سے کوئی عقیدت نہیں۔ یہ لوگ تمہارے لئے جج کا کام کریں گے۔ یہ فیصلہ کریں گے کہ تم میں سے کون جیتا اور تب یہ ہی فیصلہ کریں گے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ اور تم نے جو کچھ ثابت کرنا ہے صرف قرآن کی وساطت سے کرنا ہے کیونکہ بہت سی احادیث جن پر سنّی یقین رکھتے ہیں شیعہ ان کو نہیں مانتے اور بہت سی احادیث ایسی ہیں جن پر شیعہ یقین رکھتے ہیں ان پر سنّی یقین نہیں

رکھتے۔"

صورتِ حال بڑی دلچسپ تھی۔نو مسلم حیران تھے کہ یہ دونوں مسلمان کس وجہ سے ایک دوسرے کا سر اتارنے کے لئے کوشاں ہیں اور اپنے ملک میں جا کر کیوں ایک دوسرے کے فرقے والوں کو بموں اور گولیوں کا نشانہ بنانا چاہتے ہیں۔نماز کا وقت ہو رہا تھا سو انہوں نے اس بحث کو کچھ دیر کے لئے ملتوی کر دیا۔ ساتھیوں نے غازیا کی امامت میں نماز پڑھی۔ وہ لڑکے حیران تھے کہ غازیا کی نماز بہت ہی مختصر تھی۔ اس دوران وہ دونوں لڑکے اپنے اپنے دلائل سوچتے رہے۔ وہ ہر صورت جیتنا چاہتے تھے تا کہ جج اس کے حق میں فیصلہ دے اور وہ مرنے سے محفوظ رہے۔دونوں نے سوچا کہ اگر ججوں نے قرآن کے حوالے سے انہیں اپنا مؤقف ثابت کرنے کے لئے کہا ہے سو اب وہ کیا جواب دیں گے۔ یہ سوچ کر دونوں اندر ہی اندر سے سہم گئے کیونکہ دونوں نے قرآن کا مطالعہ نہیں کیا تھا۔دونوں نے اپنے اپنے علماء کی جو تقریریں سن رکھی تھیں ان سے اپنے اپنے مؤقف کی حمایت میں دلائل اکٹھے کرنے کی کوشش کی مگر دونوں کو اس موقع پر وہ تقریریں و دلائل سچائی سے خالی اور لفظوں کی جادوگریاں محسوس ہونے لگے۔ دونوں نے اپنی اپنی عقیدتوں کا نئے سرے سے جائزہ لینا شروع کیا مگر ان سب کی بنیادیں مبالغوں پر مبنی دکھائیں دیں۔ دونوں نے پھر سے آنکھیں بند کیں اور پوری طاقت سے اپنے عقائد کی بنیادوں کو تلاش کرنے لگے۔دونوں کو تقریروں اور وعظوں کا شور سنائی دیا۔دونوں نے

محمد ﷺ کی فوری بعد کی تاریخ کو قرآن کے آمنے سامنے کر دیا تاکہ کوئی نہ کوئی دلیل میسر آئے یا شاید کہ ٹھوس وجوہات میسر آئیں اور کوئی بات بنے۔ لیکن انہیں تاریخ صرف واقعات کا تسلسل نظر آئی۔ جبکہ قرآن اللہ کے ثابت شدہ حقائق واحکامات کا مجموعہ محسوس ہوا۔ یہ عجیب کیفیت تھی۔ ان کے پاس جو کچھ تھا وہ کہہ چکے تھے۔ اب صرف ان کی تشریح ہی باقی تھی جو بذاتِ خود کئی جگہوں پر الجھ جاتی اور وہ ان الجھنوں کا جواب نہ دے سکتے۔ دونوں آمنے سامنے تھے دونوں نے پہلی بار ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔ کیونکہ انہیں علیحدہ علیحدہ خانوں میں رکھا جاتا تھا۔ دونوں نے آنکھیں کھولیں اور ایک دوسرے کو دیکھا۔ دونوں زندہ رہنا چاہتے تھے مگر دونوں شک میں تھے کہ دوسرا جیت جائے گا کیونکہ ان کے ذہن خالی تھے۔ انہیں موت سامنے ناچتی نظر آ رہی تھی۔ وہ بھاگ نہیں سکتے تھے۔ وہ ایک دوسرے سے مشورہ نہیں کر سکتے تھے۔ ایک کو یقین تھا کہ چند لمحے بعد اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا کیونکہ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں۔ یہی حال دوسرے کا تھا۔ وہ بار بار ذہن کو جھنجھوڑ رہا تھا اور کفِ افسوس مل رہا تھا۔ دونوں کی آنکھیں میچی ہوئی تھیں مگر غازیا کی آواز نے انہیں چونکا دیا۔

غازیا نے ان سب سے کہا:

"حیرت ہے تم مسلمان ہو مگر تم نے نماز کے لئے کوئی حرکت نہ کی"

انہوں نے شرمندگی سے آنکھیں نیچی کر لیں۔

غازیا نے پہلے ایک کی جانب اشارہ کیا کہ آخری نبی ﷺ کے علاوہ اپنی عقیدتوں کو ثابت کرو اور یہ بھی ثابت کرو کہ ان ہستیوں کی خدمات اور قربانیوں سے عقیدت بھی ایمان کا حصہ ہے۔

ایک کے ذہن میں بس یہی آیا کہ ان کی قربانیاں ہیں اور خدمات ہیں"۔

مگر اس کے پاس اس سوال کا جواب نہیں تھا کہ وہ "ایمان" کا حصہ کیوں کر ہوئیں۔

چنانچہ وہ خاموش رہا۔

یہی سوال اس نے دوسرے سے دہرایا۔

دوسرا ابھی یہی سوچتا رہا کہ وہ یہ کیسے کہہ دے کہ اس کی وہ تمام عقیدتیں جو آخری نبی ﷺ کے بعد کی تاریخ کی پیداوار ہیں وہ ایمان کا حصہ ہیں۔ دوسرا بھی پہلے کی طرح خاموش رہا۔

غازیا سمجھ گیا کہ دہشت گردی کی تربیت دینے والوں نے کتنا زہر ان پاکستانی لڑکوں کے ذہنوں میں بھر دیا ہے تا کہ وہ ایک دوسرے کے خلاف قتلِ عام کرتے پھریں اور اپنے اس فعل کو عبادت سمجھیں۔ وہ ان لڑکوں کے معصوم چہروں کو دیکھتا رہا۔ اسے بادلِ نخواستہ ان پر رحم آنے لگا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

تمہاری عدالت میں یہ دنوں مجرم کھڑے ہیں۔ انہیں اپنی پسند کے سوالات کرو تا کہ تم بہتر

فیصلہ کرسکو۔ایک ساتھی نے دونوں کو مخاطب کر کے کہا:

نوجوانو!

مجھے ان ہستیوں کا علم نہیں جن کے بارے میں تم گفتگو کرتے ہو اور اسی لئے میں ان سے منسلک کسی رسم سے آگاہ بھی نہیں نہ میں ان واقعات سے آگاہ ہوں جن کا ذکر تم کرتے ہو اور اسی لئے ان واقعات سے منسلک کسی رسم پر عمل نہیں کرتا۔ایسے میں یہ بتاؤ کہ کیا میں مسلمان ہوں یا نہیں؟

ایک نے لاشعوری طور پر کہا:

"تم آدھے مسلمان ہو"

دوسرے نے بھی اسی لمحے لاشعوری طور پر کہہ دیا۔

"تم بالکل مسلمان نہیں ہو"

غازیا تحمل اور صبر سے دونوں کی جانب دیکھتا رہا۔

سوال کرنے والے نے پھر پوچھا:

"جب آخری پیغمبر ﷺ نے اسلام میں داخل ہونے کے لئے تمام انسانوں کو دعوت دی تھی تو کیا اس میں یہ شرط تھی کہ جو شخص آئندہ مسلمان ہونے والی ان ہستیوں پر ایمان نہیں لائے گا اور ان سے منسلک رسمیں پوری نہیں کرے گا اور ان کے کارناموں سے بے خبر رہے گا اس کا

ایمان قبول نہیں ہوگا اور وہ مسلمان نہیں کہلائے گا۔"

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پہلی بار دونوں نے آنکھوں آنکھوں میں کچھ کہنے کی ضرورت محسوس کی تھی مگر دونوں کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ اس لئے وہ خاموش رہے۔

ایک دوسرے ساتھی نے پوچھا!

"کیا اسلام کی برکات اور رحمتیں صرف آخری پیغمبر ﷺ اور آل کے گھرانے کے لئے اور چند دیگر صحابۂ کرام کے لئے ہی ہیں یا ہم اچھوتوں کے لئے بھی ہیں"۔

یہ سوال بلا مبالغہ چونکا دینے والا تھا۔ یہ سوال ایک لحاظ سے شیعہ اور سنّی دونوں کی بنیادی عقیدتوں پر حملہ آور ہونے کے مترادف تھا۔ دونوں سوچتے رہے کہ اس اچھوت کو کیا جواب دیں لہٰذا وہ دونوں چپ رہے کیونکہ ان کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

ایک ساتھی نے کہا:

نوجوانو!

"حیرت ہے آپ ہمارے سوالوں کا جواب نہیں دے رہے۔ ہم تمہاری خاموشی سے کیا مطلب لیں"۔

ایک نے کہا:

”میرے پاس تمہارے سوالوں کا جواب نہیں ہے“

دوسرے نے بھی یوں ہی کہا کہ:

”میں تمہارے سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا“۔

سوال کرنے والے نے کہا:

”تو تم ویسے مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے ہو جیسے کہ ہم ہوئے ہیں اور ہم ہر فرقے اور اس کی ہر رسم سے آزاد ہیں۔ سوائے اللہ کے خوف کے ہم بے خوف ہیں اور آسان وسادہ زندگی پر عمل کرر ہے ہیں۔“

غازیا نے کہا:

”ان دونوں کو تنہا ایک کمرے میں بند کر دو تا کہ یہ ایک دوسرے کا سر اتار کر اپنی اپنی مسلمانی کو لے کر جنت میں داخل ہو سکیں۔ چنانچہ ان دونوں کو فورٹ کے برآمدے والے کمرے میں بند کر دیا گیا“۔

غازیا نے دوسرے لڑکوں کو مخاطب ہو کر کہا:

نوجوانو!

”اب تمہاری باری ہے۔ تمہیں یہ ثابت کرنا ہے کہ تم اپنے ملک والوں کو کیوں نشانہ بنانے پر تلے ہوئے ہو!“

ان میں سے ایک جو زیادہ قوی اور شوخ تھا اس نے جھٹ سے کہا:

''میں ان فرقے والوں کو فضول سمجھتا ہوں اس لئے میرا ان لوگوں کو اڑانے کا کوئی منصوبہ یا ارادہ نہیں اور نہ ہی میں اسلام کا پکا پیرو کار ہوں۔ پاکستان میں فلاں علاقے میں پولیس نے بغیر جواز کے میرے بھائی کو کسی جرم کے شک میں پکڑا اور مار مار کر مار ڈالا۔ ہم عدالت میں گئے تو ججوں نے سنی ان سنی کر دی۔ پولیس نے مار مار کر اس سے فرضی جرائم کا اقرار کروالیا تھا۔ وہ بہت معصوم تھا۔ ہم بڑے افسران تک گئے انہوں نے کہا سب معصوم ہوتے ہیں۔ اور یوں ہمارا گھر اجڑ گیا اور میرے بھائی کے بیوی بچے بے سہارا ہو کر در بدر ہو کر ذلیل ہو کے رہ گئے۔ میں یہ ظلم برداشت نہیں کر سکتا۔ میرے ملک میں عدل کو بڑی بے دردی سے قتل کیا جاتا ہے''۔ وہ کہتے کہتے رونے لگ گیا اور تھوڑی دیر تک مزید روتا رہا۔

ایک ساتھی نے ذرا کرخت لہجے میں کہا:

اپنا مؤقف بیان کرو اور یہ آنسو کسی اور کو دکھانا۔

اس نے کہا:

''مجھے اور کچھ نہیں کہنا آتا''

ایک اور ساتھی نے کہا:

''تم جھوٹ کہتے ہو۔ اخباروں میں لکھا ہوتا ہے کہ تمہارے ملک میں پولیس اور عدالتوں

میں اصلاحات ہوتی رہتی ہیں جو بے گناہوں اور کمزوروں کے حق میں ہوتی ہیں"۔

پرے کھڑا لڑکا جو پہلے والے کی بات سن رہا تھا جذباتی ہو گیا کیونکہ وہ بھی ایسے ہی کسی واقعہ سے گزر چکا تھا۔

اس نے کہا:

"تمہیں علم ہی نہیں کہ ہم بے انصافی اور بے عدلی کی کس جہنم میں رہتے ہیں۔ جو اصلاحات کی جاتی ہیں وہ نظام نہیں بدلتیں وہ صرف ناپسند لوگوں کو ایک طرف کر کے پسندیدہ افراد کو آگے لاتی ہیں اور یہ پسندیدہ افراد حکمرانوں اور جابروں کے مفادات کو اس طرح تحفظ دیتے ہیں کہ عوام کی نسوں میں خون خشک ہو جاتا ہے اور ان کے چہرے پیلے پڑ جاتے ہیں"۔

یہ لڑکا کچھ زیادہ پڑھا لکھا تھا اس لئے اپنی گفتگو کو ذرا طویل کر دیتا تھا۔ غازیا کے ساتھی نے کہا:

"آپ کی گفتگو اچھی تقریر کا پیراگراف تو بن سکتی ہے مگر ممکن ہے کہ عملی حقائق کے خلاف ہو"۔

اس پر یوں محسوس ہوا کہ جیسے وہ زیادہ جذباتی ہو گیا ہو۔ اس کی آواز بھرا گئی۔ اس نے زور دے کر بات کرنا چاہی مگر الفاظ جیسے چیخ میں بدل گئے ہوں۔

اس نے کہا:

"ہمارے ملک میں ۱۹۴۷ سے پولیس، عدالتوں اور حکمرانوں نے اتحاد کررکھا ہے۔ ساری انسانی تاریخ میں عوام کے خلاف اس سے زیادہ خطرناک اور بے رحم اتحاد دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس اتحاد کی وجہ سے بے گناہ، معصوم، باکردار، با اصول افراد ذلیل ورسوا ہوتے رہے۔ وہ رُسوائیوں کی سولیوں پر جھولتے رہے اور نا اہل بار بار اقتدار کی جنتوں میں داخل ہوتے رہے اور عدالتیں آئین وقوانین کے صحیفوں کو چوم چوم کرانہیں آگ لگاتی رہیں اور اقتدار والوں کو تحفظ فراہم کرتی رہیں۔"

اس ساتھی نے کہا:

"تم صرف بنی بنائی وہ باتیں کررہے ہو جو تم نے ہمارے ملک بھارت میں دیکھی ہیں اور تم ان کا سہارا لے کر ہمیں فریب دے کر رحم حاصل کرنا چاہ رہے ہو اور اپنے قبیح کارناموں کے لئے جواز حاصل کرنا چاہتے ہو۔"

وہ لڑکا مزید جذباتی ہوکر خاموش ہوگیا۔ غازیا نے اپنے ساتھیوں سے کہا:

"یہ ہمیں کس طرح کی معلومات فراہم کررہے ہیں۔ میرے لئے تو پاکستان خوابوں کی سرزمین کی طرح رہی ہے اور میں تو اسے اپنے تصورات میں عظیم اسلامی سلطنت سمجھتا رہا ہوں۔ انہوں نے میرے خوابوں اور تصورات کے محل چکنا چور کردیئے ہیں۔"

ایک لڑکا یہ بات سن کر جیسے رونے لگ گیا ہو۔اس نے کہا:

محمد غازیا!

"ہمارا ملک عملی طور پر اسلامی ملک نہیں ہے۔ یہ ایسے انسانوں کا ملک ہے جن کے علماء آپس میں دست و گریباں رہتے ہیں۔وہ کبھی ایک دوسرے کے پیچھے صلواۃ ادا نہیں کرتے۔ وہ دل سے ایک دوسرے کو کافر وشیطان سمجھتے ہیں۔وہ اپنے فرقوں کو نہیں چھوڑ سکے اس لئے متحد نہیں ہو سکتے۔ انہوں نے اسلام کو یرغمال بنا رکھا ہے۔حکمرانوں کو ان کا یہ طریقہ راس آتا ہے اس لئے وہ قانوناً فرقوں کو حرام قرار نہیں دیتے چنانچہ وہ ان کے اختلافات کی پرورش کرتے ہیں اور ان کے فرقوں کے تہواروں پر سرکاری تعطیلات کے اعلان کر دیتے ہیں تا کہ وہ اپنے اپنے موَقف پر خونخوار ہو کر ڈٹے رہیں۔"

اس نے مزید کہا کہ:

"میرے بھائیوں سمیت میرے خاندان کے کئی افراد ان کے اختلافات کی وجہ سے مارے گئے ہیں۔ یہ لوگ بہت ظالم ہیں۔ یہ اسلام کو ایک خوفناک نظام زندگی بنا کر پیش کرتے ہیں۔ ان کا اسلامی نظام بنیادی طور پر صرف عورت کی دشمنی پر مبنی ہے۔ یہ فنون کو حرام قرار دیتے ہیں اور زندگی کو بنجر، بے کیف اور بدصورت بنا دیتے ہیں۔"

اس نے چیخ کر کہا:

"ہم کیا کریں ہم کونسی پناہ گاہ تلاش کریں۔ جب ہم اتنا ستائے جائیں تو کیا کریں۔ جب ہم اتنا ستائے جائیں کہ ہماری روحوں کی بھی جان نکال دی جائے تو ہم کیا کریں۔ ہم کدھر جائیں۔ہم کہاں جائیں۔"

ایک اور لڑکے نے آگے بڑھ کر کہا:

"کیا آپ کو علم ہے کہ ہمارے ساتھ کیا گزرتی ہے۔ ہم مہینوں فاقوں بھری زندگی گزارتے ہیں۔ ہمارے علاقوں میں افلاس ہے۔غربت ہے، قحط ہے ہم پانی کی بوند بوند کو ترستے ہیں مگر ہمارے ان مسائل کا نام لے لے کر اہلِ اقتدار کے نمائندے بے حساب دولت سمیٹتے ہیں۔وہ زمین کا سینہ چیر کر پانی کی تہوں تک ہماری رسائی نہیں ہونے دیتے۔ آنے والی حکومت انہیں پھر اقتدار میں لے آتی ہے اور تب ہم مارے جاتے ہیں۔ہم کہاں جائیں۔ روزگار کے دوازے کھولنا تو کجا ہمارے پہلے والے روزگار بھی چھین لئے جاتے ہیں اور کوئی عدالت عدالتوں سے نہیں پوچھتی کہ:

"تم انصاف دینے میں اتنی دیر کیوں کرتے ہو۔ اور جب تک جرم ثابت نہیں ہو جاتا اس وقت تک انسان کو کیوں قید خانوں میں بند کئے رکھتے ہو اور اس دوران اس کے بچوں پر اور گھر والوں پر کیا گزرتی ہے اس کے لئے کوئی حکمران جواب نہیں دیتا اور جب اک عمر پولیس اور عدالت کے اذیت خانوں میں گزارنے کے بعد یہ ثابت ہوتا ہے کہ ملزم بے گناہ

ہے اور اسے باعزت بری کیا جاتا ہے تو کوئی عدالت عدالتوں اور حکمرانوں سے اس کی برباد شدہ زندگی کے دنوں کا معاوضہ اسے نہیں دلواتی''۔ وہ لڑکا بات بات پر جذباتی ہو رہا تھا۔ غازیا کے ساتھیوں نے اس کے ہاتھ پیچھے باندھ رکھے تھے۔ اور وہ صرف گردن کے جھٹکوں سے بات کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

محمد غازیا!

اگر میں تجھے لے جاؤں اپنے گھر میں تو تم میری ماں اور بہن کے بے کسی اور غربت کے ہاتھوں گرتے رہنے والے آنسوؤں کا ترجمہ کن الفاظ میں کرو گے۔ ہم جیسے ان گنت گھرانوں کو فیصلہ سازوں نے تصویریں اتروانے کے لئے زندہ رکھا ہوا ہے تا کہ گاہے بگاہے ہمیں اپنی خیرات وزکوٰۃ سے ٹکڑے دیتے رہیں اور اخبارات و ٹیلی ویژن میں ہمارے پیلے و پژمردہ غربت و مسکینی سے مارے ہوئے چہروں کو دکھا دکھا کر اپنی عظمتوں کا اعلان کرتے رہیں اور ملک کی بڑی بڑی کمپنیاں ہمیں اشتہار بنا بنا کر اپنی اشیاء بیچتی رہیں''۔

تب اس کے ہونٹ کانپتے رہے اور آنسو گرتے رہے۔

غازیا کے ساتھی نے کہا:

''لیکن تم لوگوں نے ہمارے ساتھیوں پر تشدد کیوں کیا''۔

اس نے کہا:

ہمیں تہہ خانوں میں یہی تربیت دی جاتی ہے کہ انسان کے خون کے خوف سے اور اس کی چیخوں اور فریادوں کے دکھ کے احساس سے آزاد ہو جاؤ اور ہمیں پہلے مرحلے میں قیدیوں پر تشدد کرنے کے لئے اکسایا جاتا ہے۔

دوسرے نے روتے ہوئے کہا:

محمد غازیا!

”تمہیں کیا خبر کہ ہم کس جہنم زار سے نکل کر آئے ہیں۔ جن یتیم خانوں میں ہمیں رکھا جاتا ہے اور جو ہمارے ساتھ سلوک کیا جاتا ہے وہ تو کوئی کتوں کے ساتھ نہیں کرتا۔ حکومت والوں کے اپنے بیٹے جنت جیسی درسگاہوں کے سبزہ زاروں میں تربیت حاصل کر رہے ہوتے ہیں اور ہم یتیمی کی ٹوپیاں پہن کر فریادیں کر رہے ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی درسگاہیں جو آگاہی دینے کے بہانے لاکھوں کروڑوں لے جاتی ہیں وہ بدلے میں صرف اندھیرا ہی تقسیم کرتی ہیں۔ کوئی نہیں اٹھتا جو یہ کہے کہ ان یتیم خانوں کو کیڈٹ کالج بنا دو؟ انہیں بھی جینے دو۔ ان کا اگر کوئی سہارا نہیں تو کیا ہوا۔ حکومت تو ہے۔ ہم بسوں میں، گاڑیوں میں ہاتھ پھیلائے مانگتے چلے جاتے ہیں اور دھتکارے چلے جاتے ہیں۔ انسانی حقوق کے لئے آواز اٹھانے والیاں ماں بن کر ہمارے لئے آواز اٹھاتی ہی نہیں۔ کسی کے آنسو نہیں نکلتے جو ہمارے رخساروں پر آ کر گریں اور جن کی گرمی کہہ رہی ہو کہ اب اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا کہ

میں آ گیا ہوں تمہاری باہوں کا سہارا بننے کے لئے۔ جو حکومت میں آتا ہے وہ بہت بڑے بڑے لفظوں سے بڑی بڑی باتیں کرتا ہے کسی کو لٹکانے کی اور کسی کو اٹھانے کی۔لیکن آج تک کسی نے اپنی پہلی تقریر میں یتیموں کے لئے بات نہیں کی"۔

غازیا!

"تم ہمیں بار بار وطن جانے کے لئے کہتے ہو۔ اس وطن میں جب آگ کا راج ختم ہوتا ہے تو بگولوں کا شروع ہو جاتا ہے۔ہم زندگی کو ترستے ہوئے موت پہنے ہوئے جیئے جا رہے ہوتے ہیں۔ یتیم خانوں کے کرتا دھرتا کئی بار ہمارے ہاتھ سے نوالے تک چھین لیتے ہیں اور ہمیں بھیک کے لئے دھکیل دیتے ہیں۔لوگ اپنے بچوں کے ساتھ بڑی بڑی پھلوں کی دوکانوں سے پھلوں کی ٹوکریاں بھر کر لے جا رہے ہوتے ہیں اور ہم انہیں حسرتوں سے دیکھتے کبھی اپنی ماں کبھی اپنے باپ کو آواز دے رہے ہوتے ہیں لیکن وہ اس جہان میں آتے ہی نہیں ہمیں دلاسا دینے کے لئے۔"

غازیا دیر تک ان کی حسرتیں دیکھتا اور محسوس کرتا رہا۔اسے اپنے آشرم کے حالات یاد آئے۔ جو ایسے ہی تھے۔ان کی آہیں اور آنسو دیکھ کر غازیا کا دل بھر آیا۔

اس نے سوچا کہ:

"وہ ملک جو میرے لئے خوابوں کا ملک ہے اس میں چند انسانوں نے ایسا راج طاری کر رکھا

ہے کہ جہاں اکثر لوگ بے سہارا اور یتیم ہو کر رہ گئے ہیں۔ اتنے بلند دعوے کرنے والے صرف بے سہاروں کی ہی چیخیں نکلواتے رہتے ہیں تا کہ دوسرے سہم جائیں۔ لیکن ان کا دہشت گردی میں ملوث ہونا اسے بہر حال بہت قابلِ نفرت لگا۔

اس نے ان سب کو اکھٹا کر کے کہا:

میرے بھائیو!

جب تم بم دھماکے کرو گے اور سینکڑوں کو خون میں لت پت کرو گے تو کیا اس طرح تمہاری یتیمی ختم ہو جائے گی اور تم اپنے خوابوں کی تعبیر کو پالو گے؟

وہ دونوں اس کی طرف دیکھنے لگ گئے۔

اس نے مزید کہا!

"کیا اس طرح تم اور یتیم نہ بنادو گے؟"

غازیا نے کہا:

"جس صبح کا تمہیں انتظار ہے اور جسے تم تلاش کر رہے ہو وہ اگر دہشت گردی سے طلوع ہو سکتی تو دنیا میں کامیاب اور حسین انقلابوں کے لئے کی گئی مسلسل اور محترم جدوجہد کی تاریخ فنا ہو کر رہ جاتی۔ وقت گواہی دیتا ہے کہ آج تک دہشت گردی نے روشن صبحوں کے چہروں کو سیاہ کر کے چھوڑا ہے اور ان کی بنیاد پر کبھی جمیل انقلاب برپا نہیں ہوئے۔ دہشت گردی سے

صرف چہرے بدلتے ہیں نظام نہیں بدلتے۔ دہشت گردی بے گناہوں کے گھروں کو ماتم کدوں میں بدل دیتی ہے۔ یہ انسانوں سے کسی برتر انقلاب برپا کرنے کے لئے قربانی کے جذبوں، ارادوں اور آرازوؤں کو چھین لیتی ہے۔ یہ روحوں میں خوف اور دہشت اتار دیتی ہے۔ ایسے میں اگر کوئی صبح تم کھینچ بھی لائے تو وہ اتنی ہی مسخ شدہ ہوگی جتنا کہ تمہاری دہشت گردی کی وجہ سے کسی کا جسم اور چہرہ جس کی انگلیوں سے خون رس رہا ہو۔"

ایک دوسرے پاکستانی دہشت گرد نے کہا:

"ہم کسی انقلاب کے لئے جدو جہد نہیں کر سکتے ہم صرف انتقام کے لئے تگ و دو کر سکتے ہیں اور بالفرض ہم اس جدو جہد میں شامل ہو بھی گئے جسے تم "عظیم تر اور جمیل تر انقلاب کا نام دے رہے ہو" تو کیا وہ ہماری جوانی کے ماہ و سال لوٹا دے گا جنہیں چند با اختیار انسانوں نے اپنے مفادات کی قید میں مقید کر دیا اور بارہ بارہ سال تک ایڈ ہاک اور کنٹریکٹ پر کام کروا کر آخرِ کار ایک صبح بے یار و مدد گار کر کے دھکے دیتے ہوئے اسی وطن کی سڑکوں پر پھینک دیا جاتا ہے تا کہ ہم لوگوں کے لئے عبرت بن جائیں۔"

غازیا کبھی اسے کبھی آسمان کو دیکھتا اور اسے دور سرحد کے پار صحرا میں اٹھتے ہوئے بگولے ان جواں لڑکوں کی جانب بڑھتے ہوئے محسوس ہوئے۔

غازیا نے کہا:

''اگر ہم آپ لوگوں کو زندہ چھوڑ دیں تو کہاں جاؤ گے اور کیا کرو گے؟''

زخموں سے چور ایک نے کہا:

''ہم وہی کریں گے جو ہم نے کرنا تھا۔ ہمیں ہمارے جسم کے زخموں نے نہیں روح کے زخموں نے انتقام کے لئے اکسایا ہے۔''

غازیا کی آنکھیں جیسے غصّے سے سرخ ہو گئی ہوں اس نے گرجدار آواز میں کہا:

نادان لڑکو!

''وہاں تمہارے جیسے حالات اور مجبوریوں میں رہ کر جو لوگ تب بھی اپنی سرزمین سے پیار کر رہے ہیں تم انہیں کیا کہو گے؟ اور

کیا تم نے کبھی ان سے پوچھا کہ وہ لٹ کر اور برباد ہو کر بھی اپنے وطن سے کیوں پیار کر رہے ہیں اور چند لقموں کے سہارے ہی جیئے جا رہے ہیں مگر جب بھی کوئی ان کے وطن کے خلاف آواز اٹھاتا ہے وہ سینہ تانے سامنے آ کھڑے ہوتے ہیں۔ وہ ہر بار حکمرانوں اور پالیسی سازوں کی بے ثمر پالیسیوں سے برباد ہوتے ہیں مگر اپنے وطن کو زندہ باد زندہ باد کہتے بھاگے پھرتے ہیں۔ کیا تم نے کبھی اپنی روحوں سے پوچھا کہ ان کی روحیں کون سے نور سے فیض یاب ہیں کہ انہیں کوئی خرید سکتا ہے اور نہ ہی بے بس کر سکتا ہے۔ وہ تباہ کن ناکامیوں میں بھی سر اٹھائے حوصلوں کے پرچم بلند کئے زندگی گزار رہے ہیں وہ بھی پاکستانی ہیں تم بھی

پاکستانی ہو۔لیکن سچ اور سچ کہو کہ:

''میں تم میں کس کو پاکستانی تسلیم کروں''۔ ''انہیں یا تمہیں''۔

غازیا نے کہا:

اے انسان کے دشمنوں!

سورج کا کام روشنی عطا کرنا ہے تا کہ چلنے والا ٹھوکریں کھانے اور کھائیوں میں گرنے سے محفوظ رہے اور درست راہوں پر چلتے ہوئے منزل تک پہنچ جائے مگر جنہوں نے کھائیوں میں گرکر تباہ ہونے کا ارادہ کرلیا ہے سورج ان کے آگے دیوار بن کر کھڑا نہیں ہوتا کہ غرق ہونے سے بچ جاؤ۔میرے مطالعے کے مطابق یوں ہی دینِ اسلام ہے اگر انسانوں کا ایک بڑا گروہ مسلمان ہوکر برباد ہونے کا تہیّہ کرلیتا ہے تو اسلام ان کے آگے دیوار بن کر کھڑا نہیں ہوتا کہ وہ بچ جائیں۔اس کی بلا سے چاہے ساری دنیا جہنم میں چلی جائے۔'' غازیا کچھ دیر تک ان سے یوں ہی کلام کرتا رہا۔

غازیا کی باتیں سن کر انہیں یوں لگا جیسے کسی نے ان کے اندر کے مردہ انسان میں نئی زندگی بھر دی ہے۔ ان سب کی آنکھوں میں جیسے آنسو تڑپنے لگے ہوں۔انہوں نے ہمت کر کے کہا:

غازیا! یہ وعدہ رہا کہ:

''اگر ایک بار ہمیں زندہ واپس جانے دو تو ہم اپنے وطن میں دہشت گردی روکنے کے لئے

اپنی جانیں تک دے دیں گے۔"

غازیا کچھ دیر تک خاموش رہا اور انہیں دور تک پاکستان کی سرحد کی جانب جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔

غازیا جب کسی جنگ میں مہم کے لئے اپنے احکامات جاری کرتا تھا تو اس کے بعد خاموش ہو جاتا اور تب مہم کے اختتام پر حاصل ہونے والے نتائج پر ہی گفتگو کرتا۔ البتہ بعض اوقات احکامات جاری کرنے سے پہلے متعلقہ حالات و واقعات پر وہ اپنے ساتھیوں کو کھل کر گفتگو کرنے، تجزیہ کرنے، جانچنے اور پرکھنے کا موقع دیتا اور اس سارے منظر میں وہ کسی کو بھی درست یا غلط نہیں کہتا تھا بلکہ ان کی آپس میں کھل کر بحث و تمحیص ہونے دیتا اور ہر ایک کے نقطۂ نظر کو اتنے غور سے سنتا کہ بات کرنے والا اپنے کہنے پر فخر محسوس کرتا۔ غازیا کو ایک کے بعد ایک جنگی مہم سے واسطہ پڑ رہا تھا اور وہ بڑی کامیابی سے اس کا سامنا کرتا آرہا تھا۔ مقامی لوگ ہراساں تھے۔ جو غازیا کو جانتے تھے وہ اس کی اطلاع دینے کو تیار نہیں تھے اور جو نہیں جانتے تھے وہ اس کا سامنا کرنے کو تیار نہیں تھے۔ مقامی حکومت متعدد بار مرکزی حکومت سے بھی اسی سلسلے میں راہنمائی حاصل کر چکی تھی اور خصوصی طور پر مذکورہ مہم کے لئے اس نے پولیس کی مدد کے لئے ایک ایسے کرنل اور میجر کی خدمات حاصل کیں جنہوں نے جنگی کورس کر رکھے تھے اور وہ اپنے ساتھیوں کی نسبت زیادہ محنتی اور لکھائی پڑھائی کرنے والے تھے۔

ان کے بارے میں ان کی یونٹوں اور حلقوں میں مشہور تھا کہ وہ جنگی ٹیکٹکس کے ماہر ہیں البتہ سٹریٹجی اور گرینڈ سٹریٹجی کے طور پر انہوں نے ایک ریٹائرڈ جنرل سے رابطہ کیا جو اپنی سروس کے دوران مخالف ممالک کی افواج سے بعض محاذوں پر ہتھیار ڈلوا چکا تھا اور جسے یو این او کے تحت امن افواج میں شامل ہونے کا موقع مل چکا تھا اور وہ بعض ایسے ممالک میں جہاں مسلح باغیانہ سرگرمیاں ہوا کرتی تھیں ان کی کمانڈ کر چکا تھا۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو نیلا نے اپنی عسکری دانش کی تقویت کے لئے جن لوگوں سے مشورہ کیا اور جن کی پشت پناہی حاصل ہوئی وہ باقاعدہ تربیت یافتہ تھے اور ان کے سینوں پر ان کی کارکردگی کے متعدد تمغات چمک رہے ہوتے تھے۔

غازیا کے خلاف جو ایکشن پلان یعنی منصوبہ بندی کی جا رہی تھی اس میں بہر حال نیلا کو ہی سربراہی حاصل تھی۔ چنانچہ نیلا کی کمانڈ میں جب پہلی میٹنگ ہوئی تو ریٹائرڈ جنرل نے خود آنے کی بجائے اپنی تجاویز لکھ کر ہی بھیج دیں۔ البتہ دو دیگر فوجی افسران نے اس میٹنگ میں شامل ہو کر جو تجاویز دیں ان کے بارے میں نیلا زیادہ مطمئن نہیں تھی۔ ان کا کہنا تھا کہ:

* "غازیا کے ٹھکانوں پر یکبارگی حملہ کروا دیا جائے۔
* اس کے لئے یہ تخصیص نہ رکھی جائے کہ وہ کس ٹھکانے میں ہے۔
* حملے میں ہیلی کاپٹر استعمال کئے جائیں۔

* حملہ باقاعدہ طور پر ایک یا ایک سے زیادہ فوجی یونٹوں سے کروایا جائے۔

* وہ راستے جہاں سے غازیا یا اس کے ساتھیوں کے گزرنے کے امکانات ہو سکتے ہیں انہیں باقاعدہ نگرانی میں لے لیا جائے"۔

نیلا کوان کی تجاویز سے اتفاق نہیں تھا لیکن اس نے بعض وجوہات کی بنا پر انہیں مسترد نہ کیا۔ اس نے اپنی رائے کا اظہار بھی نہ کیا۔ وہ پچھلے معرکوں میں جان چکی تھی کہ غازیا دنیا کے ان فوجی افسران سے کہیں زیادہ زیرک تھا جنہوں نے صرف کاغذی اور دفتری جنگیں لڑی ہوئی تھیں اور اِنہی کاغذی جنگوں کی بنا پر وہ خوبصورت تمغات حاصل کر کے اُنہیں اپنے نام کا حصہ بنوا چکے تھے۔ نیلا بذاتِ خود بعض دیگر ممالک میں مسلمانوں کے قتل عام میں بڑی بڑی جنگی چالیں چل چکی تھی ایسے میں سادہ سی کمانڈ کرنے والے وہ کرنل اور میجر اسے قطعی طور پر متاثر نہ کر سکے کیونکہ انہوں نے اپنی حکمتِ عملیوں کی تقویت کے لئے اپنی پڑھی ہوئی جنگی کتابوں سے متعدد حوالے دیئے ہوئے تھے۔ جن میں درج تھا کہ:

"باغیانہ گوریلا سرگرمیوں کا کیسے مقابلہ کیا جاتا ہے۔"

نیلا کو جو کچھ حوالہ جات کے طور پیش کیا گیا البتہ وہ ضرور قابل تعریف تھا۔ نیلا نے ان کی درخواست پر مرکزی حکومت کو لکھا کہ:

"غازیا کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کے خلاف ان کے ایکشن پلان کو پایۂ تکمیل تک

پہنچانے کے لئے ایک فوجی یونٹ بھیج دی جائے"۔ریٹائرڈ جنرل نے جو تجاویز دی تھیں

وہ ان حالات میں قابلِ عمل تھیں جن میں کہ:

* سرحدوں پر جنگ ہو رہی ہو اور جس میں ٹینک' توپیں' میزائل اور جہاز استعمال ہو رہے

ہوں اور دشمن کو گھیر کر ایک جگہ پر مرکوز کر کے اس کے تمام راستے مسدود کر کے اسے ہتھیار ڈالنے

پر مجبور کر دیا جائے۔اس کی کمک کے تمام ذرائع تباہ کر دیئے گئے ہوں یا زیرِ کنٹرول کر لئے گئے

ہوں"۔

* "دوسری تجویز کے مطابق گوریلا کارروائیوں کو کچلنے کے لئے مقامی لوگوں میں زیادہ

سے زیادہ مخبر حاصل کئے جائیں جن کو ان کی پسند کا لالچ دیا جائے"۔

* "تیسری تجویز کے مطابق جن علاقوں میں غازیا یا اس کے ساتھی ٹھہرے ہوتے تھے وہاں

کے لوگوں کو حکومت کی طرف سے تادیبی کارروائیوں کا خوف دلایا جائے تا کہ کوئی غازیا یا اس

کے ساتھیوں کو پناہ نہ دے"۔

* البتہ جنرل صاحب کی چوتھی تجویز مقابلتاً زیادہ قابلِ غور اور کامیاب ہونے والی تھی جس

کے مطابق مقامی' چرواہوں' گلی کے آوارہ لڑکوں اور سکول کے بچوں کو خصوصی اعتماد میں

لیا جائے اور غازیا کو پکڑوانے والے کے لئے

پُرکشش انعامات رکھے جائیں۔

یہ تو ہے کہ بچے اپنی معصومیت میں کچھ نہیں چھپاتے اور اگر چھپانے کی کوشش کریں تو ان کے اظہار کے تضاد سے سچ ظاہر ہو جاتا ہے۔

اگلے چند دنوں میں ایک مخصوص یونٹ نے اس علاقے کو گھیرے میں لے لیا جس میں کہ غازیا کے بارے میں معلومات حاصل کی جاچکی تھیں۔ نیلا نے براہِ راست نگرانی کرنے کی بجائے متعلقہ یونٹ کمانڈر کو طے شدہ تجاویز اور منصوبہ بندی سے آگاہ کیا اور کامیاب نتائج حاصل کر کے رپورٹ کرنے کو کہا۔ یونٹ کمانڈر نے تمام حالات و واقعات کا گہری نظر سے تجزیہ کیا اور اس چیلنج کو اپنے لئے چنداں مشکل نہ پایا۔ اس کی کارکردگی کے بارے میں نیلا نے یہ رپورٹ اس کے افسران بالا کو بھیجنا تھی جو کہ اس کی مستقبل کی ترقیوں کے لئے خصوصی اہمیت کی حامل تھی۔ اس لئے وہ نیلا کے کسی حکم کو رد کرنے کے قابل نہ تھا۔ البتہ نیلا نے تجربے کی بناء پر اسے مکمل آزادی دی تا کہ وہ اپنی پسند کے مطابق نتائج حاصل کر سکے۔ نیلا نے اسے بتلایا کہ:

"غازیا اور ان کے ساتھیوں کو ایکشن کے دوران گرفتار کرنے کی بجائے قتل کر دیا جائے تو وہ زیادہ سراہے گی"۔

یونٹ کمانڈر نیلا کے اس حکم کو تہہ تک نہ سمجھ سکا۔ آخر اس نے حوصلہ پا کر پوچھ ہی لیا کہ:-

"اگر اسے آخری حکم کی منطق کے بارے میں آگاہی ہو جائے تو اس کے لئے اسے آگے

بڑھ کر قتل کرنے میں آسانی ہوگی اور اس کے کسی سپاہی کو ہچکچاہٹ بھی پیدا نہیں ہوگی کیونکہ جب وہ انہیں زندہ گرفتار کر سکتے ہوں تو کوئی بھی سپاہی انہیں فوری قتل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کر سکتا ہے"۔

نیلا نے سمجھ لیا کہ:

"وہ یونٹ کمانڈر صرف ایک لڑنے والا سادہ سا آفیسر تھا جو زمانۂ امن میں صرف اپنے اختیار کے دبدبے سے دن گزار دیتے ہیں اور جہاں دبدبہ کم ہو وہیں تنزل کا شکار ہو جاتے ہیں اور جہاں دبدبہ بڑھ گیا وہیں ترقی کی راہیں کھل جاتی ہیں"۔

وہ حیران تھی کہ:

"غازیا کہیں کا تربیت یافتہ نہیں مگر اس نے اس وقت تک ہونے والے تمام منصوبوں کو شکستِ فاش سے دوچار کیا اور خود وہ جو کہ جنگوں اور نفرت و انتقام کی پرورش کرتی رہی تھی وہ ابھی تک اس کی حکمتِ عملیوں کو نہ سمجھ سکی تھی اور اس کے ٹیکٹکس ہر لحاظ سے مقامی پولیس اور دیگر ایجنسیوں کی چالوں سے برتر ہوتے تھے"۔ اس نے سوچا کہ:

"تمام حالات و واقعات بتلائے جانے کے باوجود اگر یونٹ کمانڈر اس کے حکم کی تہہ تک نہیں پہنچ سکا تو وہ غازیا کا قطعی طور پر مقابلہ نہ کر سکے گا"۔

وہ آفیسر سوال کرنے کے بعد نیلا کے جواب کا منتظر تھا۔ نیلا نے چند لمحے اس کی جانب

غور سے دیکھا۔ آفیسر کو نیلا کی نگاہیں بڑی خوف زدہ کر دینے والی محسوس ہوئیں۔ کیونکہ اس کی نگاہوں سے عیاں تھا کہ آفیسر اس کی نظروں میں گر چکا تھا۔ وہ مزید کچھ کہنے والا تھا کہ نیلا نے حکم دیا کہ:

آفیسر!

"آپ فی الحال غازیا کے خلاف ایکشن مؤخر کردیں اور میرے اگلے حکم کا انتظار کریں"۔

آفیسر حیران تھا کہ:

"آخر وہ کونسی بات تھی جس پر نیلا نے عمل میں آتی ہوئی منصوبہ بندی کو التوا میں ڈال دیا"۔

وہ آفیسر اگلے چند دنوں تک یونٹ کے سپاہیوں کو منصوبہ بندی کے عمل میں لانے کے لئے طریق کار اور ٹیکٹکس سمجھاتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ:

"چند روز کے بعد اسے حکم ملے گا اور اس کی یونٹ غازیا کو گھیرا ڈالنے کی کارروائی مکمل کرلے گی"۔

مگر اسی دن نیلا نے اس کے متعلق بڑے افسران کو لکھ بھیجا کہ:-

یونٹ کمانڈر لڑنے والا ایک سادہ آفیسر ہے اور وہ غازیا کے مقابل اس زیرکی اور بصیرت

سے محروم ہے جوایک یونٹ لڑانے والے آفیسر کو درکار ہوتی ہے اور اگر اس یونٹ کمانڈر کو آگے بڑھ کر غازیا کے مقابل آنے کا موقع دیا گیا تو خدشہ ہے کہ وہ پوری یونٹ کو ہلاک کروا دے گا"۔

نیلا کی بات میں صداقت تھی کیونکہ وہ آفیسر مورچوں میں لڑنے کے لئے سیدھے سادھے ٹیکٹکس کی ہی تربیت لئے ہوئے تھا۔ اسے خبر نہیں تھی کہ نفرت وانتقام کی چالیں ایک طرف اوراس کے مقابل جذبہ جہاد کی توانا سرگرمیاں ہوں تو اس جنگی کشمکش میں کون سے جنگی ٹیکٹکس استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے بارے میں عالمی تاریخ بھی خاموش ہے کیونکہ افغانستان میں جب گنتی کے مجاہدین سویت یونین کی لاتعداد افواج کو تباہ وبرباد کررہے تھے تو پامیلا گڈون نے اپنی کتاب ''کاٹ ان دی کراس فائر'' میں لکھا تھا کہ:

''میرے ذاتی مشاہدے کے مطابق جو میں پچھلے کئی دنوں سے کررہی ہوں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ اگر دنیا کے کسی بھی حساس کمپیوٹر سے سویت یونین کی جنگی قوت اور مجاہدین کی جنگی قوت کے سازوسامان اور تعداد کا موازنہ کیا جائے تو وہ یہی جواب دے گا کہ سویت یونین ناقابل شکست ہے۔ لیکن میری عقل اور میرے دل نے جو کچھ دیکھا ہے اس کے مطابق مجاہدین ناقابل شکست ہیں اور وہ سویت یونین کو ریزہ ریزہ کرکے دم لیں گے کیونکہ وہ ''جنگ اور مرنے'' کے الفاظ کی بجائے صرف ''جہاد اور شہادت'' کے الفاظ سے مانوس و

آشنا ہیں اور ان کا انہیں پورا یقین ہے اور یہ دونوں الفاظ جب کسی پر طاری ہوتے ہیں تو وہ ناقابلِ شکست ہوتا ہے۔ کیونکہ ساری موجودہ تاریخ عالم پر اسلام کے یہی دو الفاظ حکمرانی کر رہے ہیں جنہیں کبھی شکست نہیں ہوئی۔ اسی لئے مسلمانوں کو جتنا زیادہ مٹایا جاتا ہے وہ اتنی ہی زیادہ نئی قوت اور نئے ممالک لئے ابھرتے ہیں"۔

متعلقہ ہیڈ کوارٹر میں نیلا کے خط نے ہلچل مچا دی کیونکہ جس آفیسر کو غازیا کے مقابل بھیجا گیا تھا اس کا ریکارڈ گواہ تھا کہ وہ تمام عسکری کورسوں میں بلند و بالا نتائج حاصل کر چکنے کی بناء پر مستقبل کے لئے جنرل کے عہدے تک کے امیدواروں میں شامل تھا۔ چنانچہ ہیڈ کوارٹر کے بالا افسران نے نیلا کی رائے کو چنداں اہمیت نہ دی اور اسے جواباً لکھ دیا کہ:

"جو آفیسر آپ کی مدد کے لئے بھیجا گیا ہے وہ اپنی کارکردگی سے آپ کو مایوس نہیں کرے گا۔ کیونکہ وہ تمام عسکری امتحانات میں کہیں زیادہ بہتر کارکردگی کی بناء پر محکمے میں اپنا مقام بنا چکا ہے"۔

نیلا نے جواب پر حیرت کا اظہار کیا اور انتہاپسندوں کے لیڈر کو اپنی خط و کتابت سے آگاہ کر دیا۔

تاہم بعد میں یہ جنگی آپریشن مالابار آپریشن کے نام سے مشہور ہوا۔ یونٹ کمانڈر نے غازیا کے بارے میں نیلا سے تمام معلومات حاصل کیں اور نیلا کے وہ ساتھی جو اس سے پہلے غازیا

کے مقابل آتے رہے ان میں سے کچھ جو زیادہ تجربہ کار اور سمجھدار تھے انہیں بھی خصوصی مشورے کے لئے یونٹ میں شامل کرلیا گیا۔

تازہ خبر کے مطابق غازیا ایک ایسے ساحلی قلعے میں اپنے ساتھیوں سمیت رہ رہا تھا جو کبھی پرتگیزیوں نے تعمیر کیا تھا اور مرورِ ایام سے ویران وسنسان ہو چکا تھا۔اس قلعہ کی تین اطراف دلدل میں بدل چکی تھیں اور صرف ایک طرف ایسی تھی جو سمندر کی جانب کھلی تھی مگر وہ بھی سمندری جھاڑیوں اور سمندر کے کیچڑ اور جھاگ سے اٹی پڑی تھی اور وہاں سے فورٹ میں داخل ہونا ویسے ہی ناممکن تھا۔

اس لحاظ سے یہ ضروری تھا کہ قلعے پر حملہ کرنے سے پہلے یا اس میں داخل ہونے سے پہلے اس کی مکمل جغرافیائی معلومات حاصل کرلی جائیں۔یونٹ کمانڈر نے اپنے ایک مستعد آفیسر کو چند سپاہی دے کر اس علاقے کا بنفسِ نفیس معائنہ کرنے کے لئے بھیجا تا کہ حملہ کرنے سے پہلے مکمل احوال سے آگاہی حاصل کرلی جائے۔

انہوں نے دو ایک روز میں ہی نہایت خوبصورت نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں اس قلعے کے اردگرد کے ماحول اور راستوں کے بارے میں نہایت احتیاط سے معلومات اکٹھی کر کے درج کرلی گئیں تھیں۔معلومات سے صاف ظاہر تھا کہ حکومت نے اس جانب کبھی توجہ نہ دی۔شاید اس کی نئے زمانے میں کچھ بھی ضرورت نہ تھی۔ اسی وجہ سے وہ قلعہ ہر لحاظ سے

چاروں اطراف سے دلدل میں گھر کر رہ گیا تھا اور دلدل بھی دور سے شروع ہوتی تھی اور جو راستہ سمندری جھاڑیوں کی جانب تھا وہ بھی ذرا دور سے دلدل میں ہی چلا جاتا تھا اور وہ دریا جو قلعے سے ذرا فاصلے پر سمندر میں گرتا تھا اصل میں اس ساری دلدل کا وہ ہی ذمہ دار تھا۔ کیونکہ سیلابوں سے لائی ہوئی مٹی جمتے جمتے وہیں جمتی تھی اور پہلے کے سمندری پانی میں مل کر دلدل بنا چکی ہوئی تھی۔ البتہ اپنی جنگی مہارت سے انہوں نے جو راستہ تلاش کر لیا تھا وہ نہایت ہی خفیہ تھا۔ ان کی رائے کے مطابق غازیا اس راستے کو ہی استعمال کرتا رہتا ہوگا۔ وہ جان گئے تھے کہ وہ راستہ عام آدمی کی تلاش میں نہیں آ سکتا تھا۔ اس کی نشاندہی وہاں کے ایک چرواہے نے کی تھی اور جنرل کی تجویز اس لحاظ سے کارگر ثابت ہوئی تھی۔ وہ آفیسر اپنی کارکردگی پر اس لئے بھی فخر کر سکتا تھا کہ اس نے چرواہے کو اچھا خاصا لالچ دینے اور خوفناک نتائج کی دھمکیاں دینے کے بعد اس سے وہ معلومات حاصل کر لیں تھیں۔

یونٹ کمانڈر نے اپنی زمین دوز کمانڈ پوسٹ میں نقشے کا مطالعہ کیا اور اس خصوصی راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کیں۔ انہوں نے بتلایا کہ:

"انہوں نے چرواہے کو اسی راستے سے قلعے تک جا کر واپس آنے کا حکم دیا تاکہ تجرباتی طور پر اس راستے کی پختگی کا پتہ چل سکے اور وہ خود خاص فاصلے سے اسے رات کے اندھیرے میں وہاں جا کر واپس آتا ہوا محسوس کرتے رہے جس سے عیاں تھا کہ وہ راستہ انہیں قلعے

تک لے جائے گا"۔

انہوں نے یونٹ کمانڈر کو بتلایا کہ:

"چرواہے نے ایک بوڑھی عورت کا پتہ دیا جو اس راستے کے بارے میں زیادہ باخبر تھی کیونکہ وہ قلعہ کبھی ڈاکوؤں اور لٹیروں کی آماجگاہ تھا جو اس راستے کو استعمال کرتے تھے اور کسی ایک آپریشن میں اس کا شوہر اسی راستے پر گولی لگنے سے ہلاک ہو گیا تھا"۔

دی گئی معلومات کے مطابق وہ راستہ سالوں سے استعمال میں نہ تھا۔ لیکن قلعہ چونکہ کسی کے لئے بھی فائدہ مند نہیں تھا اس لئے کوئی بھی اس جانب کا رخ نہ کرتا اور اگر عام افراد اس کے بارے میں بات کرتے تو وہ کئی قسم کی کہانیوں کی زد میں آجاتے جو لٹیروں نے بچنے کے لئے لوگوں میں پھیلا رکھی تھیں۔ یہ بھی حقیقت تھی کہ مقامی لوگوں نے پچھلے کئی برسوں سے کسی کو بھی دلدل سے گزر کر قلعے میں جاتے نہیں دیکھا تھا۔ نظری جائزہ لینے والے آفیسر نے یونٹ کمانڈر کو یہ بھی بتلایا تھا کہ:

"چرواہے کو اس سے زیادہ معلومات نہیں تھیں کہ اس نے کچھ لوگوں کو شام ڈھلے جب کہ وہ اپنے ڈور ڈنگر واپس لا رہا ہوتا تھا تو قلعے میں انہیں اسی مخصوص راستے سے چھپتے چھپاتے جاتے دیکھا تھا"۔

مستعد آفیسر کی جانب سے پیش کی جانے والی یہ مکمل رپورٹ تھی۔ یونٹ کمانڈر نے اتنی

بہترین رپورٹ حاصل کر لینے کے بعد کہ جسے لحہ بہ لحہ ملنے والی مخبروں کی خبریں تقویت پہنچارہی تھیں محسوس کیا کہ وہ نیلا کے سامنے غازیا کو اس کے ساتھیوں سمیت پیش کر دے گا اور اس کامیاب آپریشن کے عوض اسے روشن مستقبل کی بلند پایہ ترقیاں نظر آرہی تھیں۔اس نے حملہ کرنے کے لئے نیلا کو اعتماد میں لینا مناسب سمجھا البتہ اس نے مزید کمک حاصل کرنے کے لئے بالا ہیڈ کوارٹر کو لکھنا مناسب نہ جانا کیونکہ خبر کے مطابق غازیا کے صرف تینتالیس ساتھی تھے جنہیں یونٹ کی صرف ایک کمپنی ہی ملیامیٹ کر سکتی تھی۔

یونٹ کمانڈر نے آپریشن کا وقت طے کرنے کے بعد جنگی ہیلی کاپٹر سے متعلقہ یونٹ کو خبر کرنا تھی تا کہ وہ قلعے میں موجود غازیا کے ساتھیوں کو سٹریفنگ اور نیپام بموں وغیرہ سے تباہ کرکے ان کی زندگی کو مفلوج کر دے۔ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ نے بھی جو جائزہ لیا اس کے مطابق قلعے میں آدمیوں کی تعداد کوئی چالیس پینتالیس سے زیادہ نہیں تھی جو قلعے کی چھت اور چیدہ چیدہ جگہوں میں پوزیشنیں لئے بیٹھے رہتے تھے اور باہر سے آنے والے کو نظر نہیں آتے تھے ۔ان کی رپورٹ اور یونٹ کمانڈر کو ملنے والی رپورٹ کئی لحاظ سے ملتی جلتی تھی۔

پروگرام کے مطابق آپریشن کے لئے پندرہ بجکر تیرہ منٹ کا وقت مقرر کیا گیا۔ اس وقت تین ہیلی کاپٹر قلعے میں موجود پوزیشنیں سنبھالے ہوئے غازیا کے ساتھیوں کو ہلاک کرتے اور بچے کھچے ساتھیوں کے لئے یونٹ کمانڈر بذاتِ خود دو کمپنیوں کو لے کر قلعے کے اندر داخل ہو

جاتا اور ضرورت پڑنے پر دیگر دو کمپنیوں کو مدد کے لئے بلا لیا جاتا۔ قلعہ کیونکہ آبادی سے دور تھا اس لئے اس میں ہونے والی کارروائی کے بارے میں مقامی لوگ بے خبر تھے۔ یہ فوجی آپریشن ایک لحاظ سے پچھلی تمام کارروائیوں پر حاوی تھا اور نیلا اس کے بعد کہیں اور چلے جانا چاہتی تھی۔ پچھلے چند مہینوں سے وہ غازیا کا پیچھا کرتے کرتے اور اس کی کارروائیوں سے ہزیمت اٹھاتے اٹھاتے تنگ آ چکی تھی اور وہ کسی بھی طرح غازیا کو مات دے کر انتہا پسندوں کے سامنے سرخرو رہنا چاہتی تھی کیونکہ اسے بڑے دعوے کے ساتھ بھارت لایا گیا تھا۔

نیلا نے یونٹ کمانڈر کو ہدایت کی کہ یونٹ میں سے کسی کو قلعے کے اندر کی خبر لانے کا کام سونپا جائے۔ یونٹ میں وہ آفیسر جو اپنے آپ کو زیادہ ذہین اور دلیر سمجھتا تھا اس نے یہ کارنامہ سرانجام دینے کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا۔ یہ آفیسر انٹیلی جنس کورس کے دوران کئی دیئے ہوئے تجرباتی منصوبوں پر کامیاب نتائج حاصل کر چکا تھا۔ یہاں تک کہ ایک خصوصی مہم میں اس آفیسر نے اپنے دو ساتھیوں سمیت ایسے راز حاصل کر لئے تھے کہ جو بظاہر ناممکن نظر آتے تھے۔

اس آفیسر نے ایک غیر ملکی محقق کا روپ دھار کر اس علاقے کا دورہ شروع کیا۔ ہوتے ہوتے دو چار دن کے بعد وہ اپنے ساتھی کو لئے جس نے کہ گائیڈ کا روپ دھار رکھا تھا قلعے کا رخ کیا۔ ولدل کے راستے پر اگرچہ غازیا کے ایک ساتھی نے اندر جانے سے منع کیا مگر اس نے

اپنا غیر ملکی پاسپورٹ، گورنمنٹ کا اجازت نامہ اور گائیڈ نے اپنا شناختی کارڈ دکھا کر قلعے کے اندر جانے کی اجازت حاصل کر لی اور یہ صاف طور پر بتلا دیا کہ:

"وہ سیاح ایک محقق ہے جو بھارت کے سمندری قلعوں پر تحقیق کر رہا ہے"۔

آفیسر واقعی ہوشیار نکلا اور جو اس نے روپ دھار رکھا تھا وہ کسی کو بھی دھوکہ دینے کے لئے کافی تھا۔ آفیسر نے اپنے ساتھی کو دلدل کے راستے سے گزرتے ہوئے اشاروں سے بتلا دیا کہ :

"غازیا کے ساتھی سیدھے سادھے اور ناسمجھ سے لوگ نظر آتے ہیں جو بے چارے بہت جلد مارے جائیں گے"۔

"ایک لحاظ سے اس کی بات غلط نہیں تھی" کیونکہ اجازت دینے والے نے ہوسکتا ہے یہ جان کر کہ انہیں روکنے کا مطلب وہاں کی پولیس کو مداخلت کا موقع دینا ہوگا۔ یعنی اگر انہیں منع کیا جاتا تو وہ پولیس اسٹیشن جا کر بتلا سکتے تھے کہ نامعلوم افراد ان کی سیاحت اور تحقیق کے لئے رکاوٹ ثابت ہو رہے ہیں اور پولیس وہاں آ کر ان کے ٹھکانے کا علم حاصل کر لیتی"۔

قلعے کے اندر داخل ہو کر انہوں نے حالات و واقعات کا بغور جائزہ لیا اور وہاں کی اچھی خاصی تصاویر بھی اتاریں۔ وہاں پر موجود غازیا کے دو ایک ساتھیوں سے اس نے انجان بن

کر قلعے کی تاریخ جاننے کی کوشش کی اور یہ بھی جاننے کی کوشش کی کہ وہ چند لوگ وہاں کس مقصد کے لئے موجود تھے۔ ان لوگوں نے بھی ادھر ادھر کی بات کر کے ٹال دیا۔ اپنا مشاہدہ مکمل کرنے کے بعد انہوں نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے۔

وہ دونوں جب قلعے کے بیرونی دروازے کے قریب تھے تو ایک شخص نے محقق کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا:

میجر شرما!

”آپ کو غازیا نے یاد کیا ہے۔

یہ سنتے ہی گائیڈ نے اور شرما نے اپنی پستولیں نکال لیں۔ ہاتھ رکھنے والے نے کہا:

”کیا یہ ضروری ہے کہ آپ زندگی پر موت کو ترجیح دیں جبکہ آپ کسی عظیم مقصد کے لئے یوں بھی زندگی نہیں گزار رہے اور صرف دلیری کی خاطر اور نام بنانے کی خاطر یہاں چلے آئے ہیں۔“

شرما نے کہا:

”لیکن آپ اپنے آپ کو یرغمال سمجھو۔ اگر ہمیں کسی نے روکنے کی کوشش کی تو تمہیں گولی ماردی جائے گی۔“

ابھی وہ یہ بات مکمل بھی نہ کر پایا تھا کہ بیک وقت اطراف سے دو گولیاں شرما کے بازو اور

گائیڈ کو اچھا خاصا زخمی کرتی ہوئی نکل گئیں۔ ریوالور چلانے کی ان کی کوشش اسی لمحے دھری کی دھری رہ گئی جب دو اور گولیوں نے انہیں مزید زخمی کر کے نیچے گرا دیا۔ ان کے ہاتھوں سے ریوالور اور کیمرے وغیرہ بھی لے لیے گئے۔ ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر کسی نامعلوم جگہ پر پہنچا دیا گیا جو ایک جھونپڑی نما گھر تھا۔ وہاں پر موجود ایک ڈاکٹر نے ان کی مرہم پٹی کی اور وہاں موجود دیگر دو افراد نے انہیں غازیا کے حکم کے مطابق آرام کی سہولیات دیں۔ ایک شخص نے انہیں بتلایا کہ:

غازیا نے کہا ہے کہ!

"اب آپ کی کوئی بھی حرکت براہِ راست آپ کی جان کی دشمن تصور کی جائے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ ایک قیدی کو اپنی زندگی کا کتنا خیر خواہ ہونا چاہیئے۔ اگر آپ آرام سے رہیں گے تو آپ کو آرام دیا جائے گا۔ بہتر ہے کہ آپ نیلا اور ہمارے درمیان نہ آئیں۔"

ایک دن کے بعد شرما کو علیحدہ اور گائیڈ کو علیحدہ بند کر دیا گیا۔ شرما اپنے دو ساتھیوں کو جنہیں وہ قلعے کے بہت باہر چھوڑ آیا تھا کہ بوقتِ ضرورت وہ مدد کو آسکیں یا یونٹ کو واپس جا کر بتلا سکیں وہ دونوں بھی جہاں شرما کو لے جایا گیا وہاں زخمی حالات میں پڑے اپنے زخموں کے ٹھیک ہونے کا انتظار کر رہے تھے مگر شرما کو وہاں سے بھی کہیں اور لے جا کر بند کر دیا گیا۔ شرما کا خیال تھا کہ غازیا اس پر تشدد کا حکم دے گا اور اس سے یونٹ کے بارے میں اور یونٹ کے

منصوبوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرے گا"۔ مگر ایک رات گزر جانے کے باوجود کسی نے اس سے کوئی سوال نہ کیا سوائے اس کو سہولیات بہم پہنچانے کے۔

اگلی رات کے پچھلے پہر کسی نے اسے جگایا اور بتلایا کہ:

"غازیا اس کی عیادت کو آرہا ہے"۔

شرما کو شدید انتظار تھا کہ غازیا کو دیکھ سکے کیونکہ اس کے بارے میں جو معلومات حاصل تھیں ان کے مطابق وہ ان سے کہیں زیادہ جنگی بصیرت رکھنے والا نڈر سپاہی تھا اور جس کی منصوبہ بندی کے سامنے کوئی بھی یونٹ کتنی بھی نفری رکھنے کے باوجود پسپا ہونے پر مجبور ہو جاتی۔ اسے یہ معلوم نہیں ہوسکا تھا کہ اصل میں غازیا کے کتنے ساتھی تھے کیونکہ اب جا کر اسے احساس ہوا کہ اس ویرانے میں دُور دُور تک گھومنے پھرنے والے افراد اور چھوٹی چھوٹی آبادیاں سب اسی کی ساتھی تھیں اور کسی سے بھی اس کے بارے میں خبر حاصل کرنا دراصل اسے خبر پہنچانا ہوتا تھا۔ وہ کچھ دیر تک بڑی شدت اور تذبذب سے اس کا انتظار کرتا رہا۔ رات اور گزرتی رہی اور ہر لمحہ اس کی نگاہ آنے والے کی آہٹ پر رہی۔ کچھ دیر بعد اسے دیے کی روشنی آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ کوئی شخص آگے آگے تھا اور غازیا اس کے پیچھے۔

شرما نے غازیا کی بارعب شخصیت کو دیکھتے ہی لاشعوری طور پر کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر زخمی ہونے کی وجہ سے پھر گر گیا۔ غازیا نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا:

میرے بھائی!

"آپ صرف آرام کریں۔آپ کے ساتھی بھی تیزی سے ٹھیک ہو رہے ہیں اور امید ہے کہ آپ بھی جلد صحت یاب ہو جائیں گے۔ ہمارا ڈاکٹر کافی سمجھدار ہے جو آپ کی دیکھ بھال پر مامور ہے"۔

شرما ابھی تک سکتے میں تھا اور غازیا کے اچانک آ جانے سے اس کے ذہن میں فوری طور پر کوئی بات نہ آ سکی کہ اسے کس چیز کے بارے میں کیا کہے۔

البتہ غازیا نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا:

"میں نے ذاتی طور پر آپ کی والدہ کو اطلاع کر دی تھی کہ آپ خیریت سے ہیں اور مہم کے جلد اختتام کے بعد جلد واپس چلے جائیں گے۔ یہ اطلاع اس لئے ضروری تھی کہ آپ جانتے ہیں کہ آپ جب یونٹ میں چھٹی کے بعد آئے تھے تو آپ کی والدہ ہسپتال میں داخل تھی۔ اب وہ صحت یاب ہو کر اپنے گھر جا چکی ہیں اور انہیں آپ کے بارے میں فکر تھا۔"

شرما بڑی حیرانی سے اسے تکنے لگا۔اس کی نظریں کہہ رہی تھیں کہ اسے کیونکر اس کے گھر کے حالات کے بارے میں آگاہی ہوئی۔

غازیا نے صرف ہلکی سی مسکراہٹ دی اور چل دیا۔

شرما نے بڑے ادب سے کہا:

میرے محسن!

میری قسمت کیا ہے؟

غازیا نے کہا:

"آج دن کے تین بجے کے بعد آپ کی یونٹ کچھ ہیلی کاپٹروں کی مدد سے قلعے پر حملہ آور ہو رہی ہے۔اس کے بعد صبح فیصلہ کیا جاسکے گا"۔

یہ کہہ کر غازیا مشعل اٹھائے ہوئے اس شخص کو لئے باہر چلا گیا۔مگر میجر شرما گہری سوچ میں ڈوب گیا۔اسے یہ شخص حیران کن شخصیت کا مالک محسوس ہوا۔اس کے سامنے اس کے بڑے بڑے بالا افسران تھے جن سے اس کا روز کا واسطہ تھا لیکن ان سب کی چمک دمک اس کے سامنے ماند تھی۔ اسے غازیا کی اسلام کے ساتھ گہری محبت پر تعجب ہوا کیونکہ وہ اس سے گفتگو کے دوران کئی بار اللہ اور قرآن کے حوالے سے اسے تسلی دے چکا تھا اور اسے بتلا چکا تھا کہ اس پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔اس نے یہ بھی محسوس کیا تھا کہ:

"غازیا جنگی بصیرت میں کسی نپولین، گڈیرین، رومیل وغیرہ سے متاثر نہیں بلکہ اسلامی سپہ سالاروں کے طریق کار کا زیادہ حوالہ دیتا رہا تھا اور جنگی کلچر کی دانش میں ایوبی کے طریقِ کار کو دنیا کے تمام غیر مسلم جرنیلوں کے طریقوں سے بالا و بلند تر سمجھتا تھا۔

شرما اس کے پاس ایک قیدی کی حیثیت سے تھا لیکن گفتگو کے دوران اس نے ایک بار بھی

اسے جنگی قیدی کا احساس نہ ہونے دیا بلکہ بڑی شفقت ومحبت سے اسے تسلی دیتا رہا۔

وہ سوچنے لگا کہ:

''اگر وہ یعنی شرما بذاتِ خود غازیا کو گرفتار کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو کیا وہ یا اس کی یونٹ کے لوگ یا پولیس یا انتہا پسند اس سے ایسا ہی سلوک کرتے جیسا کہ وہ اس سے اور اس کے دیگر زخمی ساتھیوں سے کر رہا تھا''۔

آہستہ آہستہ اس پر مسلمانوں کی جہاد کی ڈاکٹرین کا راز افشاں ہونے لگا کہ اسلامی فوج کا مسلم سپاہی کیونکر دنیا کی دیگر افواج کے سپاہیوں سے بلند تر با کردار، با حوصلہ اور بہادری کا مالک رہا ہے۔اس پر یہ راز بھی آشکار ہونے لگا کہ:

''کس طرح نہتے اور کم تر اسلحہ سے لیس مجاہدین مقابل کی کئی گنا زیادہ فوج کو مفلوج و بیکار کر کے رکھ دیتے ہیں''۔

اسے یقین ہو گیا کہ غازیا جیسے سراپا اسلامی یقین وایمان کے مالک انسان کو سرنگوں کرنا اس کی یونٹ کے لئے ناممکن تھا۔جو اہم بات اس کے لئے وجہ حیرت تھی وہ یہ تھی کہ:

''کیا اسلامی ایمان کسی بھی سپاہی کو غازیا کی طرح بصیرت افروز بنا دیتا ہے''۔اس نے ملک کے اندر اور باہر جتنے بھی جنگی کورس کر رکھے تھے ان میں نپولین کی جنگی حکمتِ عملیاں، دوسری جنگِ عظیم، پہلی جنگِ عظیم اور اس کے بعد ہونے والی جنگوں کے تجربات پیش کئے

جاتے تھے جس سے یہ تو علم ہوتا تھا کہ حکمتِ عملی اور ٹیکٹکس کیسے ہونے چاہئیں۔لیکن یہ کہ ایک جیسا اسلحہ ایک جیسے اداروں میں تربیت یافتہ افواج اور ایک جیسی تعداد کے باوجود ایک سپاہ کامران رہتی ہے اور دوسری ہزیمت اٹھاتے ہوئے برباد ہو کے رہ جاتی ہے۔ یہ سوال اس کے ذہن میں جیسے چپک کے رہ گیا ہو۔ اس کی نگاہ بار بار غازیا کی جانب لوٹ جاتی۔وہ اس کے سراپا، گفتار، لباس، رویّے، جنگی طریق، حالات کی درست آگاہی، انٹیلی جنس اور مؤثر جنگی نیٹ ورک سے اتنا متاثر تھا کہ اسے یقین ہو گیا کہ اس کی ساری یونٹ اس کے کمانڈر سمیت غازیا کی جنگی بصیرت کے جال میں پھڑکتی ہوئی چڑیوں کی طرح آ جائے گی۔

غازیا نے جب اسے کہا تھا کہ:

"تمہاری یونٹ تین بجے کے بعد حملہ آور ہونے والی ہے تو وہ سمجھ گیا تھا کہ یونٹ کی خیر نہیں کیونکہ اگر دشمن حملے سے بہت پہلے حملے کے وقت سے باخبر ہو جائے تو پھر حملہ آور اس وقت سے اپنی زندگی کی گھڑیاں گننی شروع کر دے۔شرما کے لئے یہ اور بھی تعجب خیز تھا کہ نہایت رازدارانہ طور پر طے کیے گئے حملے کے وقت کی خبر غازیا تک کیسے پہنچ گئی۔اس موضوع پر سوچتے سوچتے اس کی عقل جواب دینے لگی اور آخرِ کار وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ وہ لوگ جو عدل کے لئے اور کسی عظیم مقصد یا اپنے بہترین حقوق کے لئے جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں تو انہیں دشمن کے اندر سے ایسے ہمدرد مل جاتے ہیں جن

کے دل ظلم سے نفرت کرتے ہیں اور عدل کے لئے دھڑکتے رہتے ہیں۔ ان کی جانب سے دل کی آگاہی کسی کرائے کے مخبر سے کہیں زیادہ سچی، جامع اور مؤثر ہوتی ہے"۔

اسی وجہ سے اب اسے صاف نظر آنے لگا کہ اس کی یونٹ کو اس کا یونٹ کمانڈر نہیں بلکہ غازیا کنٹرول کر رہا تھا کیونکہ وہ یونٹ خود بخود غازیا کی منصوبہ بندی کے مطابق عمل پیرا تھی۔ جس کا سب سے بڑا ثبوت میجر اور اس کے ساتھیوں کا حشر تھا کیونکہ جب انہیں گرفتار کیا گیا تو گرفتار کرنے والے نے کہا تھا کہ:

میجر صاحب!

"آپ کا بہروپ بدل کر قلعے کے حالات کے بارے میں جاننے کی کوشش کرنا آپ کو دی ہوئی تربیت کے عین مطابق تھا جو کہ آپ لوگوں نے کرنا ہی تھا اسی لئے آپ ہماری توقع پر پورا اترے ہیں۔"

میجر کو تین بجے کا انتظار تھا اور وہ اپنے تجزیے اور پیشن گوئی کی حقیقت جاننا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے اوپر نگہبان سے درخواست کی کہ اسے کمرے سے باہر کچھ دیر کے لئے جانے کی اجازت دی جائے۔

نگہبان نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ:

"آپ کو آرام کی ضرورت ہے"

اس نے کہا

''میں کھلی ہوا میں سانس لینا چاہتا ہوں''۔

نگہبان نے کہا:

''یہ کمرہ ویسے ہی کھلی فضا میں ہے۔''

اس نے کہا:

''میں کچھ سوچنا چاہتا ہوں''۔

نگہبان نے کہا:

''سوچ کھلی فضا یا کمرے کی دیواروں کی پابند نہیں''

میجر نے کہا!

''مگر میرا دم گھٹتا ہے''۔

اس نے کہا:

''مگر میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔ میرا دم نہیں گھٹتا''۔

میجر نے کہا:

''میں تو قیدی ہوں اور آپ آزاد''

نگہبان نے کہا:

"اس حقیقت کو تسلیم کرو گے تو دم نہیں گھٹے گا۔حقیقت کو تسلیم نہ کیا جائے تو دم گھٹتا ہے"۔

میجر نے آنکھیں بند کر لیں مگر اسے احساس ہونے لگا کہ:

"غازیا کے تربیت یافتہ عام سپاہی بھی کتنے با اعتماد، ذہین، قابل اور ذمہ دار ہیں"۔

میجر نے کہا:

"میں کسی موضوع پر آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں"۔

نگہبان نے کہا:

"آپ کو خاموش گفتگو کی ضرورت ہے تاکہ آپ اپنے اس موضوع کے حوالے سے کسی نتیجے پر پہنچ سکیں"۔

میجر ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھنے لگ گیا مگر نگہبان کمرہ بند کر کے باہر چلا گیا۔میجر نے بھانپ لیا تھا کہ

" نگہبان کی تربیت اور آگاہی اس سے بلند تر ہے"۔یہ کمرہ جہاں شرما کو رکھا گیا تھا قلعے کی کسی ایسی جگہ پر تھا جہاں سے دور تک نظریں نہیں جاسکتی تھیں اور یہ قلعہ یقیناً اس قلعے سے بہت فاصلے پر تھا جہاں سے اسے لایا گیا تھا اس لئے اسے طویل سفر طے کروایا گیا تھا۔

اس سفر کے دوران اسے اپنی کوتاہیوں اور غلطیوں کا احساس ہونے لگا تھا لیکن اب جب

اسے تنہائی میں غازیا سے ملنے کے بعد نئے سرے سے تجزیہ کا موقع ملا تو اسے احساس ہونے لگا کہ بغیر کسی نظریے کے قائم رہنے والی افواج یا زندہ رہنے والے انسان قابلِ کراہت ہیں"۔

وہ سوچنے لگا کہ غازیا کا یہ قول کہ!

"انسان اور جانور کی زندگی میں بنیادی فرق صرف نظریے کا وجود ہے یعنی انسان کی زندگی کسی نظریے کی بنیاد پر بلندی و بہتری کی جانب گامزن ہو کر مسرتیں سمیٹتی رہتی ہے اور جانور کی بِلا نظریے کے بے مسرت ایک ہی طرح گزر جاتی ہے۔"

وہ بار بار گھڑی دیکھتا اور گھڑی کی سوئیوں کو تین کے ہندسے کی طرف مائل ہوتے دیکھتا مگر ابھی سورج جوانی تک بھی نہیں آیا تھا۔ ایک طرف اسے اپنی یونٹ کی بھرپور تیاری، جدید اسلحہ اور بہترین تربیت یافتہ عام اور گوریلا سپاہی چاک و چوبند نظر آتے اور دوسری جانب غازیا اور اس کے ساتھی، ایک نظر میں تو اسے یوں لگتا تھا کہ اس کی یونٹ آخرِ کار اس قلعے کی اینٹ سے اینٹ بجادے گی اور اس میں سے کسی کو بھی بھاگنے کی اجازت نہیں دے گی کیونکہ اسے جنگی ہیلی کاپٹروں کی بھی مدد حاصل تھی اور وہ بھاگتے ہوؤں کو راستوں میں ہی اڑا کر رکھ دے گی مگر دوسری جانب اسے غازیا کی جنگی بصیرت پر حیرت ہوتی اور اسے یقین ہو جاتا کہ جب معرکہ پڑے گا تو اس کی یونٹ کی ہر شے غازیا کی حکمتِ

عملی کے سامنے دھری کی دھری رہ جائے گی۔ یہ ایک دلچسپ اور تاریخی کشمکش تھی جس کو وہ آنکھوں سے دیکھنا چاہتا تھا مگر نگہبان نے اس کی تمام تر یقین دہانیوں کے باوجود اسے کمرے سے باہر نکلنے نہ دیا کیونکہ نگہبان اسے یہ کہہ کر چپ کروا دیتا کہ غازیا نے کہا ہے کہ:

"دشمن کو صرف جاننا کافی نہیں اسے پہچاننا بھی ضروری ہے ورنہ دوست بھی دشمن بنجاتے ہیں اور جنگی صلاحیتیں غلط اطراف میں استعمال ہو کر ضائع ہو جاتی ہیں۔"

نگہبان بھی میجر سے دور جا چکا تھا۔ کمرہ بند تھا۔ صرف ایک کھڑکی کھلی تھی جو مضبوط تھی۔ اسے توڑا نہیں جا سکتا تھا لیکن اگر وہ توڑ بھی لیتا تو اس کی گولی کا نشانہ بن جاتا۔ میجر کی روح دراصل غازیا کے مشن کی جانب مائل ہو چکی تھی وہ ان کی جدوجہد کو حق بجانب سمجھنے لگا تھا۔ وہ اپنی یونٹ کے کروفر اور تیاری کو ظلم سمجھنے لگا تھا۔ وہ غازیا کے خلاف بھارتی حکومت کی کسی بھی کارروائی کو ناانصافی گردانے لگا تھا اور وہ حیران تھا کہ بھارتی حکومت کیونکر نیلا دیوی کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے"۔ اسے نیلا دیوی کی وہ تقریر جسے اس نے پہلے دن بے نظیر و بے مثال اور بھارت کی نجات قرار دیا تھا وہ اب کراہت انگیز اور بھارت کی بنیادوں کو ہلا دینے والی لگ رہی تھی۔ اس روز نیلا نے یونٹ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

بھارت کے غیور سپاہیو!

"تمہیں آج پاکستان کے گماشتے غازیا کا سامنا ہے۔ یاد رکھو!

یہ شخص وہ ہے جو ہندو دھرم کی توہین کر کے مسلمان ہوا ہے اور اس علاقے کے اچھوتوں، عیسائیوں اور مسلمانوں کو ساتھ ملا کر انتہا پسندوں کے خلاف آواز اٹھا رہا ہے۔ آپ پر یہ واضح ہو جانا چاہیئے کہ انتہا پسند اور کچھ نہیں چاہتے سوائے اس کے کہ یہ اقلیتیں یا تو ہندو ہو جائیں یا بھارت سے کوچ کر جائیں یا ہندوؤں کی مطیع و فرماں بردار اور غلام ہو کر رہیں۔

"آپ سب اگر غور سے سوچیں تو یہ انتہا پسندوں کا جائز مطالبہ ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ آپ کی یونٹ کو حکومت نے خاص کر اس مقصد کے لئے چنا ہے کیونکہ آپ میں نہ کوئی اچھوت ہے اور نہ ہی کوئی کسی بھی اقلیت کا سپاہی۔ اسی لئے آپ پوری طاقت سے اس فتنے کا قلع قمع کر سکتے ہیں۔"

میجر کے سامنے اس کی تقریر کا سارا منظر گھوم گیا۔ اس کی تقریر اتنی جذباتی تھی کہ بات بات پر "جے ہند جے ہند" کے نعرے لگتے رہے اور وہ خود بڑھ بڑھ کر سپاہیوں کو جذباتی کرتا رہا اور نیلا کے مشن کے لئے جان دینے کی باتیں کرتا رہا۔ اس وقت اسے نیلا دیوی کتنی حسین و عظیم خاتون لگ رہی تھی اور آج غازیا کے مقابل وہ اس کے لئے "ظلم و جبر" کی نشانی و استعارہ بن کر رہ گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں یہ سوچ کر آنسو آنے لگے کہ نیلا نے جب بتایا تھا کہ:

اس نے غازیا کے دو اچھوت ساتھیوں کو پکڑ کر انہیں ٹارچر کروا کے زخم زخم کروا دیا تھا

توان میں سے ایک نے اپنی پھٹی ہوئی قمیض کی جیب سے کچھ دوائی کی گولیاں نکال کر نیلا کی طرف بڑھائی تھیں کہ یہ اس کی ماں کو پہنچادی جائیں ورنہ وہ دل کے مرض سے مر جائے گی تو نیلا نے اس کے ہاتھ کٹوا کران گولیوں کو سامنے گندے پانی میں پھینکتے ہوئے کہا تھا:

"جتنا تم لوگوں کولا لا کر آمنے سامنے تڑپایا جائے گا اتنا ہی تمہیں غازیا سے نفرت ہوگی کیونکہ اسی نے تمہیں اس حال میں پہنچایا ہے"۔ اس پر یونٹ والوں نے نیلا دیوی کے ٹارچ ٹیکٹکس پرواہ واہ کی تھی اور کمانڈنگ آفیسر نے بعد میں نیلا دیوی کے صرف اس لئے ہاتھ چومے تھے کہ" وہ مسلمانوں کو بے دریغ قتل کرتی ہے اور کہیں ہتھیار نہیں ڈالتی"۔

اور کمانڈنگ آفیسر نے کہا تھا کہ:

"مسلمانوں کے بعد اچھوتوں، عیسائیوں، سکھوں وغیرہ کا بھی ایک ایک کر کے قلع قمع کر دیا جائے گا۔"

نیلا کی تقریر کے بعد ساری یونٹ اس حد تک جذباتی ہوگئی تھی کہ نیلا نے جب انہیں حکم دیا تھا کہ چند میل دور ایک اچھوتوں کی اور عیسائیوں کی بستی کسی وقت بھی مسلمان ہوسکتی ہے یا وقت پڑنے پر غازیا کو پناہ دے سکتی ہے تو کمانڈنگ آفیسر نے نیلا کا حکم ملتے ہی پوری یونٹ کو لے کر بجلی کی طرح اس بستی میں جا کر قیامت برپا کر دی تھی۔

میجر خود بھی اس ایکشن میں موجود تھا اور سب سے آگے آگے یہ خود تھا اور اب اس کی

آنکھوں کے سامنے گھسیٹے جانے والے آدمی، لڑکیاں، عورتیں اور بلکتے بچے آنے لگے تھے۔ اس کی نگاہیں نیلا پر جم کر رہ گئیں جو ایک کھلی جیپ میں کھڑے ہو کر انہیں داد دے رہی تھی اور وہ اسے خوش کرنے کے لئے ظلم پر ظلم کرتے جا رہے تھے اور مائیں بلکتی بھاگتی بچوں کو بچانے کے لئے آگے بڑھتیں تو انہیں طمانچے مار کر گرا دیا جاتا اور سہمے ہوئے مرد جب ادھر ادھر بھاگنے کی کوشش کرتے تو انہیں درے اور ڈنڈے مار مار کر نیلا کے قدموں میں پھینک دیا جاتا اور وہ ان کی گردنوں پر کھڑے ہو کر اور زور سے آواز دیتی کہ ختم کر دو اس بستی کو اور وہ بے حد خوف زدہ اس کے پیروں تلے سسکتے رہتے۔ وہ عجیب منظر تھا۔ میجر بے خیالی میں اپنے بالوں کو پکڑ کر کھینچنے لگا جیسے وہ اس ظلم کا کفارہ ادا کر رہا ہو۔ وہ ان تصورات کے آتے ہی اونچی اونچی چلانے لگا کہ:

"بس کرو یہ ظلم"

نگہبان نے کھڑکی کے پاس آ کر کہا!

"آپ کو کچھ اور دیر خاموش گفتگو کی ضرورت ہے۔ شور مچانے سے تم کمزوروں کو نیلا کے ظلم سے نہیں بچا سکتے۔ نگہبان نے کہا:

"تم جانتے ہو تم نے اچھوتوں کی بستی میں نیلا کے کہنے پر میری ماں کو بالوں سے پکڑ کر بڑی دور تک گھسیٹا تھا اور جب وہ بے ہوش ہو گئی تھی تو اسے نیلا کے قدموں میں ڈال کر

اس کی گردن پر کھڑے ہو کر تم نے کہا تھا کہ:

"باقی سب عورتیں اپنے بچوں کو ادھر لا کر پھینک دیں تاکہ ان میں کل کو کوئی غازیا نہ بنے ورنہ سب عورتوں کا حال یہی ہو گا۔"

نگہبان کی یہ بات سن کر جیسے اس کی روح بدن چھوڑنے لگی۔ ہو وہ اتنا خوف زدہ ہو گیا کہ وہ جو الفاظ کہنا چاہتا تھا وہ سب تحلیل ہو کر جیسے ہوا میں بکھر گئے ہوں۔ اس نے سوچا کہ:

یہ نگہبان اسے اتنا ٹارچر کرے گا کہ جو وہ برداشت ہی نہ کر سکے گا اور وہ اپنی ماں پر ہونے والے ظلم کا ایسا بدلہ لے گا کہ دوسروں کی روح کانپ اٹھے گی۔

نگہبان کھڑکی کے قریب آ کر اسے دیکھنے لگ گیا مگر میجر ادھر ادھر نظریں بچاتا کانپنے لگ گیا تھا۔

نگہبان نے کہا:

"دھیرج رکھو! غازیا کے سپاہیوں اور نیلا کے حکم برداروں میں بہت فرق ہے۔ غازیا کے سپاہی اسلام کی بنیادوں پر تربیت یافتہ ہیں۔ یقین رکھو! غازیا انصاف کرے گا کیونکہ آپ سب کے جرائم کی فہرست تیار ہے اور تم سے زیادہ اس نے مجھے آزمائش میں ڈال رکھا ہے کیونکہ مجھے تمہارا نگہبان مقرر کیا ہے اور اگر میں مسلمان نہ ہو گیا ہوتا تو ان حالات میں میں تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا۔ اب میں انصاف ہونے تک اللہ کی خوشی کے لئے صبر کروں گا"۔ اسلام

نے جنگ میں بھی صرف اللہ کے احکام کی پابندی کا حکم دے رکھا ہے اس لئے اسلامی روح کے مطابق "جنگ اور محبت میں سب کچھ جائز ہے" والا فلسفہ غلط، غیر انسانی اور ظلم پر مبنی ہے بلکہ جو جائز ہے وہی جائز ہے جو غلط ہے وہ غلط ہے یعنی جو سچ اور عدل کے مطابق ہے بس وہی جائز ہے۔

اس لئے آپ بے فکر ہو جائیں۔ تمہیں انصاف یا عدل یا رحم حاصل کرنے کے لئے مسلمان ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔ اسلامی عدل کے پیمانے مسلم اور غیر مسلم انسانوں کے لئے برابر ہیں جو ظلم وزیادتی کو ختم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ غازیانے ہمیں یہی سکھایا ہے"۔

میجر سوچنے لگا:

"یہ شخص بے قصور تھا اور میں نے اسے تڑپا کر رکھ دیا" اب یہ طاقتور ہے اور میں قیدی ہوں، اس کا مجرم ہوں، قصوروار ہوں اور گنہگار ہوں۔ اس کے سامنے ہوں مگر یہ بڑے تحمل، صبر اور بردباری سے میرے ساتھ پیش آرہا ہے"۔

اس کی زبان سے پھر اونچی اونچی نکلنے لگا:

حیرت ہے! حیرت ہے!

نگہبان پھر اس کی طرف دیکھنے لگ گیا۔

میجر نے اس کی طرف دیکھنے کی کوشش کی مگر پھر آنکھیں جھکا کر دوسری طرف منہ

کرلیا۔

غازیا کے ایک ساتھی نے آ کر اطلاع دی کہ ''حملے کی تاریخ اور وقت بدل دیا گیا ہے'' غازیا نے متعلقہ مخصوص جگہوں پر تعینات کئے گئے ساتھیوں کو احکامات بھیجے کہ:

''ہماری توقع کے مطابق میجر اور ساتھیوں کو قیدی بنا لئے جانے کے بعد اگرچہ دشمن نے حملے کے اوقات بدل کر ہمیں بے خبر رکھنے کی کوشش کی ہے مگر میرے یقین کے مطابق وہ زیادہ دیر تک اپنی کارروائی نہیں ٹال سکے گا اور زیادہ سے زیادہ ایک دن کے بعد آنے والی صبح کے تڑکے میں قلعے پر بمباری شروع کروا دے گا اس لئے اس پورے وقت میں بتلائے ہوئے طریقے کے مطابق ڈٹے رہنا اور جواب دیتے رہنا۔''

یونٹ کے اس جگہ پر پڑاؤ ڈالنے سے بہت پہلے غازیا نے مسلمان ہونے والے ایک گھرانے کا جس نے کوئی دوسو بکریاں پال رکھی تھیں قلعے کے اندر بسیرا کروا دیا تھا اور ان کے دو تین نوجوان چرواہوں کو اپنی پسند کی تربیت دے رکھی تھی۔ چنانچہ ایک دن جب یونٹ کا پڑاؤ مکمل ہو گیا تھا تو ایک چرواہا چیختا چلاتا اداس و پریشان بکریوں کو لئے پڑاؤ کے پاس سے گزرا تھا جس پر ایک سپاہی اسے پکڑ کر ایڈجوٹینٹ کے پاس لے گیا تھا جس نے تحقیق مکمل کر کے کمانڈنگ آفیسر کو بتلایا تھا کہ:

''ایک آوارہ چرواہے سے قیمتی معلومات میسّر آ سکتی ہیں کیونکہ اس وقت وہ اور اس کا

خاندان ایسے افراد کا نشانہ بنا بیٹھا ہے جن کی سرکوبی کے لئے ہمیں یہاں بھیجا گیا ہے"

کمانڈنگ آفیسر نے ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے اس چرواہے کو اپنے آفس میں بلوا کر تنہائی میں قیمتی معلومات حاصل کرلیں تھیں۔ کمانڈنگ آفیسر نیلا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اس چرواہے کو اپنی جیپ میں بٹھا کر خود جیپ چلاتا ہوا نیلا کے پاس لے گیا تھا۔ کمانڈنگ آفیسر نے نیلا کو بتلایا کہ:

"ہمارے چاق و چوبند سپاہی جو پڑاؤ سے دور فاصلے پر حالات پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں انہوں نے دیکھا کہ یہ چرواہا دوسرے چرواہے کے ساتھ روتے ہوئے جو بات کرتا جارہا تھا اسے ہمارے سپاہیوں نے سن کر اپنے پاس بلالیا اور بعد میں وہ اسے میرے پاس لے آئے"۔

کمانڈنگ آفیسر نے مزید بتلایا کہ:

"یہ چرواہا اتنا خوف زدہ ہے کہ یہ کچھ بتلانے کو تیار نہیں۔ کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ وہ لوگ پتا چلنے پر قلعے میں اس کے سارے کنبے کو ماردیں گے۔ قلعہ کے اندر کیونکہ بکریوں کے کھانے کے لئے کچھ نہیں اس لئے وہ صرف صبح نو بجے سے شام چار بجے تک بکریوں کو قلعے سے باہر رکھنے کی اجازت دیتے ہیں۔ یہ لڑکا اس سے زیادہ کچھ بتلانے کے لئے تیار نہیں۔ البتہ اس کی اس بات سے یہ طے ہے کہ وہ قلعہ ہمارا نشانہ بننا چاہیئے۔"

نیلا نے اس چرواہے نوجوان کو بتلایا کہ:

”ہم اور یہ فوج صرف اس لئے یہاں ہے کہ ان لوگوں کا صفایا کیا جا سکے“۔ نیلا نے اسے حوصلہ و دلاسہ دیتے ہوئے ذرا سخت لہجے میں کہا کہ:

”اگر تم ان کے بارے میں نہیں بتاؤ گے تو ہم سمجھیں گے کہ تم ان کے ساتھی ہو اور ہماری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ختم ہو جائیں گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ تمہیں یہیں قتل کر دیا جائے۔“

نوجوان چرواہا یہ سن کر جیسے سہم گیا!

اس نے کہا:

”اگر میں نے بتلا دیا اور نتیجے میں ہمارا کنبہ ہلاک کر دیا گیا تو کیا ہوگا“

نیلا نے کہا:

”اگر ہمیں جلد آگاہ کر دو گے تو اس کی نوبت نہیں آئے گی“۔

نوجوان چرواہے نے کہا:

”وہ لوگ تقریباً سو افراد کے قریب ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کا نام غازیا ہے۔ وہ سارے صرف اسی کی بات مانتے ہیں۔ وہ جس طرح کہتا ہے وہ کرتے جاتے ہیں“۔

نیلا نے کہا:

”تمہارے کنبے میں کتنے مرد اور کتنی عورتیں ہیں“۔

اس نے انگلیوں پر گننے کے بعد بتایا کہ:

”گیارہ مرد اور تیرہ عورتیں ہیں“۔

نیلا نے پوچھا:

”ان میں سے کتنے ہتھیار اٹھا سکتے ہیں اور ہتھیار چلانا جانتے ہیں“۔

اس نے بتایا کہ:

”صرف میرا بھائی اور ایک چچا زاد مگر سب افراد کو انھوں نے قلعے کے ایک کمرے میں بند کر رکھا ہے“۔ نیلا نے کہا:

”غازیا کی نشانی کیا ہے؟“

اس نے کہا:

”اس کی آواز میں گرج ہے اور وہ صاف بھاری آواز میں حکم دیتا ہے۔“

نیلا نے کہا:

”مرنے کے بعد وہ لاشوں میں سے کیسے پہچانا جاسکتا ہے“۔

اس نے کہا:

اس کے ماتھے کے درمیان ہلکا سا نشان ہے۔کمانڈنگ آفیسر نے کہا!

”کیسانشان؟“

اس نے کہا:

”میراخیال ہے سجدہ کرتے رہنے سے ماتھا جب فرش پرلگتا ہےتو بار بار کرنے سے جو نشان پڑسکتا ہےوہ ویسا ہے کیونکہ جب سے انہوں نے قلعے پر قبضہ کیا ہےوہ سجدے ضرور کرتا ہے“۔

نیلا نے کہا!

”ان کے پاس کون سے ہتھیار ہیں؟“

نوجوان چرواہے نے بتایا کہ:

”بندوقیں ہیں“۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا:

”اور“

اس نے کہا:

”میں نے ان سب کے پاس یہی دیکھی ہیں“۔

نیلا نے اسے اپنا ریوالور دکھاتے ہوئے کہا!

اگر تمہیں ایسا ریوالور دیا جائے تو کیا تم اسے کسی طریقے سے ہلاک کرسکتے ہو؟

اس نے کہا:

"نہیں"

کمانڈنگ آفیسر نے کہا:

کیوں؟

اس نے کہا:

وہ اوراس کے ساتھی بہت ہوشیار ہیں۔ میں جب واپس جاتا ہوں تو وہ پہلے تلاشی لیتے ہیں"۔

نیلا نے کہا:

"مگر ہم اسے کسی بکری کی تھیلی میں ڈال کر باندھ دیں گے اور وہ یقیناً بکریوں کی تلاشی نہیں لیتے ہوں گے"۔

چرواہے نے کہا:

"وہ قلعے کے اندر داخل ہونے والی ہر شے کی تلاشی لیتے ہیں"۔

کمانڈنگ آفیسر نیلا کی دانش پر حیران رہ گیا۔ اس کے دل میں آیا کہ:

"یہ خاتون ایسے ہی لیڈر نہیں بنی اوراس کی دانش معمولی چالوں سے لے کر گرینڈ سٹریٹیجی تک کی ماہر ہے اوراس کا دماغ حالات کے ساتھ ساتھ کام کرتا جاتا ہے"۔

نیلا نے کچھ دیر خاموشی کے بعد کمانڈنگ آفیسر سے کہا کہ:

''اس چرواہے کو لا کر اس نے اچھا کام کیا ہے اور اس کی دی ہوئی معلومات سے غازیا اور ان کے ساتھیوں کو ہلاک کرنے میں بہت آسانی ہو گی۔''

کمانڈنگ آفیسر، نیلا سے اتنی بات سن کر بچوں کی طرح اندر ہی اندر بہت خوش ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ نیلا کی جانب سے اس کے حق میں نکلا ہوا ایک ایک لفظ آئندہ اس کی ترقیوں کے لئے راہ ہموار کرے گا اور وہ اپنے اس عمل پر اترایا کہ اس نے چرواہے سے خود معلومات حاصل کرنے کی بجائے اس کی نیلا کی موجودگی میں پوچھ گچھ کی۔ اس کا دل چاہا کہ وہ فوراً یونٹ کو جا کر مبارک باد دے کہ اس کی کارکردگی بہت بہتر جا رہی ہے۔'' وہ ابھی اسی سوچ میں تھا کہ نیلا نے کمانڈنگ آفیسر کو تجویز دی کہ:

''اپنا کوئی کمانڈو جس کا قد، رنگ اور کچھ شکل اس چرواہے سے ملتی جلتی ہو آج اس چرواہے کی بجائے اس کے حلیے میں اسے قلعے میں داخل کر دیا جائے۔ جہاں وہ آہستہ آہستہ اس کے کنبے والوں کو اپنے اعتماد میں لے کر انہیں اپنے ارادوں سے آگاہ کر دے اور خود بیماری کا بہانہ بنا کر قلعے کے اندر ہی رہے اور وہاں کی خبریں دوسرے چرواہے کے ہاتھ بھیجتا رہے اور اس طریقہ کار کے مطابق آج ایک کمانڈو اور دوسرا چرواہا اندر چلے جاتے ہیں اور اگلے روز دوسرا چرواہا بھی ہمارا مہمان رہے گا اور اس کی جگہ دوسرا کمانڈو اندر داخل ہو جائے گا یوں دو ایک روز مکمل آگاہی حاصل کر کے ہم صحیح ترین ایکشن کر سکتے ہیں اور اگر ان کے پاس کسی

طریقے سے خودکار بندوقیں پہنچا سکے تو ہمیں بڑے ایکشن کی بھی ضرورت نہ رہے گی"۔

نیلا کی تجویز سن کر کمانڈنگ آفیسر واقعی بہت حیران ہوا۔ اس کا جی چاہا کہ:

"وہ اسے کھل کر داد دے مگر اسے خوف تھا کہ زیادہ خوشی وخوشامد میں کہیں اس کی زبان سے ایسے الفاظ نہ نکل جائیں جو اسے نیلا کی نظر میں گرا دیں"۔

چہرواہے کے ذریعے فورٹ میں مداخلت کا طریقۂ کار بھی ناکام گیا تھا اور نیلا نے باقاعدہ یکبارگی حملہ کرنے کی منظوری دے دی تھی۔ یہ موسم بہت تپش والا تھا اور نیلا نے حیرت انگیز طور پر حملہ کرنے کے لئے اسی موسم کا انتخاب کیا تھا۔ وہ دیگر ممالک میں جنگی حکمتِ عملیوں کے تجربے یہاں پر آزما رہی تھی۔

رات کا وقت نیلا دیوی نے اس لئے نہیں چننے دیا تھا کہ یہ کوئی باقاعدہ جنگ نہیں تھی۔ یہ صرف چند افراد کو ہلاک کرنے کے لئے ایک فوجی ایکشن تھا۔ رات کے اندھیرے میں وہ لوگ کسی بھی کوتاہی سے فائدہ اٹھا کر روپوش ہو سکتے تھے جب کہ دن کے اجالوں میں انہیں ہر طرف سے گھیرنا آسان بھی تھا اور انہیں ہلاک کرنے کے بعد پہچان لیا جاتا کہ غازیا کا انجام کیا ہوا۔ اسے ختم کر کے ہر شک وشبے کو آئندہ کے لئے ختم کر دیا جاتا۔

نیلا کی حکمتِ عملی کو بعض دیگر جنگی ماہرین کی حمایت حاصل تھی۔ دور ونزدیک کے لوگوں کو ہونے والی کارروائی کے بارے میں مکمل طور پر بے خبر رکھا گیا تھا۔ بدلا ہوا وقت بھی اگلے

روزاس لئے رکھا گیا کہ گرمیوں کی دوپہر میں انسان دھوپ سے پناہ مانگتا ہے اور مشکل جسمانی مشقت کو آئندہ وقت کے لئے ٹال رکھتا ہے۔

یونٹ کمانڈر کو نیلا کے بارے میں بہت زیادہ معلومات حاصل نہیں تھیں اس لئے وہ جب اس کی ٹیکٹکس کے بارے میں راہنمائی کرتی تو وہ چونک اٹھتا۔ اسے کافی دنوں کے بعد پتہ چلا تھا کہ وہ سربیا والوں کی تربیت یافتہ تھی جسے مسلمانوں کو ہلاک کرنے کے لئے مشرقی یورپ کے دیگر ممالک میں جنگ کے دوران بھیجا جاتا تھا اور اسی طرح وہ جنگ جیتنے سے زیادہ ہلاک کرنے والے "ٹیکٹکس" سے زیادہ واقف تھی۔

البتہ غازیانے اس کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر رکھی تھیں اور وہ جانتا تھا کہ نیلا کو صرف یورپ کے جنگی مفکر کلاسویٹز کی ڈاکٹرین کہ:

"دشمن کی فوج کو مکمل ہلاک کردو اور دشمن کی طاقت کو مکمل تباہ کردو" پر تیار کیا گیا تھا۔اور وہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکتی تھی۔ غازیا اس کی اس تنگ وخونخوار سوچ کا بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔چنانچہ اس نے اس کے مقابل جو ذاتی اصول اپنایا تھا وہ یہ کہ:

"اپنی حقیقی طاقت دشمن کے سامنے پیش نہ کرو" بلکہ حقیقی جیسی طاقت پیش کرو تا کہ وہ اسے اپنی پوری قوت سے ہلاک کرتے کرتے مضمحل اور تکان کا شکار ہو جائے۔"

نیلا کے ساتھ مشورہ کرنے والے بالا افسران اور یونٹ کمانڈر نے عارضی طور پر جنگی

آپریشن کا وقت ٹالنے کی کوشش کی تھی تاکہ اگر غازیا کسی طریقے سے ان کے حملہ آور ہونے کے وقت کو جان چکا ہو تو اسے دھوکہ میں رکھا جائے۔ دوسرا طریقہ کار جو انہوں نے اپنایا وہ بھی دلچسپ تھا یعنی حملہ آور ہونے کے لئے دو مختلف تاریخیں اور دو مختلف اوقات رکھے۔ جس تاریخ اور وقت کے راز کو رازداری سے پھیلایا گیا تاکہ وہ کسی طرح غازیا تک پہنچے تو وہ درست نہیں تھا کیونکہ یہ بعد کی تاریخ اور بعد کا وقت تھا۔ جب کہ اصل تاریخ اور وقت کے مطابق انہوں نے بہت پہلے حملہ کر دینا تھا تاکہ "سرپرائز" حاصل کی جائے اور غازیا کو بغیر تیاری کی کیفیت میں دھر لیا جائے۔ یہ اپنی طرف سے ان کی کامیاب ترین منصوبہ بندی تھی۔

غازیا تک جب دشمن کے حملے کے وقت اور تاریخ پہنچی تو اس نے ساتھیوں کو بتلایا کہ:

ہم تک جو حملے کا وقت اور تاریخ پہنچی ہے وہ بعض وجوہات کی بنا پر درست نہیں کیونکہ:

* عین وقت اور تاریخ کا علم صرف کمانڈر کو ہونا چاہیے بہت پہلے کسی عام سپاہی کو خبر ہونے کا مطلب ہے کہ وہ اس وقت کے بارے میں سنجیدہ نہیں اور وہ ہمیں الجھانا چاہتے ہیں۔

* حملے کی جو تاریخ اور وقت ہم تک پہنچا ہے نیلا اتنا انتظار نہیں کر سکتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ہماری طرف سے کسی وقت بھی کوئی کارروائی ہو سکتی ہے اور وہ نہیں چاہتی کہ پہل ہماری

طرف سے ہواور ہم کارروائی کرتے کرتے بچ کر نکل جائیں۔

* ایسی فوجی یونٹ جو مکمل طور پر جدید اسلحہ سے لیس ہے وہ اسے انتظار میں رکھ کر ہمیں سنبھلنے کا موقع نہیں دے سکتی۔

* ہم نے جو قلعہ کو خالی کرنے کی تیاریاں شروع کر رکھی ہیں اور قلعے کو کل رات گیارہ بجے تک خالی کر دینے کے پروگرام کے راز کو اوٹ کر دیا ہے وہ اس وقت سے پہلے پہلے کسی وقت لازماً ہم پر حملہ کروا دے گی۔''

لٰہذا کل شام سے پہلے پہلے ہر وقت ان کے حملے کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہا جائے۔

غازیا کے ساتھی پچھلے کئی ہفتوں سے ایسے کسی بھی حملے کا سامنا کرنے کی تیاریوں میں مصروف رہے اور اب وہ وقت آن پہنچا تھا جبکہ انتہا پسندوں کی پوری قوت جسے کہ نیلا کنٹرول کر رہی تھی سے ٹکرا جانا تھا۔

یونٹ نے آس پاس کی اچھوت بستیوں میں نگرانی مقرر کر رکھی تھی اور مندروں کو بھی جہاں کہ بھیس بدل کر غازیا یا اس کا کوئی ساتھی جا سکتا تھا زیرِ نگرانی کر رکھے تھے۔ قلعے سے باہر تمام راستے پوری طرح فوجی کمانڈوز کے اختیار میں دے دیئے گئے تھے۔

منصوبہ بندی کے مطابق قلعے پر دو کمپنیوں نے دھاوا بولنا تھا جس کی چھانٹی کر کے تقریباً چار سو تک صحت مند نفری کر دی رہ گئی تھی اور دو کمپنیاں جو اتنی ہی نفری پر مبنی تھیں انہیں

تھوڑی دور پیچھے ٹرکوں پر سوار ضرورت پڑنے پر حکم ملتے ہی فوری کارروائی کے لئے بجلی کی طرح پہنچنے کے لئے تیار کھڑا کیا گیا تھا حملہ آوروں نے اپنی وردی، بازوؤں اور چہروں پر مٹی مَل رکھی تھی تاکہ قلعے کے اردگرد کے جغرافیائی ماحول یعنی دلدل اور گرد کے قریب رہ کر بھی غازیا اور ان کے ساتھیوں کی نظروں سے اوجھل رہا جائے۔ حملے کے وقت کے بارے میں صرف نیلا کو آگاہی تھی اور اس نے یونٹ کمانڈر کو حکم دے رکھا تھا کہ اسے صرف بہت مختصر عرصے کا نوٹس ملے گا۔ اسی طرح جنگی ہیلی کاپٹروں کے دستے کے کمانڈر کو بھی آگاہ کر دیا گیا تھا۔

میجر مضطرب تھا اور اگلا ہر لمحہ اس کے لئے سوہانِ روح تھا۔ وہ جلد از جلد اس آپریشن کا نتیجہ دیکھنا چاہتا تھا۔ یونٹ کمانڈر نے اس میجر اور اس کے ساتھیوں کی گمشدگی کا سخت نوٹس لیا تھا اور وہ اس طرح کی مخبری کے لئے مزید آفیسر یا سپاہیوں کو بھیجنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ نہایت خونخوار ہوا بیٹھا تھا۔

اس کو اگرچہ ان کے لاپتہ ہونے کا بے حد افسوس تھا اور اس کی اطلاع اس نے نیلا اور احکامِ بالا کو بھی کر دی ہوئی تھی مگر وہ مطمئن تھا کہ حملے کے دن اور وقت سے صرف نیلا اور احکام بالا کے دو افسران آگاہ تھے۔ اس وجہ سے میجر شرما سمیت دیگر پکڑے جانے والے سپاہی غازیا کو گمراہ تو کر سکتے تھے مگر درست تاریخ و وقت بتلانے کے اہل نہیں تھے۔

احکامِ بالا کے لئے میجر کی گمشدگی کافی تشویش ناک تھی۔ وہ قلعے کے گرد گھیرا تنگ کر کے غازیا کو الرٹ نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ان کی بنیادی حکمتِ عملی ہی ایک جنگی اصول کے مطابق غازیا اور اس کے ساتھیوں پر "اچانک حملہ" کرنا تھا تا کہ وہ کسی بھی لحاظ سے سنبھلنے نہ پائیں۔

ان کے بارے میں کہیں سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ تمام کوششیں رائیگاں گئی تھیں۔ کسی نے انہیں آخری بار نہیں دیکھا تھا۔ قلعے سے آنے والا گڈریا بے خبر تھا وہ کسی ایسے واقعے یا افراد کے بارے میں علم نہیں رکھتا تھا جو قلعے میں لے جائے گئے ہوں۔ یونٹ کے لوگ دلدل میں جا کر انہیں تلاش نہیں کر سکتے تھے کیونکہ یہ ناممکن تھا۔ یونٹ اپنی تلاشِ بسیار پوری کر چکی تھی اور کمانڈر سمیت سبھی سپاہی انتقامی اور خونخوار ہوئے بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ عین حملے سے پہلے کہیں سے انہیں خبر ملی کہ ان کے میجر اور دیگر ساتھیوں کو غازیا نے بڑی بُری طرح ہلاک کیا ہے تو وہ سب غصے سے پاگل ہو گئے۔ اصل میں غازیا یونٹ کے سپاہیوں میں اشتعال کی کیفیت پیدا کر کے ان کی عقلوں پر غالب آنا چاہتا تھا اور یہ ٹیکٹکس اس نے غزوہ بدر سے پہلے پیدا ہونے والے حالات سے سیکھے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دشمن پر ان کے تجارتی قافلے روک کر طاری کر دیئے تھے۔

یونٹ والے اب نیلا کی جانب سے بہت جلد حملے کا حکم سننا چاہتے تھے۔ ان کی مٹھیاں

کبھی بند ہو رہی تھیں کبھی کھل رہی تھیں۔ یونٹ کمانڈر نے ساری سپاہ کو حکم دے دیا تھا کہ غازیا کے ساتھیوں کو چن چن کر بڑی بری طرح ہلاک کیا جائے اور اگر غازیا پکڑا جائے تو اسے نیلا کے حوالے کر دیا جائے تا کہ اسے ٹارچر کر کے ہلاک کیا جائے اب تو یونٹ کا ہر سپاہی گھڑیاں گن رہا تھا اور بندوقوں کا رخ قلعے کی جانب کیے بتلائی گئی جگہوں پر بتلائی گئی پوزیشنوں کے مطابق تیار تھا۔

یہ بالکل جھلستی دوپہر سے ذرا بعد کا وقت تھا جب نیلا کا حکم آیا کہ جب ہیلی کاپٹروں کے دستے کا کمانڈر قلعے کے اندر جانے کا اشارہ کرے تب یکبارگی کمپنیاں قلعے پر دھاوا بول کر اندر داخل ہو جائیں۔ اس سے پہلے یونٹ کمانڈر کو خیال آیا تھا کہ تمام بکریاں اور بھیڑیں قلعے کے باہر روک کر ایک طرف کر دی جائیں تا کہ حملے سے وہ تباہ نہ ہو جائیں لیکن اس خیال سے کہ اس طرح قلعے میں غازیا کو حملے کے وقت کی خبر ہو سکتی تھی اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔

سپاہیوں کو اچانک کوئی تین جنگی جہاز نمودار ہوتے ہوئے محسوس ہوئے جو آن واحد میں قلعے پر اتنے بم برسا کر چلے گئے کہ بکریوں کا شور اٹھا اور بے حساب انسانوں کی چیخوں کی آوازیں اٹھیں۔ ابھی یہ شور کم نہیں ہوا تھا کہ تین مزید جنگی جہاز قلعے پر بموں کی کارپٹ بچھاتے چلے گئے یہ اتنی طاقت کے بم تھے کہ انہوں نے قلعے کے اندر بڑے بڑے گڑھے ڈال دیئے تھے۔

یوں لگا کہ جو آوازیں آٹھ رہی تھیں وہ بموں کے دھماکوں میں ڈوب گئیں۔ بکریوں کی آوازیں کم ہوگئی تھیں جو رہ گئی تھیں وہ آخری آوازیں تھیں کیونکہ جنگی جہازوں نے ان کے پرخچے اڑا دیئے تھے اور وہاں پر جو غازیا کے ساتھی دوربینوں سے پوزیشنیں سنبھالے نظر آرہے تھے۔ ان کے سر بازو ٹانگیں اور جسم کے دیگر حصے دور دور جا پڑے تھے۔ جنگی جہاز کامیاب کارروائی کر کے گئے تھے۔

ان جنگی جہازوں کی کارروائی کے بارے میں یونٹ کمانڈر کو بھی بے خبر رکھا گیا تھا مبادا کہ خبر نکل جائے اور غازیا اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر کسی ایسی جگہ روپوش ہو جائے کہ اگلے کئی مہینوں تک اس کی خبر نہ مل سکے اور وہ نئی سرگرمیوں کا آغاز کر دے۔ نیلا نے اس سلسلے میں واقعی کسی بھی فوجی کمانڈر سے بڑھ کر ہوشیاری کا ثبوت دیا تھا۔

یونٹ کمانڈر سمیت تمام سپاہی پُرمسرت تھے کہ ان کی منصوبہ بندی میں جنگی جہازوں کا ذکر نہیں تھا لیکن وہ نیلا کے گرینڈ ٹیکٹکس کی داد دے رہے تھے انہیں یقین تھا کہ قلعے میں ان کا داخل ہونا صرف لاشوں کا ہی دیدار کرنا ہوگا اور جو کوئی اکا دوکا بچ نکلا ہو اسے موت کی نیند سلانا ہوگا۔ بھیڑ بکریوں کا قتل عام بھی انہیں دلچسپ لگا اور جب جب ان کا شور اٹھتا تھا وہ محظوظ ہوتے تھے اور جب انسانوں کی آہ و بکا کی آوازیں اٹھتی تھیں وہ ان سے بھی محظوظ ہوتے تھے۔ ان کے دلوں میں جو انجانا خوف تھا کہ غازیا کے ساتھیوں سے مڈبھیڑ کے دوران

ان میں سے کئی ہلاک ہوسکتے تھے وہ قلعے کے اندر مرتے ہوئے انسانوں کی آہ و بکا سے جاتا رہا کیونکہ اب یہ طے تھا کہ جنگی جہازوں کی کارروائی کے بعد بچے کھچے انسان صرف ہتھیار ڈالنے کو ترجیح دیں گے جنہیں ویسے ہی ایک حکم کے مطابق گولیوں سے بھون دیا جائے گا۔

میجر نے کھڑکی کے پاس آ کر نگہبان سے کہا:

"جنگی جہازوں کی آواز آرہی ہے کیا حملہ شروع ہو گیا ہے"

نگہبان نے کہا:

"ہاں"

اس نے کہا:

"غازیا کہاں ہے"؟

نگہبان نے کہا:

"آپ کو آرام کی ضرورت ہے؟"

میجر نے کہا:

"آپ ایک قیدی کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں کیونکہ آپ اسے بات تک کرنے کی اجازت نہیں دے رہے"۔

نگہبان نے کہا:

"یہ الزام ہے آپ جتنی چاہے باتیں کریں"۔

اس نے کہا:

"مگر کس سے کروں"؟

نگہبان نے کہا:

"آپ کو اجازت ہے جس سے مرضی کرو"۔

اس نے کہا:

"مگر یہاں کوئی نہیں"

نگہبان نے کہا:

"مگر تم خود تو ہو اپنے آپ سے باتیں کرو"۔

اس نے کہا:

"میں یہ خود سے گفتگو کرتے کرتے تھک گیا ہوں"۔

نگہبان نے کہا:

"میں نے اسی لئے کہا ہے کہ تمہیں آرام کی ضرورت ہے"۔

میجر پھر اس کی طرف دیکھنے لگا اور اس شخص کی حاضر جوابی سے لطف اندوز ہونے

لگا۔

میجر جانتا تھا کہ جنگی جہازوں کی موجودگی اور بہت دور سے دھماکوں کی آواز یقیناً اس قلعے کی تباہی ہوگی جہاں غازیا معرکہ آرا تھا۔ وہ تو اسے اچانک خیال آیا کہ اگر غازیا اپنے ساتھیوں سمیت ہلاک ہوگیا تو وہ نگہبان اسے ہلاک کرکے کہیں اور بھاگ جائے گا۔ اب تو اس کا دل بیٹھ بیٹھ جانے لگا۔ اس نے یہ سوچتے نگہبان کی خوشامد کرنے کی کوشش کی مگر اس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ میجر کو یقین تھا کہ اگر غازیا بچ گیا تو وہ اسے ہلاک نہیں کرے گا۔ لیکن یہ حالات میجر کے بس میں نہیں تھے۔

میجر کو جنگی ہیلی کاپٹر کی آوازیں آنے لگیں۔ اسے علم تھا کہ یہ اوپر سے قلعے کے اندر کی خبر لینے اور بچے کھچے انسانوں کا صفایا کرنے کے لئے اُڑ رہے ہوں گے۔

اس کی سوچ درست تھی۔ ہیلی کاپٹر بڑی تیزی سے قلعے کے اوپر اُڑتے اور جب ممکن ہوتا وہاں گولیاں چلاتے۔

لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ ہیلی کاپٹروں پر قلعے کے اندر سے فائرنگ ہونی شروع ہوئی۔ یونٹ مزید الرٹ ہوگئی۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی غازیا کے تمام ساتھی ہلاک نہیں ہوئے تھے اور جو بچ رہے تھے وہ اس پوزیشن میں تھے کہ کچھ دیر کے لئے پوزیشنیں سنبھال کر مقابلہ کرسکتے اور اس طرح بھی یونٹ کے سپاہیوں کی زیادہ سے زیادہ ہلاکت کا خطرہ باقی رہتا۔

نیلا نے ایک بار پھر حکم پہنچایا کہ ہیلی کاپٹروں کے دستے کے کمانڈر کے اشارے کے ساتھ ہی قلعے میں داخل ہوا جائے۔ جب حملہ کیا گیا تھا اس وقت قلعے کا دروازہ ویسے بھی اپنے معمول کے مطابق کھول دیا جاتا تھا تاکہ بھیڑ بکریاں نکل جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جوان میں بچ گئی تھیں وہ باہر آوارہ ممیاتی پھر رہی تھیں۔ یہ حملہ غازیا کے ساتھیوں کی فائرنگ کی وجہ سے شام تک طوالت پکڑ گیا اور ہیلی کاپٹر بھی بلاتوقف گولیوں پر گولیاں برساتے رہے حتیٰ کہ سورج کی آخری خوں ریز کرن بھی ڈوب گئی تو یوں لگا کہ قلعے کے اندر موجود ہر ٹکرانے والے کا صفایا کر دیا گیا ہے کیونکہ پچھلے دو ایک گھنٹوں سے اِکا دُکا فائرنگ بھی ختم ہو گئی تھی اور قلعے کے بڑے لان میں بعض بندوقیں کٹے ہوئے ہاتھوں سمیت بکھری پڑی تھیں جن کے بارے میں ہیلی کاپٹر سے نیلا کو اطلاع کر دی گئی تھی اور یونٹ کمانڈر کا رابطہ ہیلی کاپٹر والوں کے ساتھ تھا۔ اس نے بھی یونٹ کو بتلا دیا تھا کہ قلعے میں سوائے لاشوں کے انہیں کچھ نہیں ملے گا البتہ حملہ اسی مستعدی سے کیا جائے جس کی کہ تیاری کی گئی تھی۔

چنانچہ جونہی اشارہ ملا دونوں کمپنیاں بجلی کی طرح قلعے میں اپنے ایک جنگی نعرے کے ساتھ داخل ہوئیں اور قلعے میں داخل ہوتے ہی پوزیشنیں سنبھال لیں۔ اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ نیلا اور جنگی حکمتِ عملی تیار کرنے والوں کا خیال تھا کہ شروع کیا جانے والا حملہ زیادہ سے زیادہ دو چار گھنٹے میں نتیجہ خیز ہو جائے گا لیکن یہ سورج کے ڈھلنے تک طوالت پکڑ گیا تھا۔

ان میں اگر کوئی جنگی بصیرت رکھتا تو وہ جان جاتا کہ دن ڈھلے قلعے میں داخل نہ ہوا جائے۔لیکن وہ مشتعل تھے اور کارروائی کا فوری نتیجہ چاہتے تھے۔نیلا یونٹ کمانڈر کی اس تجویز سے متفق تھی کہ غازیا اگر بچ گیا تو وہ رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھائے گا۔

میجر کو بڑی دیر سے خاموشی محسوس ہورہی تھی اس نے پھر کھڑکی کے پاس آ کر نگہبان سے بڑی محبت سے کہا:

میرے دوست!

"اتنے شدید حملے کے بعد کیا غازیا نے بھی کوئی جوابی حملہ کیا ہے؟"

نگہبان نے کہا:

"نہیں"

اس نے کہا:

"کیوں"

نگہبان نے کہا:

"احمقوں پر جوابی حملہ نہیں کیا جاتا انہیں صرف غلط راہ پر ڈالا جاتا ہے"۔

میجر پُرمسرت حیرانی سے اسے دیکھنے لگا کیونکہ اسے نگہبان کی بات سے اشارہ مل گیا کہ غازیا مرا نہیں اور وہ پوری دانش سے حالات کو اپنے قابو میں کئے ہوئے ہے۔

دونوں کمپنیاں جب اندر داخل ہوئیں تو کچھ دیر تک ہر طرف خاموشی رہی مگر انہیں محسوس ہوا کہ چند افراد نے قلعے کا دروازہ بند کر دیا ہے اور عین اسی وقت قلعے کی ایک طرف سے کوئی چلتا ہوا یونٹ کمانڈر کے پاس آرہا تھا جسے روکا گیا مگر اس نے بتایا کہ وہ غازیا کا پیغام لے کر آیا ہے تب اس نے یونٹ کمانڈر کو ایک خط دے دیا۔ خط میں لکھا تھا:

معزز کمانڈر!

آپ حکومت کے ان کارندوں میں سے ہیں جن کا کام صرف حکم بجالانا ہے۔ آپ کی زندگی کا سوائے اس کے کوئی مقصد نہیں کہ تنخواہ لیں، ترقی کریں، ریٹائر ہوں اور مر جائیں مگر مجھے نیلا جس کی کہ پشت پناہی تمام انتہاپسند کرر ہے ہیں کی نفرت اور انتقام کا سامنا ہے۔ اس لئے میں انہیں شکستِ فاش دے کر اس خطے کو امن اور محبت کا خطہ بنا دینا چاہتا ہوں۔

آپ اپنے تمام سپاہیوں سمیت میری زد میں ہیں۔ اس وقت میں چاہتا تو کسی کو بھی واپس نہ جانے دیتا اور لاشوں کو ذرا دور سمندر میں پھینک دیتا۔ آپ کی باہر رہ جانے والی دونوں کمپنیاں بھی قید ہو کر میری نگرانی میں آپ سے دور کسی اور جگہ پر قید کر لی گئی ہیں۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ اس قلعے میں ہیں جسے تاریخی اہمیت حاصل ہے۔

آپ نے محسوس کر لیا ہوگا کہ آپ کی پلاننگ آپ کے کام نہیں آسکی۔ آپ کی واپسی کا راستہ ختم کر دیا گیا ہے۔ باہر پاؤں رکھنے کا مطلب اس دلدل کی خوراک بننا ہوگا جو صدیوں

سے اپنے شکار کے انتظار میں ہے۔

آپ اس وقت ہماری قید میں ہیں اس لئے خط لانے والے کے سامنے ہتھیار پھینک دیئے جائیں ورنہ اس رات کی سیاہی میں کوئی بھی زندہ نہ بچ سکے گا۔

ایک اہم بات، جو آپ کو فوری طور پر کرنا ہے وہ یہ کہ وہ ہیلی کاپٹر جو اوپر منڈلا رہے ہیں انہیں پیغام دے دیں کہ آپ سب خیریت سے ہیں اور آپ نے قلعے پر قبضہ کرکے باغیوں سے ہتھیار رکھوا لئے ہیں اور اب وہ واپس چلے جائیں۔" اگر آپ نے یہ پیغام انہیں نہ دیا تو اب تینوں ہیلی کاپٹر زمین پر آ رہیں گے۔ جن کے شعلوں سے کچھ دیر کے لئے رات روشن ہو جائے گی اور ان کے شعلوں کے انتقام میں مزید ہیلی کاپٹر قلعے پر آ کر گولیاں برسائیں گے جس سے آپ ویسے ہی نہیں بچ سکیں گے"۔

آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کے جنگی ایکشن کی بنیادیں شروع ہی سے تباہ کر دی گئی تھیں اور آپ سے کہیں زیادہ وہ ہماری گرفت میں تھیں۔

مزید یہ کہ جو پیغام آپ نے ہیلی کاپٹروں کو پہنچانا ہے وہی نیلا کو پہنچا دیں تا کہ وہ بھی آرام کر سکے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہمارے ہاتھ سے قتلِ عام ہو۔ میری کوشش ہے کہ جہاں تک ممکن ہو انسانی جان کی اس وقت تک حفاظت کی جائے جب تک کہ وہ صریحاً فساد کی ذمہ دار نہ ہو۔

آپ کا خیر خواہ

غازیا

یونٹ کمانڈر کے لئے یہ خط کسی صدمے سے کم نہیں تھا۔ ابھی تک صرف ملگجا تھا اور جس جگہ فوجی پوزیشنیں لئے ہوئے تھے وہاں تک بڑے گیٹ یا اطراف کے برآمدوں اور دیواروں کی رکاوٹ سے اندھیرا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ الفاظ پڑھے جا سکتے تھے اور روشنی کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ یونٹ کمانڈر جوں جوں پڑھتا جا رہا تھا توں توں اس کے دل کی دھڑکن میں ارتعاش سا آ رہا تھا۔ ماتھا پسینے سے شرابور ہو رہا تھا۔ پوزیشنیں لئے جو سپاہی یونٹ کمانڈر کو دیکھ سکتے تھے وہ ششدر تھے۔

بندوقوں پر ان کی گرفت تذبذب میں آ چکی تھی۔ خط لانے والا قلعے کے اندر سے ہی آیا تھا۔ جاننے والے جان گئے تھے کہ وہ غازیا کا کوئی ساتھی تھا۔ اس کا لباس ان کی وردی سے بہت مختلف تھا۔ اس کے ہاتھ میں سٹین گن ان کی بندوقوں سے زیادہ بہتر نظر آ رہی تھی۔ آنے والا بڑا پر اعتماد تھا۔ اس کی دستار کا ایک پلو گلے کی جانب لپٹا ہوا تھا۔

یونٹ کمانڈر نے کہا:

"آپ کون ہو"؟

اس نے کہا۔

"خط پڑھ کر اس سوال کی ضرورت نہیں"۔

آنے والے کا لہجہ یونٹ کمانڈر سے زیادہ تحکمانہ تھا اور وہ اسے کوئی فالتو کلمہ اور فالتو لفظ دینے کو تیار نہیں تھا۔

یونٹ کمانڈر نے کہا:

"سوچنے کے لئے چند لمحے دو"۔

اس نے کہا:

"ہر آنے والا لمحہ تمام اطراف سے تم پر گولیوں کی بوچھاڑ کو دعوت دے رہا ہے جن کی آپ کو خبر نہیں"۔

"اتنے میں ہیلی کاپٹر منڈلاتے ہوئے قلعے کے اوپر سے گزر رہے تھے کہ اس نے خط کے مطابق انہیں پیغام دینے کا اشارہ کیا۔ یونٹ کمانڈر نے ذرا تذبذب کا مظاہرہ کیا تو آنے والے نے واپسی کی طرف قدم بڑھائے ہی تھے کہ یونٹ کمانڈر نے اسے رکنے کیلئے کہا اور وائرلیس پر خط کا پیغام دے دیا اور کہہ دیا کہ نیلا کو بھی یہی پیغام دے دیا جائے"۔

"وہاں موجود جونیئر افسران جو کمانڈر کا وائرلیس سے دیا گیا پیغام سن رہے تھے وہ حیران اور سکتے میں تھے کہ وہ کونسے حالات کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ انہیں کچھ خبر نہیں تھی کہ کیا ہو رہا تھا۔ قلعے کے سب سے بڑے دروازے کے بند ہو جانے پر انہیں تشویش تھی مگر یہ کہ

پیغام میں استعمال کیئے گئے الفاظ کہ "غازیا اور اس کے ساتھیوں پر غلبہ حاصل کیا جا چکا ہے
ان کے لئے نا قابلِ فہم تھے۔"

ایک آفیسر نے اپنی پوزیشن چھوڑ کر یونٹ کمانڈر کے پاس آنے کی کوشش کی تا کہ اصل
حالات کا علم حاصل کیا جائے مگر خط لانے والے نے اسے سٹین گن سے اشارہ
کرتے ہوئے کہا:

"جو کام یونٹ کمانڈر کا ہے وہ اسے کرنے دو اور اپنے آپ کو مت بے آرام کرو"۔

اس نے بے خیالی میں یہ بات سنی ان سنی کر دی۔ خط لانے والے نے ذرا تلخ لہجے میں
کہا:

نوجوان آفیسر!

کیا یہ ضروری ہے کہ تمہارے جسم کے سو ٹکڑے کر دیئے جائیں بس اسی آواز نے تمام کو
الرٹ کر دیا اور وہ سمجھ گئے کہ آنے والا غازیا کا ساتھی تھا اور یونٹ کمانڈر سمیت وہ سب ان کے
شکنجے میں تھے۔

لیکن خط لانے والا یونٹ کمانڈر کی چالا کی کرنے کی کوشش اور احمقانہ لیت و لعل سے طیش
میں آ کر واپس جانے کو تھا کہ قلعے کی ایک جانب سے گرجدار اور بارعب آواز ابھری کہ:

معزز سپاہیو!

"آپ کے یونٹ کمانڈر کو ہم نے بتلا دیا ہے کہ عافیت چاہتے ہو تو ہتھیار پھینک دو"۔

آپ سب ہمارے گھیرے میں ہیں۔ اس وقت جو جابجا لاشیں آپ اپنے سامنے ذرا دور بکھری ہوئی دیکھ رہے ہیں یہ تمام مٹی، لکڑی اور کپڑے کی ہیں۔ جس جگہ آپ نے پوزیشنیں لے رکھی ہیں اس سے آگے بڑھنے کا مطلب ان اینٹی پرسنل مائنز پر پاؤں رکھ کر اپنے پرخچے اڑانا ہوگا جنہیں آپ کے اردگرد بچھا رکھا ہے۔

اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ عافیت سے زندہ رہیں تو اپنی NVD اور وائرلیس سیٹ فوری طور پر اپنے سے دور پھینک دیئے جائیں۔ اس پر کوئی بھی بات کرنے کا مطلب چار سو زندہ انسانوں کو چار سو لاشوں میں بدلنا ہوگا کیونکہ آپ سب ہمارے ہینڈ گرنیڈ اور فائرنگ کی زد میں ہیں۔ پچھلی جانب دروازے کے نیچے سرنگ میں بیٹھے آدمی گیٹ بند کر کے سٹین گنوں کا رخ تمہاری طرف کر چکے ہیں۔ سامنے مائنز ہیں اور فائر کرنے کے لئے ہمارے ساتھی"۔

اسی دوران جب بات کرنے والا ابھی بات کر رہا تھا کہ یونٹ کمانڈر نے بڑے خاموش اشارے سے وائرلیس پر بات کرنے کا اشارہ کیا تا کہ باہر کی دونوں کمپنیوں کو الرٹ دے کر مدد کیلئے پہنچنے کو کہا جائے مگر اس سے پہلے کہ یونٹ کمانڈر کا اشارہ مکمل ہوتا ایک سنسناتی

گولی نے وائرلیس کے پرخچے اڑا دیئے اور دوسری گولی یونٹ کمانڈر کی ران کو چیرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

دوسرے افسران نے جس طرف سے گولیاں آئی تھیں اس جانب بندوقوں کے رخ کر دیئے مگر یونٹ کمانڈر نے کراہتی ہوئی آواز میں انہیں روک دیا۔

گرجدار آواز پھر ابھری کہ:

معزز کمانڈر:

"ابھی تک آپ اور آپ کے سپاہی شک وشبے میں مبتلا ہیں۔ یہ شک آپ کو چند لمحوں میں شمشان کے قابل بنا دے گا اور پھر تمہاری چتاؤں کی آگ اور تمہارے خاندانوں کے آنسو مدِمقابل آجائیں گے۔ بہتر ہے فوری ہتھیار ڈال دو۔ ایک جذباتی آفیسر کھڑا ہو گیا اور اس نے جدھر سے آواز آ رہی تھی اس طرف بندوق کا رخ کرتے ہوئے کہا!

تم جو بھی ہو مگر میں نے ہتھیار ڈالنا نہیں سیکھا صرف مرنا سیکھا ہے اور یہ کہہ کر فائر کرنے کے لئے آواز کی جانب نالی کر کے ٹریگر دبانے والا تھا کہ دو تین گولیاں اس کے ہاتھوں اور پیروں کو چھلنی کرتی ہوئی آگے کو نکل گئیں۔ یونٹ کمانڈر نے پھر کراہتے ہوئے غصے سے حکم دیا کہ:

"مت کھیلو موت سے"۔

"ہم گھیرے میں ہیں اور ابھی تک ساری کارروائی صرف مٹی اور لکڑی کے بتوں کے خلاف ہی ہوتی رہی ہے۔ ان کی دوربینیں نیچے کیا دیکھ کر نشانے لگاتی رہی ہیں"۔

اس نے اونچی بڑبڑاتے ہوئے اور بمباری کرنے والوں کو کوستے ہوئے کہا کہ:

" اگر اتنے بموں اور گولیوں سے صرف بکریاں ہی مارنی تھیں تو بہتر تھا ہم خود بغیر سپورٹ کے اپنا انفنٹری اٹیک مکمل کر لیتے اور کامیاب ہو جاتے"۔

گرجدار آواز پھر اٹھی کہ!

"آپ کی گفتگو ہماری حکمتِ عملی میں مداخلت ہے۔ آپ خاموش رہیں اور ہتھیار ڈال دیں"۔

یہ آواز ہر بار پہلے سے زیادہ کرخت اور درشت ہوتی جا رہی تھی۔ یونٹ کمانڈر سمیت ساری سپاہ اس آواز کے رعب میں تھی۔

اس نے کہا:

"پانچ کی گنتی تک تمام بندوقیں نیچے پھینک کر ہاتھ بلند کر دیئے جائیں ورنہ تم میں ہر سپاہی کے جسم کا ہر ٹکڑا سینکڑوں گولیوں کا نشانہ بنے گا"۔

یہ حیران کر دینے والا منظر تھا۔ جدید اسلحہ سے لیس چار سو تربیت یافتہ سپاہ غازیا کی جنگی دانش کے سامنے ہتھیار ڈال چکی تھی۔ غازیا کے تقریباً چالیس ساتھیوں نے آنکھ جھپکنے سے پہلے

تیار لوہے کی زنجیروں کی ہتھکڑیوں سے ان کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے۔

جو دوسری دو کمپنیاں تھیں ان کے پاس جیپ میں فوجی وردی میں ملبوس چہرے اور وردی پر مٹی ملے ہوئے چند سپاہی پہنچے تھے جنہوں نے انہیں بتلایا کہ:

"غازیا اپنے چند ساتھیوں سمیت ایک دوسرے فلاں قلعے میں روپوش ہو گیا ہے جس کی فوراً سرکوبی کی جائے اور اسے بھاگنے کا موقع نہ دیا جائے۔ پیغام لانے والوں نے یونٹ کمانڈر کی جانب سے ہاتھ سے ہی لکھا ہوا خط دیا تھا کہ:

"دیر نہ کی جائے اور غازیا کو زندہ گرفتار کر لیا جائے کیونکہ اس کے تمام ساتھی قلعے میں مارے جا چکے ہیں اور بچے کھچے جو ہیں انہیں کمروں سے تلاش کر کے صفایا کیا جا رہا ہے۔ خط دینے والوں نے دونوں کمپنیوں کے سینئر آفیسر کو صرف خط دینے کا ہی لمحہ لیا تھا اور وہ بھی ایک طرف کھڑے فوجی ٹرک ڈرائیور کو تھما دیا تھا۔ اس کے بعد وہ جیپ کو اس قلعے کی جانب تیز بھگاتے جا رہے تھے سینئر آفیسر کو اس افراتفری میں ان کو واپس لا کر مزید پوچھنے اور روکنے کے بارے میں سوجھا ہی نہیں اور غازیا کا یہی نظریہ تھا کہ:

"جنگی حالات اور امن میں کی گئی تربیت میں فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ سپاہیوں کی بہترین تربیت صرف میدانِ جنگ میں ہوتی ہے باقی تمام جنگی اکیڈمیاں صرف کھیل کے میدان ہوتے ہیں"۔

غازیا نے مٹی ملنے کے طریقے سے فائدہ اٹھا لیا تھا۔ سینئر آفیسر بجلی کی طرح بتلائے ہوئے قلعے تک پہنچ گیا۔ خط میں لکھا تھا کہ:

غازیا کے ساتھیوں میں ہمارا ایک ایجنٹ ہے جو اس کے ساتھ قلعے میں داخل ہو چکا ہے وہ قلعے کا گیٹ کھلا رکھے گا اور قلعے کی چھت پر کھڑے ہو کر سگریٹ کا صرف ایک کش لگائے گا جس پر فوری طور پر اندر داخل ہو کر پچاس قدموں پر جا کر لیٹ کر پوزیشن سنبھال لینا اور تب حالات کے مطابق کارروائی کرنا۔ اب غازیا بچنے نہ پائے۔

دستخط

یونٹ کمانڈر کی جانب سے (یونٹوں میں عموماً ایڈ جوٹینٹ یا کوئی دوسرا امجاز آفیسر کمانڈنگ آفیسر کی جانب سے دستخط کرتا ہے)۔

قلعے کا دروازہ کھلا تھا۔ کش لگانے والے نے کش لگایا اور دونوں کمپنیاں قلعے کے اندر داخل ہو چکی تھیں۔ سینئر آفیسر نے پیغام دے کر جانے والے کو بہت آگے آگے قلعے میں داخل ہوتے بھی دیکھ لیا تھا جس سے اسے یقین ہو گیا تھا کہ حالات اس کے کنٹرول میں ہیں کیونکہ ان کے سپاہی پہلے سے اندر جا کر کسی نہ کسی طرف پوزیشنیں سنبھال چکے ہوں گے اور تب غازیا کو گھیرے میں لینے کی زیادہ تگ و دو نہیں کرنی پڑے گی۔ یہ جیپ یقیناً ان کی ہی یونٹ کی تھی جسے پیچھے والے قلعے میں حملے کے وقت قلعے کے دروازے کے باہر دلدل والے راستے

کے آخر میں ایک طرف کیموفلاج کر کے کھڑا کیا گیا تھا اور جس پر وائرلیس وغیرہ بھی لگی ہوئی تھی اور اب وہ جیپ غازیا کی پہلے سے تیار کی گئی حکمتِ عملی کے مطابق اس کے کام آ رہی تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جیپ کو قلعے میں حملے کے وقت داخل نہیں کیا جائے گا مگر باہر ضرور رکھی جائے گی تا کہ کسی ایمرجنسی کی صورت میں تیز حرکت کے لئے استعمال ہو سکے۔

دونوں کمپنیوں کے سپاہی سینئر آفیسر سمیت تعین شدہ فاصلے تک جا کر اپنی پوزیشنیں سنبھال چکے تھے اور اگلی کارروائی کے لئے سینئر آفیسر کے احکامات کے منتظر تھے۔ اس کی جیپ اور دیگر فوجی ٹرک بھی قلعے کے باہر ہی رک گئے تھے اور جیپ بھی باہر ہی کھڑی کر دی گئی تھی۔ سینئر آفیسر وائرلیس سے لگاتار یونٹ کمانڈر سے رابطہ کی کوشش کر رہا تھا لیکن تمام راستے میں اور قلعے کے اندر آ کر بھی اس کا رابطہ نہ ہو سکا تھا۔ اسے احساس تھا کہ حملے کے وقت وائرلیس پر ضرب آ سکتی تھی مگر جس جیپ والے کو اس نے جیپ کو باہر کھڑی کر کے قلعے میں داخل ہوتے دیکھا وہ بھی اسے کچھ گمان پیدا کرنے کے لئے کافی تھا۔ وہ ابھی اسی تذبذب میں تھا کہ غازی کے ساتھی کی آواز اسی دبدبے سے پھر ابھری:

میرے دوستو!

”تمہارے لئے یہ خبر افسوس ناک ہو گی کہ تمہارے یونٹ کمانڈر سمیت تمہاری دونوں کمپنیاں ہماری قید میں ہیں اور تم سب ہمارے گھیرے میں ہو جس خط پر آپ اس قلعے میں داخل

ہوئے ہیں وہ ہماری طرف سے لکھا گیا تھا۔

''اس وقت آپ جس جگہ پر ہیں اس کے پیچھے قلعے کا دروازہ بند ہے اور ہمارے ساتھی قلعے کی اطراف پر آپ کے کسی بھی ایکشن کا جواب دینے کے لئے تیار ہیں۔ آپ کی جانب سے کوئی بھی حرکت آپ سب کو موت کے منہ میں دھکیل دے گی''۔

''سینئر آفیسر سمیت تمام سپاہی حیرت میں تھے۔ حالات ان کے ہاتھ سے نکل چکے تھے۔ حملے کے لئے خود انہوں نے وقت کا انتخاب کیا تھا جسے غازیا اندھیری رات تک لے آیا تھا۔ ہر لمحہ بڑھتا ہوا اندھیرا صرف موت کا پیغام ہو سکتا تھا۔ اجنبی ماحول میں ابھی تک صرف ایک آواز ان سے مخاطب تھی۔ آواز رعب دار تھی۔ سینئر آفیسر کو یقین ہو گیا کہ یہ ''پُر اعتماد آواز صرف غازیا کے ساتھی کی ہی ہو سکتی ہے''۔ سارے سپاہی ابھی تک اپنی پوزیشنوں میں تھے وہ سینئر آفیسر کے اشارے کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ کرتے تو کیا کرتے۔ سینئر آفیسر نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے چند سپاہی قلعے کے باہر رہنے دیئے تھے ایسے ہی یونٹ کمانڈر نے کیا تھا۔ اپنی طرف سے انہوں نے بُرے وقت کے لئے یا کسی بھی اور کام کے لئے باہر روکا تھا تا کہ بوقتِ ضرورت کسی بھی ایمرجنسی کے لئے انہیں تیار رکھا جائے۔ لیکن حیرت ہے کہ اتنے تربیت یافتہ آفیسر یہ نہ جان سکے کہ اگر قلعے میں وہ گھیرے میں آ گئے تو باہر رہ جانے والے ان کی کیا مدد کر سکیں گے۔

"دراصل پوری یونٹ کو یہ گمان تک نہ تھا کہ وہ اس طرح غازیا کی جنگی دانش کا شکار ہو سکتی ہے"۔

نیلا جو ہر لمحہ غازیا کی موت کی خبر حاصل کرنے کے لئے بے قرار تھی اس کے بالا آفسران اور انتہا پسندوں کے ساتھ رابطے تیز ہوتے جا رہے تھے۔ ان سب کی جانب بے خبری کا عالم تھا۔ قلعے میں یونٹ کمانڈر سے رابطہ ٹوٹ چکا تھا۔ باہر رہ جانے والی دونوں کمپنیاں اپنی جگہ سے غائب تھیں۔ جو سپاہی قلعے سے باہر تھے وہ اندر کے حالات سے بے خبر تھے۔ یہ کیسا معرکہ تھا۔ بالا افسران کی تشویش لحہ بہ لحہ بڑھتی جا رہی تھی۔ کوئی آواز کہیں سے نہ آ رہی تھی۔ جس قلعے میں صبح سے دھماکے اور آہیں تھیں وہاں پوری دو کمپنیاں جا چکی تھیں مگر ہُو کا عالم تھا۔ قلعے کا آنگن خالی تھا۔ دیواروں کے ساتھ ابھی کچھ بھی نہ تھا لیکن تباہ شدہ بتوں کی لاشیں ابھی تک ویسے ہی بکھری تھیں۔ یوں تھا کہ کوئی حیرت کدہ ہو۔

سینئر آفیسر نے اپنے اردگرد کچھ فاصلے تک جنگی طریقۂ کار کے مطابق پوزیشنیں سنبھالے ہوئے اپنے سپاہیوں کو دیکھا۔ وہ سب اس کے اشارے کے منتظر تھے۔ وہ جتنا اشتعال میں تھے اب اتنا ہی خوف زدہ تھے۔ اشتعال کا نفسیاتی ردِ عمل آخر کار یہی ہوتا ہے۔

اس آواز نے نئے سرے سے انہیں مخاطب کیا کہ:

محترم سپاہیو!

تمہارے ہاتھ سے سوچنے کا وقت نکل چکا ہے۔ تمہاری خاموشی موت کی خاموشی میں بدل سکتی ہے۔ اگلے پانچ کے عدد تک تمہاری بندوقیں نیچے اور ہاتھ اوپر ہو جانے چاہئیں ورنہ ہمارے گرنیڈ خود ہی تم سے سب کچھ چھین لیں گے۔ ایک حوالدار نے اضطراری طور پر اور جذباتی ہو کر جدھر سے آواز آ رہی تھی اپنی بندوق کا رخ کر کے گولیاں چلا دیں۔ سینئر آفیسر چلایا:

مت کرو! مت کرو!

مگر اتنے میں اس کے دونوں بازوؤں میں دو چار گولیاں پیوست ہو چکی تھیں اور وہ زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔

اس کے بعد صرف گنتی کی آواز اٹھی مگر آخری ہندسے تک پہنچنے سے پہلے ہی سب بندوقیں پھینک کر ہاتھ بلند کر چکے تھے۔ پھر وہی پہلے سے تیار طریقہ اور ان کے ہاتھ بھی ویسے ہی باندھ کر انہیں قلعے کے بڑے برآمدوں میں لے جایا گیا۔

میجر نے پھر کھڑکی کے پاس آ کر نگہبان سے کہا:

"قلعے میں بہت سے لوگوں کی آواز آ رہی ہے۔ یہ کون لوگ ہیں"؟

نگہبان نے کہا:

"یہ تمہاری یونٹ کے سپاہی ہیں"۔

اس نے کہا:

”یہ یہاں کیوں آئے ہیں“۔

نگہبان نے کہا:

”جیسے تم آئے ہو“۔

اس نے کہا:

”میں تو قید میں ہوں“۔

نگہبان نے کہا:

”وہ بھی قید میں ہیں“۔

اس نے کہا:

”وہ تو پوری یونٹ تھی“۔

نگہبان نے کہا:

”آدھے اِدھر ہیں اور آدھے اُدھر ہیں“۔

اس نے کہا:

”ان کا کیا انجام ہے“؟

نگہبان نے کہا:

”جوآپ کا ہے“۔

میجر نے کہا:

”مجھ سے کیوں ملاتے ہو میں تو قید میں ہوں“۔

اس نے کہا:

”وہ بھی قید میں ہیں“۔

میجر نے کہا:

”انہیں کس نے قید کیا“۔

اس نے کہا:

”آپ کو آرام کی ضرورت ہے“۔

میجر پھر سٹپٹا کے رہ گیا اور کمرے کی دوسری جانب جا کر چھت کو گھورنے لگا۔

نیلا یونٹ کمانڈر سے بار بار رابطہ کی کوشش کر رہی تھی مگر تا حال بے سود۔اس نے دیگر ذرائع سے ان سے رابطے کی کوشش کی مگر وہ بھی کامیاب نہ ہو سکے۔پچھلے قلعے میں جو چند سپاہی اور فوجی ٹرک قلعے کے باہر کارروائی مکمل ہونے کے انتظار میں تھے ان کی نظریں دور سے بار بار قلعے کی جانب اٹھ رہی تھیں۔ دوربینوں سے انہوں نے دیکھنے کی کوشش کی کہ کب گیٹ کھلے اور کوئی خوشخبری ملے اور وہ واپس چین سے سو سکیں کیونکہ پچھلی چند راتوں سے وہ جنگی

حالت میں تھے اور دن رات جاگنے کی مشق کر چکے تھے۔ جب قلعے کا دروازہ بند ہوا تھا تو انہوں نے سمجھا تھا کہ یونٹ کمانڈر نے اس لئے ایسا کروایا ہوگا تاکہ جن کا پیچھا کیا جا رہا تھا وہ بھاگ نہ جائیں اور جب قلعے کے باہر کھڑی جیپ تیزی سے دو کمپنیوں کی جانب گئی تھی تو وہ سمجھے تھے کہ وہ سب ایمرجنسی کی کارروائی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ خاموشی تھی۔ اندر کی آوازیں باہر نہیں آرہی تھیں اور ویسے بھی بندھے ہوئے چار سو سپاہی گم سم اب صرف اپنے انجام کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ ہتھیار ڈال کر آخرِ کار زندہ رہنے کی امید تو تھی لیکن ان حالات میں ٹکرانے سے سو فیصد تباہی ہو سکتی تھی۔ ایسے میں سپاہ زندگی کو موت پر ترجیح دیتی ہے۔

الیکٹرانک دور میں قلعہ کی جنگ میں نیلا دیوی اور اس کے بالا افسران کی انوکھی حکمتِ عملی تھی جس میں طاقت کا نشہ ہوش پر غالب رہا اور ان کی توقعات مایوسی میں بدل رہی تھیں۔ انہوں نے فی الحال ہیلی کاپٹروں کو ایک بار پھر جائزہ لینے کا مشن دیا مگر وہ رات کے اندھیرے میں تمام تراکیب استعمال کرنے کے باوجود کچھ نہیں دیکھ پا رہے تھے کیونکہ وہاں وہی کٹے ہوئے انسانی اعضاء اور لاشیں تھیں۔ آخر کار انہوں نے چند چھاتہ برداروں کو قلعے کے اندر اتارنے کا پروگرام بنایا لیکن ایک آفیسر کی مداخلت سے یہ ٹل گیا کیونکہ اس کا کہنا تھا کہ:

''اگر چار سو سپاہی اپنی خبر دینے سے قاصر ہیں تو یہ چھاتہ بردار بھی کسی خوفناک انجام کا سامنا کر سکتے ہیں۔ تمام متعلقہ اہلِ اختیار بے چین و مضطرب تھے۔ نیلا تمام افسران کی رائے سن چکی تھی۔ تجاویز کا جائزہ لیا جا چکا تھا۔ تمام حالات بالکل ہی مختلف نتائج دے چکے تھے۔ مزید فوج بلانے کی بھی تجویز تھی لیکن پہلی کا کیا انجام ہوا۔ اس کا جواب کسی کے پاس نہیں تھا۔ ان کے لئے یونٹ کمانڈر کا پہلا پیغام ابھی تک معمہ بنا ہوا تھا۔

جس میں اس نے کہا تھا کہ:

''غازیا اور ان کے ساتھیوں پر غلبہ حاصل کر لیا ہے'' یہ ایک خوفناک کشمکش تھی جو وہموں اور وسوسوں کے ہجوم کو دعوت دے رہی تھی۔''

رات کے پچھلے پہر گیٹ کا دروازہ کھلا اور دو سپاہی دلدل کے راستے سے ذرا دور منتظر سپاہیوں کے پاس آئے اور ان سے ذرا دور دو تین ہیلی کاپٹر کھڑے تھے جس میں سے نیلا دیوی اور دیگر افسران موقع کا جائزہ لے رہے تھے۔ آنے والے جب ان کی جانب بڑھنے لگے تو انتظار کرنے والوں نے ان سے ''شناخت لفظ'' پوچھا مگر انہوں نے بتلایا کہ وہ غازیا کے ساتھی ہیں۔ ان کی وردی اور چہرے پر تا حال مٹی ملی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے نیلا سے ملنے کا تقاضا کیا۔ ان میں سے سینئر نے بالا افسران کو صورتِ حال سے آگاہ کیا۔ بلانے پر وہ دونوں نیلا کے پاس چلے گئے۔

انہوں نے نیلا کو مخاطب ہو کر کہا:

"یہ خط غازیا کی جانب سے آپ کے نام ہے" وہ یہ کہہ کر واپس لوٹنا چاہتے تھے کہ گارڈز نے انہیں سختی سے روکا۔ وہ دونوں خاموش رہے مگر انہوں نے صرف اتنا کہا:

"ہمیں زیادہ دیر روکنا آپ کے لئے نقصان دہ ہوگا کیونکہ ہمیں صرف تعین وقت دیا گیا ہے۔ جس میں ہم نے واپس جا کر انہیں حالات سے آگاہی دینی ہے۔ گارڈ کے ایک سپاہی نے ایک ساتھی کی کنپٹی پر بندوق کی نالی رکھی ہوئی تھی اور اسے سخت الفاظ میں کچھ کہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ساتھی نے بڑے اطمینان سے اس کی نالی کو الگ کرتے ہوئے کہا کہ:

"ہم جو دو خود اپنا تعارف کر وا رہے ہیں کیا وہ تمہاری بندوق کی نالی دیکھنے کے لئے کروا رہے ہیں"۔

اس دوران نیلا خط کے چند الفاظ پڑھ چکی تھی جس کی وجہ سے اس نے ایک بالا فوجی آفیسر کو پاس بلا کر تمام سپاہیوں کو غازیا کے ان دو ساتھیوں سے دور رہنے کا حکم دیا اور انہیں اپنی پسند سے واپس جانے کی بھی اجازت دے دی کیونکہ خط میں لکھا تھا کہ:

نیلا دیوی!

"ہم آپ کے شکر گزار ہیں کہ آپ کی حکمتِ عملی کی وجہ سے ہم آپ کے آٹھ سو سپاہیوں کو قید کر سکے۔ ہم چاہتے تو خط کی بجائے سولاشیں آپ کے حوالے کرتے لیکن اب یہ آپ پر مبنی ہے

کہ آپ انہیں کس حالت میں واپس لینا چاہتی ہیں"۔

مذاکرات صرف وزیراعظم کے ساتھ ہوں گے۔آپ یا آپ سے منسلک فوجی وغیر فوجی افراد ہمارے لئے قابلِ اعتماد نہیں۔ اس دوران آپ یا حکومت کی جانب سے ہمارے خلاف کوئی کارروائی آپ کے آٹھ سو جانبازوں کی موت کا سبب بنے گی۔آپ کے پاس صرف لکھا ہوا تعین شدہ ہی وقت ہے۔اس کے بعد تمام حالات کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

غازیا

نیلا ایک شدید مخمصے میں مبتلا ہو چکی تھی مگر ہتھیار ڈالنا اور ہلاکتوں سے خوف کھانا اس کی فطرت میں نہیں تھا۔اس کی بلا سے اگر سارے بھارت کی فوج ہلاک ہو جائے۔وہ بس اپنی فتح چاہتی تھی اور اس قلعے میں وہ ان سپاہیوں کی جانوں کو بالکل خاطر میں نہ لا رہی تھی چنانچہ اس نے اس خط پر عمل نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور خط لانے والے کو جواب لکھ کر دے دیا جو واقعی دلچسپ اور نیلا کی سفاکی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ اس میں لکھا تھا:

غازیا!

"تم جانتے ہو کہ جب تک میں تمہاری شہِ رگ سے بہتا ہوا خون نہ دیکھوں گی میری مہم ختم نہیں ہوگی۔اس کے لئے آٹھ سو تو کیا آٹھ ہزار ہندو فوجی بھی ہلاک ہو جائیں تو پرواہ نہیں۔ اب تم صرف اپنی موت کا انتظار کرو"۔

بالا افسران نے آکر واپس جانے والے متعلقہ افراد کے بارے میں استفسار کیا جس پر نیلا دیوی نے بتلایا کہ:

"غازیا اور اس کے ساتھی ابھی تک زندگی بچانے میں کامیاب ہیں اور ہماری سپاہ کے مد مقابل کہیں چھپے بیٹھے ہیں اور انہوں نے مذاکرات کا پیغام بھیجا تھا جسے میں نے تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے"۔

ایک آفیسر نے کہا:

"اتنی بڑی کارروائی کے بعد اگر وہ بچ گئے ہیں تو یہ تشویش کی بات ہے اور قلعے کے اندر ہماری یونٹ کے سپاہیوں کی جان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے"

ایک دوسرے نے کہا:

"یونٹ کمانڈر کی جانب سے آیا ہوا پیغام کہ غازیا کے ساتھیوں پر غلبہ حاصل کیا جاچکا ہے ایسے میں حالات کو انتہائی مشکوک بنا رہا ہے۔"

ایک اور بڑے آفیسر نے نیلا سے مزید استفسار کرنے کی کوشش کی تو اس نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا کہ:

"آپ اپنے دلائل اپنے جنرل کو دیں"

جس پر وہ خاموش ہو گیا۔

فوجی افسران بہت زیادہ مضطرب تھے۔انہیں حالات کی نزاکت کا احساس ہونے لگا تھا۔ نیلا ان کے لئے سدِ راہ تھی ۔ان کے دماغوں میں بہت سے سوالات جنم لے رہے تھے۔چند لمحے پہلے وہ جو نیلا دیوی کو مہان سپوتری جان رہے تھے۔ وہ اب شکوک وشبہات کا شکار تھے۔انہیں افسوس تھا کہ مذاکرات کا پیغام لانے والے کے بارے میں نیلا نے انہیں اعتماد میں نہیں لیا۔افسران انتہاپسندوں کی براہِ راست حکومت تک رسائی سے خائف تھے۔ وہ نیلا کے سامنے کوئی ایسا اظہار نہیں کرنا چاہتے تھے جس سے ان کے مستقبل کی ترقیوں پر منفی اثرات پڑیں۔ یہ احساس ایک اہم رکاوٹ تھا۔ لیکن پوری یونٹ کی زندگی بھی داؤ پر لگی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔بڑے عہدے کے ایک آفیسر نے تمام خدشات بالائے طاق رکھتے ہوئے نیلا سے کہا:

میڈم!

”غازیا کے خلاف آپ کی حکمتِ عملی ایک جانب مگر پوری یونٹ کا انجام کیا ہے اور وہ قلعے میں کس حال میں ہےاس کے بارے میں آپ کے پاس کیا معلومات ہیں“

نیلا نے فوجی افسران کا مزاج بھانپ لیا اور اسے محسوس ہونے لگا کہ اسے غازیا کا خط انہیں دکھلا دینا چاہیئے تاکہ کسی بڑے حادثے کی صورت میں سب پر مشترکہ ذمہ داری

آ سکے۔البتہ حالات سے نمٹنے کے لئے کم ازکم دو یونٹوں کی شدید ضرورت ہوگی جن کو فوری طور پر پہنچنے کا حکم صادر کروایا جانا چاہیئے چنانچہ اس نے ان کی جانب خط بڑھاتے ہوئے کہا کہ:

افسران!

"ہم غازیا سے مذاکرات نہیں کریں گے اور اس کی شرائط کے سامنے نہیں جھکیں گے اور یہ بھی یاد رہے کہ اگر ہمیں مذاکرات کرنے ہی پڑے تو یہ وزیرِ اعظم سے نہیں بلکہ ہمارے ساتھ ہوں گے۔"

جونہی فوجی افسران نے غازیا کا خط پڑھا ان کی روحوں میں جیسے کوئی کانٹا چلا گیا ہو۔ایک عام شخص کے ہاتھوں ان کی یوں رسوائی ایک لحاظ سے تاریخی تھی جس کا سامنا کرنے کیلیئے وہ تیار نہیں تھے۔اب ان کے پاس کوئی چارۂ کار نہیں تھا جس کی بنیاد پر وہ غازیا کا سامنا کرسکیں کیونکہ ان کے تمام ٹیکٹکس ناکام ہو چکے تھے اور حکمتِ عملیاں نامراد ہوگئی تھیں۔ ان کی تزویراتی دانش جواب دے گئی تھی۔ انہیں رات کا اندھیرا اب قیامت کا اندھیرا لگ رہا تھا۔ایک آفیسر نے آہستہ سے دوسرے سے کہا:

"بدترین بات یہ ہے کہ نیلا نے شرائط ماننے سے انکار کردیا ہے اور غازیا جیسا شخص یقیناً دیئے ہوئے وقت کے بعد یونٹ کے کسی شخص کو بھی زندہ نہیں چھوڑے گا۔اس نے بڑے

عہدے کے آفیسر سے راز دارانہ لہجے میں کہا کہ:۔

سر!

"میری رائے ہے کہ ہمیں نیلا کے احکامات رد کر کے غازیا سے براہِ راست بات کرنی چاہیئے اور ہم اپنا کوئی دوسرا آدمی فوری طور پر غازیا کے پاس بھیج دیتے ہیں تاکہ ہمیں کچھ اور وقت مل سکے اور اس دوران ممکن حد تک ہم متعلقہ اتھارٹیز کو اعتماد میں لے کر یونٹ کو بچانے کا اقدام کرتے ہیں"۔

دوسرے نے کہا:

"پوری گیم ہمارے ہاتھ سے نکل چکی ہے"

تیسرے نے کہا:

"غازیا سے براہِ راست رابطہ ہمارے لئے خطرناک ہوگا کیونکہ اگر انجام بربادی و ناکامی ہوا تو ساری ذمہ داری ہم پر عائد ہوگی۔بہتر ہے کسی طرح نیلا کو ہی اعتماد میں لیں اور اسے مذاکرات کے لئے آمادہ کریں"۔

بڑے عہدے کے آفیسر نے کہا:

"مگر وہ غازیا کو زندہ دیکھنا ہی نہیں چاہتی"

تیسرے نے کہا:

"بات نیلا دیوی یا ہمارے چاہنے سے بہت آگے نکل کر مکمل طور پر غازیا کے ہاتھ آ چکی ہے۔ اس لئے نیلا کو آمادہ کرنے میں آسانی رہے گی"۔

دوسرے نے کہا:

اس وقت غازیا کے ساتھیوں میں صرف قریب قریب کے اچھوت، شودر اور کچھ برہمن مسلمان ہو کر اس کا ساتھ دے رہے ہیں بلکہ کچھ عیسائی خاندان بھی اس کے ہمدرد ہیں اس وجہ سے اب نیلا پر ان سب کے خون سے ہولی کھیلنے کا جنون سوار ہے"۔

پہلے نے کہا:

"ہم بھی یہی شوق پورا کرنے آئے تھے اور یہ شوق بعد میں بھی پورا کیا جا سکتا ہے مگر اس وقت یہ ہولی ہماری یونٹ کے آدمیوں سے کھیلی جائے گی"۔

بڑے عہدے والے کو نیلا کو اعتماد میں لینے کی بات پسند آئی۔ اس نے نیلا سے درخواست کی کہ:

میڈم!

"آپ ہمیں اجازت دیں کہ ہم یہ پیدا ہونے والے حالات کے بارے میں حکومت کو آگاہ کر دیں اور اس کے ساتھ ہی ہم مزید یونٹوں کو مدد کے لئے بھیجنے کی اپیل کرتے ہیں مگر اس کے لئے ہمیں کسی حد تک غازیا سے مزید وقت کی درخواست کرنی پڑے گی کیونکہ بازی

اب اس کے ہاتھ میں ہے۔ البتہ اگر آپ ہماری رائے کا ساتھ دیں تو ہماری حکمتِ عملی فوری طور پر یہ ہونی چاہیئے کہ ہم حالات کو مکمل طور پر غازیا کے ہاتھ میں نہ رہنے دیں بلکہ کچھ نہ کچھ اپنے ہاتھ میں ضرور لینے کی کوشش کریں تا کہ یونٹ تباہی سے بچ جائے"۔

نیلا کچھ لمحوں کے لئے کھڑے ہیلی کاپٹر کی سیٹ پر بیٹھی اس آفیسر کی گفتگو سنتی رہی اور اگلے چند لمحے خاموش رہی تب اس نے نئی حکمتِ عملی کی اجازت دے دی۔

نیلا کی جانب سے بھیجا ہوا خط غازیا کو مل چکا تھا۔ غازیا نے اپنے خاص ساتھیوں سے اس بارے میں مشورہ کیا۔

ایک نے کہا:

"نیلا یقیناً مزید فوج کو بلوائے گی اور ہم پر حملہ کروائے گی"۔

دوسرے نے کہا:

"آنے والی فوج فوری حملہ نہیں کرے گی بلکہ پہلے والوں کو بچانے کی کوشش کرے گی"۔

تیسرے نے کہا:

"اب جو حملہ ہوگا وہ ہم پر گوریلوں کی مدد سے کروایا جائے گا۔"

غازیا ان سب کی آرا تحمل سے سنتا رہا اور کبھی کبھی کسی بات پر سر ہلا دیتا۔ تینوں مشیر جب مکمل طور پر اپنی آرا اور تجزیات پیش کر چکے تو غازیا نے انہیں مخاطب ہو کر کہا:

دوستو!

"خط کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیلا اپنی ناکامی پر حد درجہ جذباتی ہو چکی ہے اور وہ اسے تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔ یہ حالات مکمل طور پر ہماری حمایت میں ہیں کیونکہ اس تحریر کا ہر لفظ گواہ ہے کہ اس نے بالا فوجی افسران کو اعتماد میں لیا ہے اور نہ ہی حکومت کو موجودہ احوال کی آگاہی دی ہے۔ یہ خط بھی بغیر مشورے کے لکھا گیا ہے کیونکہ اس میں لفظ ہم کی بجائے "میں" استعمال کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے نیلا اور بالا فوجی افسران میں اعتماد ختم ہو جائے گا۔ حکومت نیلا کی مزید حکمتِ عملیوں کو فوری طور پر تسلیم کرنے سے گریزاں ہو گی اور انتہا پسندوں کو حکومت پر مزید اثرانداز ہونے میں مشکل پیش آئے گی۔ البتہ بالا فوجی افسران اور حکومت کے بعض اہل اختیار ہم پر سینکڑوں گوریلوں سے یکبارگی حملہ کروا سکتے ہیں کیونکہ اب آپ عملی طور پر جان چکے ہیں کہ "ایک گوریلا فوجی تجزیہ کے مطابق سٹرسٹھ فوجیوں پر بھاری ہوتا ہے" اور آپ نے اپنی گوریلا تربیت کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ اب اسی وجہ سے وہ ہمیں شکست دینے کے لئے دوسرے نظریے پر عمل کریں گے کہ "گوریلے کا مقابلہ گوریلے سے کیا جائے۔

چنانچہ اس وقت جنگ صرف "وقت" کو صحیح استعمال کرنے کی ہے۔ یعنی اگر ہم ان سے ہر لمحہ چھیننے میں کامیاب ہو گئے تو جیت ہماری ہو گی ورنہ وہ ہم پر غلبہ حاصل کرنے میں

کامیاب ہو سکتے ہیں''۔

غازیانے فوری طور پر دو احکامات دیئے:

''وہ تمام لکڑی، مٹی اور کپڑے کی لاشیں جنہیں کفن میں لپیٹ کر تہہ خانوں میں رکھا گیا ہے انہیں ایک ایک کرکے قلعے کی چھت پر لے جایا جائے اور اعلان کردیا جائے کہ:

* اب ایک ایک کرکے اپنے فوجیوں کی لاشیں حاصل کرتے جاؤ اور یہ کفن میں لپٹی لاشیں بار بار بلند کرکے انہیں دکھلائی جائیں مگر پھینکی نہ جائیں اور تیار سپیکر سے بار بار ایسا ہی اعلان کیا جائے۔ اگر تو ان کی طرف سے جواب میں کوئی پیغام آئے تو کچھ دیر کے لئے یہ طریقہ ملتوی کرلیا جائے مگر خیال رہے کہ کوئی لاش ان کے حوالے نہ کی جائے۔

* اور دوسرا حکم یہ ہے کہ اگر ان کی جانب سے کوئی رابطہ نہ ہوا تو میں دوسرے قلعے میں چلا جاؤں گا کیونکہ تا حال دشمن کو خبر نہیں کہ دیگر کمپنیاں کہاں پر ہیں اور یہاں گوریلوں کا حملہ ہونے کی وجہ سے وہاں پر ہم ان چار سو جوانوں کو ڈھال بنا کر بہتر کارکردگی دکھا سکیں گے اور اس دوران فلاں مشیر یہاں پر کمانڈ کرے گا۔ اس کے شہید ہونے کی صورت میں دوسرا اور یوں ہی تیسرا مگر اس کے بعد دوسروں میں جو بہتر ہوگا وہ آگے بڑھ کر خود کمانڈ لے لے اور یہ احکامات دیگر ساتھیوں کو پاس جا جا کر بتلا دیئے جائیں''۔

ایک لحاظ سے دیکھا جائے تو غازیا کی جنگی حکمتِ عملی میں ڈمی سپاہیوں اور بندوقوں کا عنصر نیا نہیں تھا بلکہ تاریخ میں بعض کمانڈروں اور سپہ سالاروں نے اس تکنیک کو بڑی مہارت سے استعمال کیا تھا۔ مثال کے طور پر ٹیپو نے جب انگریزوں کے خلاف بنگلور کے قلعے کا محاصرہ کیا اور اس کے لئے فتح ناممکن تھی تو اس کی مدد کے لئے حیدر علی نے آٹھ ہزار سپاہیوں کو لکڑی کی نقلی ڈمی بندوقیں دے کر روانہ کیا تھا اور یہ طریق کار دشمن کو ہراساں کرنے کے لئے کامیاب ثابت ہوا تھا اور ٹیپو فتح یاب لوٹا تھا۔

جس دوران بالا آفسر نیلا کے ساتھ گفتگو میں مشغول تھا عین اس وقت سپیکر کا رخ ان کی جانب کر دیا گیا اور تین آدمی کفن میں لپٹی ایک لاش کو قلعے کی چھت پر لے گئے۔

غازیا کے ایک ساتھی نے ان سے مخاطب ہو کر کہا:

معزز افسران!

”آپ کو شاید علم ہو گیا ہو گا کہ غازیا کی جانب سے مذاکرات کی پیشکش کے جواب میں نیلا نے غازیا کی شہ رگ کا خون مانگا ہے لیکن فی الحال ہم آپ کے سپاہیوں کی ایک ایک کر کے لاشیں آپ کو تحفے میں دیں گے اور نیلا سے کہیں کہ انہیں وصول کرتی جائے۔“

چمکتے ہوئے سفید کپڑے میں لاش نیلا اور دیگر افسران کو صاف دکھائی دے رہی تھی اور اس پر بڑے بڑے لہو رنگ سرخ دھبے جو اندھیرے میں سیاہ ہی لگ رہے تھے بھی عیاں

تھے۔یہ منظر دیکھتے ہی بالا افسران تڑپ کر رہ گئے۔ انہوں نے فوری طور پر ایک آفیسر کو غازیا کی جانب روانہ کیا تا کہ مزید خون نہ ہو۔

چارسو کے چارسو سپاہی دنگ تھے کہ غازیا نے کس کو ہلاک کر کے اس کی لاش چھت پر بھیجی ہے۔وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ انہیں غازیا کے ایک ساتھی نے آ کر بتلایا کہ:

''کچھ دیر بعد غازیا آپ سے مخاطب ہوگا''۔

تمام سپاہی اور افسران پہلے ہی غازیا سے سخت خائف تھے مگر دیکھنے کے مشتاق بھی تھے۔ پچھلے کئی دنوں سے انہوں نے اس کے بارے میں بے حساب افسانے اور کہانیاں سن رکھی تھیں۔ قریب قریب کی بستیوں کے اچھوت اسے دیوتا مانتے تھے۔یونٹ کمانڈر کی اپنی خواہش تھی کہ ایسی شخصیت سے ملے جو ایسی جنگی چالوں کا ماہر ہے کہ جس کے سامنے بالا افسران کی کئی ہفتوں پر مبنی حکمتِ عملی بے ثمر گئی تھی اور وہ ان کے مقابل پہاڑ کی طرح پُر اعتماد، پُر یقین ایک ایک کر کے اپنے منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی کامیاب کوشش کر رہا تھا۔وہ سوچتے رہے اور اس کے بارے میں تمام نئی نئی باتوں کا تجزیہ کرتے رہے۔

ایک سپاہی جو قید سے بہت زیادہ گھبرا چکا تھا کانپتے کانپتے گر گیا۔ان میں سے کوئی آگے بڑھ کر اسے اٹھا نہیں سکتا تھا کیونکہ سبھی کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ایک نگران نے اسے سہارا دیا اسے پانی پلایا اور دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا۔ ماحول پر خاموشی طاری تھی۔

غازیا کا انتظار تھا۔سپاہی سہمے ہوئے ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔ایک اور جسے بہت گھبراہٹ ہو رہی تھی اس نے یونٹ کمانڈر سے کہا:

سر!

”اگر غازیا نے ہمیں ہلاک کرنے کا حکم دے دیا تو کیا ہوگا“۔

یونٹ کمانڈر خاموش رہا کیونکہ اسے خود آنے والے حالات کا علم نہیں تھا۔

جونیئر آفیسر نے کہا:

”نیلا کے طریقۂ کار سے لگتا ہے کہ اب ہماری موت یقینی ہے“۔

سیکنڈان کمانڈ نے کہا:

”ہمیں جو مشن دیا گیا تھا وہ صرف قتلِ عام تھا اور وجہ صرف نیلا کی مسلمانوں کے خلاف نفرت ہے“۔

ایک قیدی کپتان نے کہا:

”ہم نے پچھلے سال ایک تحریک کو کچلنے کے لئے بڑی ذات والوں کی ایما پر اچھوتوں اور ہریجنوں کو ایسے ہی کھڑے کرکے ہلاک کیا تھا اور مسلمانوں کو بھی ایسے ہی کھڑے کر کرکے ہم ہلاک کرتے رہے ہیں۔ ہو نہ ہو ان میں سے کوئی نہ کوئی ضرور ہوگا جواب ہم سے انتقام لینے کے لئے ہمیں ویسے ہی دیوار کے ساتھ لگائے ہوئے ہے اور ہم پر ویسے

ہی گولیاں چلانے والا ہے اور ہم سب کو موت کے گھاٹ اتارنے والا ہے"۔

یہ بات سنتے ہی بہت سے افسران اور سپاہیوں کا جیسے جسموں کا خون بھاپ بن کے اڑ گیا ہو۔ ان کے حلق اور ہونٹ خشک ہو چکے تھے۔ یونٹ کمانڈر بذات خود منڈلاتے ہوئے موت کے سائے دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی کو تسلی دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ موت کے خوف سے اسکے حلق میں آواز اٹک کر رہ گئی تھی۔ وہ سوال کرنے والوں کو صرف دیکھتا تھا۔ جواب نہیں دیتا تھا۔ اس کے سامنے رہ رہ کر ان لوگوں کے چہرے تھے جنہیں وہ کھڑے کر کے اور دیوار سے لگا کر ان گنت گولیاں ان کے سینوں میں اتار دیتا تھا۔ اس کے سامنے روتے ہوئے بچوں کے چہرے آئے جو اس سے زندگی کی بھیک مانگتے تھے مگر وہ انہیں بھی خون میں لت پت کرنے کا حکم دے دیتا تھا۔ اب جیسے اس کی نگاہ اپنے بچوں اور گھر والوں پر جم کر رہ گئی ہو۔ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد وہ کس طرح اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے دربدر اس کے ساتھی افسروں سے درخواستیں کرتے پھریں گے اور کس طرح بعض ان کی ضروریات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اس کے ذہن میں خدشات ہجوم در ہجوم داخل ہونے لگے اور وہ اپنی روح میں کانٹے ہی کانٹے محسوس کرنے لگا۔ یہی حال باقی سب کا تھا۔ اچانک وہ زور سے چلایا "ہمارا انجام کیا ہوگا۔" "کن کی لاشوں کو چھت پر لئے جا رہے ہو۔" ایک نگران

نے اس کے منہ میں بندوق کی نالی رکھتے ہوئے کہا:

''جو انجام تم دوسروں کا کرتے رہے ہو''۔ تمام سپاہی اپنے یونٹ کمانڈر کی گھبراہٹ، خوف اور طریقۂ کار دیکھ رہے تھے۔

سیکنڈ ان کمانڈ اپنی ترقی رک جانے کی بناء پر ویسے ہی اپنی فوج کے بہت سے طریق کار کا نکتہ چیں تھا اور عمر کے اس حصے میں تھا جہاں اس کی ریٹائرمنٹ بالکل قریب تھی۔ اس نے ساتھ کھڑے آفیسر سے کہا:

''جب مشرقی پاکستان میں ہمارے آدمی ڈاکٹر بن کر مریضوں کے جسموں سے پورا خون نکال لیتے تھے۔ جب مسلم عورتوں کی چھاتیوں کے انبار لگاتے تھے اور نام پاکستانی فوج کا لگاتے تھے اور جب بنگالیوں کے سر کاٹ کر چوٹیاں بناتے تھے اور نام پاک فوج کا لگاتے تھے تو ساری دنیا چیخ اٹھی تھی کہ پاک فوج ظلم کا نشان ہے اور جب بنگلہ دیش بن گیا تو کبھی کسی نے تحقیق نہ کی۔ کسی نے نہ پوچھا کہ اصل ظلم کرنے والے ہاتھ کون تھے۔ اب ہمارے ان ہاتھوں کو ظلم کرنے کا اتنا عادی بنا دیا گیا ہے کہ اب یہ ظلم کئے بنا نہیں رہ سکتے کیونکہ ہر ظلم کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال دی جاتی ہے اور پھر اخباروں اور رسالوں میں اس کا تماشا دیکھا جاتا ہے۔''

اس نے یونٹ کمانڈر کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا:

سر!

"میں نے کہا تھا کہ اب ہمیں ہاتھ روک لینے چاہییں۔ نیلا کی نفرت اور ہماری عادت کسی وقت خود ہی ہمارا پھندا بن سکتے ہیں مگر آپ نے غرورِ طاقت میں میری بات کو ٹھکرا دیا تھا اور اب لگتا ہے کہ ہمیں ایک ایک کا حساب دینا پڑے گا اور جس غازیا کے نگران کا حال یہ ہے کہ وہ آپ کے منہ میں بندوق کی نالی رکھ کے کھڑا ہے اسے اگر غازیا نے ہمیں ہلاک کرنے کا حکم دے دیا تو وہ کس طرح ہم سب کو ہلاک کرے گا میری تو یہ سوچ کر ہی روح کانپ رہی ہے"

یونٹ کمانڈر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر وہ کچھ نہ کہہ سکا۔ اتنے میں ان سب کو کسی کے قدموں کی آواز آنے لگی۔ ایک بوڑھے سے صوبیدار نے کہا:

"یہ یقیناً غازیا ہوگا"

"اور وہ سب اس جانب سہمے ہوئے خوف زدہ ہو کر دیکھنے لگے"۔

یہ واقعی غازیا تھا۔ وہ انتہائی متاثر کن جنگی حلیے میں تھا۔ جس کے دائیں ہاتھ میں دشمن سے بہتر بندوق تھی اور اس نے آدھا چہرہ چھپا رکھا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ وقت آنے پر دشمن اسے پہچان نہ سکے اور وہ ممکن حد تک کوئی نئی چال چل سکے۔ اس نے سامنے آ کر بڑے تحمل سے ان پر نگاہ ڈالی۔ چند لمحوں کا توقف کیا اور پھر مختصراً قرآن کی

ایک آیت پڑھنے کے بعد وہ ان سے یوں مخاطب ہوا:

معزز دوستو!

''ہمیں افسوس ہے کہ آپ اس حالت میں ہیں۔ یہ قطعی طور پر ہمارے کسی غیض وغصب یا انتقام کا نتیجہ نہیں کیونکہ اسلام قطعی طور پر بلاوجہ تشدد، سختی یا قتلِ عام کو پسند نہیں کرتا۔ قرآن کا حکم ہے کہ ''کسی نے اگر بلاوجہ کسی کی جان لی تو گویا اس نے پوری انسانیت کی جان لی اور اگر کسی نے کسی بے گناہ کی جان بچائی تو گویا اس نے پوری انسانیت کی جان بچائی'' (القرآن)

''ابھی تک ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ایک سرکاری حکم کے تحت آپ نے ہمارے خلاف بندوق اٹھائی لیکن نیلا نے ہمارے خلاف آپ کو اپنی نفرت کی آگ کے شعلوں سے ہوا دی ہے اور آپ ہمیں قتل کرنے کے لئے دوڑ پڑے۔ جواب میں یہ موزوں ترین موقع ہے کہ ہم تم میں سے ایک ایک کو قتل کر کے قلعے کی چھت سے نیچے پھینک دیتے لیکن ہم نے ابھی تک آپ کے ایک ساتھی کو بھی قتل نہیں کیا اور سامنے رکھی ہوئی یہ لکڑی اور مٹی کے انسانوں کے بت ہیں۔ اس لئے کہ ہمارا یقین ہے کہ قتلِ عام سے اور دوسرے انسانوں کے مذاہب سے نفرت کر کے انہیں قتل کر دینے سے سچائیاں جھٹلائی نہیں جا سکتیں۔ آخر فتح صرف سچائیوں کی ہوتی ہے۔ جو اپنے جائز حق کا پرچم بلند کرتا ہے وہ محترم ہے کیونکہ اس طرح

وہ اپنے مہذب انسان ہونے کا ثبوت فراہم کرتا ہے اور جو اسے قتل کر کے اس کا پرچم سرنگوں کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اسلام میں اسے ''زمین میں فساد پھیلانے والا'' کہا جاتا ہے اور تب ان کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے اور تب انہیں اور ان جیسوں کو قتل کرنا اسلامیوں کی ذمہ داریوں میں شامل ہو جاتا ہے''۔

عزیز دوستو!

''کیا تمہیں خبر ہے کہ تم ہمیں کیوں قتل کرنا چاہتے تھے اور کیا تم جانتے ہو کہ نیلا کیوں ہمیں قتل کرنا چاہتی ہے۔ وجہ صرف یہ ہے کہ میں نے ایک ایسے دین کو چن لیا ہے جس میں انسان کو زندہ رہنے کے سلیقے سکھائے گئے ہیں۔ یہ میرا بنیادی حق ہے کہ میں اپنی پسند کا دین اختیار کروں یا سب کو مسترد کر دوں اور یہ اچھوت اور ذلتوں کے مارے لوگ میرے ساتھ اس لئے ہیں کہ انہیں بلاوجہ تڑپایا جاتا ہے انہیں انسانوں سے کم تر جان کر ان سے جانوروں سے بھی بدتر سلوک کیا جاتا ہے اور تاریخی طور پر ان کے آباو اجداد کے کانوں کو سیسہ ڈال کر بند کر دیا جاتا تھا تا کہ یہ'' گیتا کی آواز نہ سن سکیں کیونکہ انہیں نجس و گنہگار سمجھا جاتا رہا ہے۔

اس وقت تم بندھے ہاتھوں سے دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے ہو۔ ہم چاہیں تو تمہارے کانوں میں تپتا ہوا سیسہ ڈال کر تمہیں قرآن کی بات سننے سے محروم کر دیں۔ سوچو کہ تم پر کیا

گزرے گی۔ سوچو کہ کوئی کیوں نہ سنے گیتا کی آواز' کوئی کیوں نہ سنے "قرآن" کی آواز' یہ آوازیں تو اور بلند اور بلند ہونی چاہیئیں تھیں تا کہ انسان کھلے کانوں سے اور اپنے ادراک سے ان کا تجزیہ کرتا اور جو جس کے ضمیر اور دل میں اتر جاتی وہ اسے اپنی روح میں رچا لیتا اور چاہتا تو مسترد کر دیتا۔

غور سے سنو!

"انسانوں کے قتل کر دینے سے سچائیاں قتل نہیں ہو جاتیں۔ کیا چنگیز اور ہلاکو کے انسانی سروں کے بنائے ہوئے میناروں تلے سچائیاں دفن ہو گئی تھیں؟ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا۔ اسی لئے وہ سچائیاں اور بلند ہو کر جھلملانے لگتی تھیں اور تب یہی سچائیاں کسی بھی وقت کسی بھی مظلوم کے ہاتھ میں کبھی پتھر بن کر اور کبھی مہلک ترین اسلحہ بن کر اس وقت تک اسے جنگ پر آمادہ رکھتی ہیں جب تک وہ حساب برابر نہیں کر دیتا اور اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو پھر یہ قرض اس کی نسلیں اتارتی ہیں۔ آج کے ظلم کرنے والوں کو خبر ہونی چاہیے کہ اگر آج وہ کامیاب ہو بھی جاتے ہیں تو کل کو لازماً اور یقیناً وہ لوگ جنہیں جبر تلے دبایا گیا، جنہیں ذلیل کر دیا گیا، جن کے حقوق چھین لئے گئے ان کی نسلیں ضرور کسی نہ کسی شکل میں انتقام لیں گی۔ پھر ظالم اسی طرح دیواروں کے ساتھ لگے کھڑے ہوں گے جیسے کہ تم۔"

غازیا کی باتیں سن کر اس کا ایک ساتھی غضب ناک ہو گیا۔ اس نے کہا:

غازیا!

"اجازت دو میں ان کے دماغوں میں گولیاں اتاروں کیونکہ ان میں محبت کے الفاظ اور تاریخ کے حقائق سمجھنے کا شعور نہیں اور یہ تمہاری پاکیزہ اور نورانی باتوں کو نہیں سمجھیں گے"۔

ایسے ہی ایک دوسرے ساتھی نے کہا!

"نیلا ویسے ہی انہیں جانوروں کی موت مرتے دیکھنا چاہتی ہے اس لئے مجھے ضرور اجازت دو تاکہ میں ان کے دلوں کو گولیوں سے اڑا دوں کیونکہ ان کے یہی دل ان کے شعور کو وہ پوتر خون فراہم نہ کر سکے جو انسانی احساس اور جذبوں کی پرورش کرتا ہے"۔

ایک تیسرے نے تڑپتی آواز میں کہا:

غازیا:

"یہ میرا شکار ہیں۔ مجھے اجازت دو میں ان کے سینوں کو چھلنی کر دوں کیونکہ یہ سیاہ ہو چکے ہیں۔ ان کے سینوں میں دل نہیں سیاہیوں کے غبار ہیں جو صرف گولیوں کی بوچھاڑ سے صاف ہو سکتے ہیں"۔

غازیا نے ذرا سخت لہجے میں اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا:

بھائیو!

''کیا تم بھی انسانیت کی اس سطح تک گرنا چاہتے ہو جسے ان کے ضمیر چھو رہے ہیں۔ تم نے قرآن کی دنیا میں داخل ہو کر جنگ' امن' محبت کے کیا سلیقے و طریقے سیکھے ہیں؟ کیا تم بھول گئے ہو کہ ہمارا جینا، ہمارا مرنا اور جہاد یہ سب اللہ کے بتلائے ہوئے طریقوں کے مطابق ہی ہو سکتا ہے اور ابھی ہم اس مقام پر ہیں جہاں ان کے انجام کا فیصلہ انہی کو کرنا ہے جنہوں نے انہیں ظلم کرنے پر اکسایا تھا''۔

قیدی سپاہی سوچنے لگ گئے کہ یہ شخص کس قسم کا ہے کہ جس میں اتنا صبر اور استقلال ہے۔ یہ کونسے یقین کا مالک ہے کہ یہ ابھی تک ہماری لاشیں بھیجنے کی بجائے مٹی کے بتوں کی لاشوں سے ہمارے کرتا دھرتا لوگوں کو مذاکرات پر آمادہ کرنے کی کوشش میں ہے۔ ایک آفیسر نے دوسرے سے سرگوشی کی کہ:

''اگر ہم اس کی جگہ پر ہوتے تو کئی لوگوں کو قتل کر کے قلعے کے باہر پھینک چکے ہوتے۔ معلوم نہیں اس میں کون سا دل، کون سی روح کون سا ضمیر اور کون سا شعور ہے''۔

ایک اور جو غازیا کے لفظ لفظ سے لطف لے رہا تھا اس نے آہستہ سے کہا:

''اس کی نس نس میں اسلام رچ گیا ہے اور مجھے احساس ہو رہا ہے کہ یہ ''کوئی ضرور ایسا دین ہے جسے اپنا کر کوئی عام انسانوں سے بلند تر ہو جاتا ہے''۔

یونٹ کمانڈر نے اس کی سرگوشی سنی مگر دوسری جانب منہ پھیر لیا۔

غازیانے اپنے ساتھیوں کوتحمل اور برداشت کرنے کا حکم دیا اور اپنی بات یوں مکمل کی۔
اس نے کہا:

دوستو!

"کیا تم نہیں جانتے کہ پورے بھارت میں انتہا پسندوں نے غیر ہندوؤں کے خلاف اعلانیہ جنگ جاری رکھی ہوئی ہے اور وہ نیلا کے قتلِ عام کے تجربے سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور یہ ہے وہ نیلا دیوی جو بے گناہ مسلمانوں کا قتلِ عام کروانا چاہتی ہے۔ یہ ان کا قتل چاہتی ہے جو دن رات اس زمین کی خوشحالی اور ترقی کیلئے جدو جہد کر رہے ہیں"۔

سوچو کہ:

"مسلمانوں کو آپ کیوں قتل کرنا چاہتے ہیں؟ اسی بھارت کو مسلم سائنس دانوں نے ہی نیوکلیئر طاقت بنایا ہے۔ اسی بھارت کو عظیم الشان ثقافتی ورثہ مسلمانوں نے ہی دیا ہے جس کے دیدار وزیارت کیلئے سیاح کھنچے چلے آتے ہیں اور تم اربوں ڈالر کماتے ہو۔ اسی بھارت کے لئے یہی مسلمان لاکھوں کی تعداد میں مسلم ممالک میں جا جا کر دن رات روزی کماتے ہیں اور اسے توانائی بخش رہے ہیں پھر انہیں کیوں قتل کرنا چاہتے ہو؟ اور انہی مسلمانوں نے تمہیں محمد رفیع جیسی رفیع الشان حکمران آواز دے کر فضاؤں کو نغمگی سے معطر کر رکھا ہے۔ پھر انہیں تم لوگ نیلا کے کہنے پر قتل کرنے کیوں نکل آتے ہو"؟

تم دیکھتے کیوں نہیں ہو؟

اور تم اپنے شعور کو کیوں کام میں نہیں لاتے ہو اور سوچتے کیوں نہیں ہو کہ بھارت میں آزادی کے بعد ان گنت مسلمان قتل کر دیئے گئے۔ یہ کون سا عدل ہے کہ مسلمانوں کے تو ہزار سالہ دورِ حکمرانی نے بھارت کے دامن کو علم و امن کے موتیوں سے بھر دیا اور بدلے میں تم انہیں لہولہو کر رہے ہو۔ تم تو درندوں سے بھی زیادہ سفاک' بے رحم اور احسان فراموش ہو"۔

غازیا اپنے خطاب کو ختم کر کے واپس اپنی کسی پوزیشن میں چلا گیا۔ اُن میں بہت سے افسران اور سپاہی آنکھیں بند کیے اُس کی باتوں کا تجزیہ کرتے رہے۔ ان لمحوں میں انہوں نے کیا سوچا اور کیا فیصلہ کیا یہ اُن کا ضمیر ہی جانتا ہے۔

حکومتی نمائندے کی جانب سے پیغام لانے والے نے غازیا کو بتا دیا کہ "مذاکرات ہوں گے مگر وزیر اعظم کے وہاں پہنچنے کے لئے مخصوص وقت درکار ہوگا اور جو کم سے کم وقت درکار تھا غازیا نے اس کے لئے حامی بھر لی اور یوں وزیر اعظم اپنی تمام مصروفیات معطل کر کے فوری طور پر تیز ترین ذریعہ سے جنوبی بھارت کی جانب روانہ ہو گئے۔ مگر غازیا نے مذاکرات کا وقت صرف رات کا اندھیرا ہی رکھا تھا۔ ساتھیوں نے غازیا کو مشورہ دیا تھا کہ مذاکرات قلعے کے اندر ہونے چاہئیں مگر غازیا نے جس خدشے کا اظہار کیا وہ زیادہ قرینِ قیاس تھا

جس پر اس کے ساتھی متفق ہو گئے تھے۔ غازیا کا خدشہ تھا کہ:

"قلعے کے اندر وزیراعظم کا اکیلے یا گارڈ کے ساتھ آنا انہیں اس ماحول سے آگاہی دے دے گا جو مذاکرات کی ناکامی کی صورت میں ہمارے خلاف استعمال کی جائے گی اور گوریلا حملہ آوروں کو قلعے کے اندر کے ماحول سے ذرا بھی آگاہی انہیں بہت زیادہ فائدہ پہنچا دے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ حکومت کے ہر کارندے کو لازمی طور پر باہر ہی رکھا جائے۔"

اتنے میں غازیا کے ایک ساتھی نے آکر بتلایا کہ:

"باہر فوجی افسران کی جانب سے ایک آفیسر غازیا سے ملنا چاہتا ہے"

غازیا نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اس سے قلعے کے باہر ہی بات کی جائے۔ اس شخص نے اپنے بالا آفیسر کا خط لا کر دیا جس میں درج تھا کہ:

جناب!

دیا گیا وقت بہت کم ہے۔ ہمیں اتنا وقت ضرور دو کہ ہم وزیراعظم سے تفصیلاً گفتگو کر سکیں۔

غازیا نے جواباً لکھ کر بھیجا کہ:

معزز آفیسر!

"وقت اتنا ہی رہے گا مگر اب یہ شروع اس وقت ہو گا جب یہ شخص ہمارا خط آپ کے ہاتھ میں دے دے گا۔ یاد رہے کہ کسی ہیلی کاپٹر کی آواز یا آپ کی جانب سے ہمارے خلاف ہلکی

ترین کارروائی ہمارے درمیان رابطوں کو ختم کر دے گی اور تب ہم آپ کو آٹھ سولاشیں پہنچانے کے پابند ہو جائیں گے"۔

شروع میں نیلا اور انتہا پسندوں کی خواہش تھی کہ غازیا کے خلاف کی گئی کارروائی کی رپورٹنگ اخبارات میں ضرور شائع ہوتی کیونکہ انہیں یقین تھا کہ غازیا اور ان کے ساتھیوں پر جلد غلبہ حاصل کر لیا جائے گا اور اس پر ایسی خبریں لگوائی جائیں کہ آئندہ کوئی ہندو یا اچھوت وغیرہ مسلمان ہونے کا نہ سوچے اور وہ مسلمان جن کی نگاہیں غازیا کی جانب لگی ہوئی تھیں وہ بھی آئندہ سے شودروں کی طرح زندگی گزاریں۔ مگر پانسہ پلٹ چکا تھا۔ نیلا کے ساتھیوں نے جن اخباری نمائندوں کو خفیہ طور پر رپورٹنگ کی خود اجازت دے رکھی تھی وہ اب ان سے ہی رازداری کی کوشش میں مصروف تھے۔

آخر ایک اخباری نمائندے نے جو کہ اس جگہ ابھی پہنچا تھا نیلا سے پوچھ لیا کہ:

محترمہ!

"یہ فرمادیجئے کہ اتنی رات گزر جانے کے باوجود قلعے کے اندر اور باہر عجیب خاموشی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے جبکہ قلعے کے اندر یونٹ کا بہت بڑا حصہ کارروائی میں مصروف ہے؟"

نیلا کے ایک ساتھی نے کہا:

"حالات کنٹرول میں ہی ہیں"

اس نے کہا:

جناب!

''کس کے کنٹرول میں ہیں''

''ہمیں تو اندھیرے میں سارے حالات ہی اندھیر لگ رہے ہیں''۔

نیلا نے کہا:

''فی الحال انتظار کرو''

اخباری نمائندوں نے ان کی جانب گہری نظروں سے دیکھا جیسے کہ وہ ان سب کے چہروں سے حالات کو پڑھنے کی کوشش کر رہے ہوں۔

اگلی صبح جب لوگوں کے ہاتھوں میں اخبار آیا تو اس کی شہ سرخی تھی کہ:

''رات گئے تک غازیا اور اس کے ساتھیوں پر غلبہ حاصل نہ کیا جا سکا تھا''

ایک اور اخبار نے لکھا:

''فوجی دستے کی غازیا کے ہاتھوں رسوائی''

ایک اخبار نے لکھا!

''غازیا کو غیر ملکی مدد حاصل ہے۔ گوریلا جنگ طول پکڑ سکتی ہے''۔

انتہا پسندوں کی مددگار اخبار کی شہ سرخیاں زیادہ قابلِ توجہ تھیں ان میں سے ایک نے بڑی

سرخی لگائی کہ:

"غازیا اور اس کے ساتھیوں کو کیفرِ کردار تک پہنچایا جائے۔ حکومت کسی کمزوری کا مظاہرہ نہ کرے"۔

ایک اور اخبار نے راتوں رات باقاعدہ ایک مضمون لکھ کر چھاپ دیا اس میں درج تھا کہ:

"نیلا دیوی جیسی سپوتریاں بھارت کی عظمت کا نشان ہیں۔ حکومت کو چاہیئے کہ نجس اور بے وقار لوگوں کے خلاف نیلا کی جدوجہد کی بھرپور حمایت جاری رکھے اور ضروری مدد فراہم کرے"۔

اخبارات تا حال ان حالات سے ناواقف تھے جن میں بڑی تیزی سے فوجی افسران کے روابط سیکرٹری دفاع اور وزیر داخلہ کے ذریعے وزیراعظم سے ہو رہے تھے اور وزیراعظم پر وقت کے ختم ہونے کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا اور اس کی جانب سے یہ کہنا کہ غازیا سے مزید وقت مانگا جائے بے سود ثابت ہو رہا تھا۔ نیلا دیوی کی خواہش تھی کہ غازیا اور وزیراعظم کے درمیان مذاکرات نہ ہونے پائیں۔ انتہاپسندوں کے کچھ اور راہنما نیلا دیوی کے پاس صلاح مشورے کے لئے پہنچ چکے تھے۔ دیئے گئے وقت میں جو ایک دوسرے سے رابطے ہوئے وہ واقعی بجلیوں کی رفتار سے تھے۔ انتہاپسند ایک جانب ڈٹ گئے تھے مگر وزیراعظم کے سامنے آٹھ سو فوجی جانوں کو بچانے کا مسئلہ تھا ہر لمحہ بربادی کی جانب کھنچا چلا جا رہا تھا۔ انتہاپسندوں کا کہنا تھا کہ:

”قوموں کو قربانیاں دینی پڑتی ہیں اور فوج اسی مقصد کے لئے ہوتی ہے کہ ملک کو جب ضرورت پڑے تو کٹ مرجائے“۔

وزیراعظم کا کہنا تھا کہ:

”صرف کٹنا مرنا کافی نہیں جو بچ سکے اسے بچایا جائے“ ایک انتہا پسند نے جوشِ خطابت میں کہا:

”مذاکرات کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے فوج کو پالنے کے لئے جو معاشی قربانیاں دی ہیں وہ ضائع گئیں“۔

وزیراعظم نے کہا:

”قربانیاں دینے والے قربانیوں کا فائدہ اٹھا رہے ہیں اس وقت فوری مسئلہ انہیں بچانے کا ہے جن کے سینے پر بندوق کی نالیاں رکھ دی گئی ہیں“۔

وزیراعظم کی نظر بار بار گھڑی کی جانب اٹھ رہی تھی بلکہ بالا فوجی افسران مسلسل گھڑی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ آخر انتہا پسندوں نے وزیراعظم کو دھمکی دی کہ ”اگر مذاکرات کئے گئے تو پورے ملک میں شدید احتجاج کروایا جائے گا“۔

وزیراعظم نے دفاع سے منسلک متعلقہ اتھارٹیز کی جانب دیکھا۔ ان میں سے بڑے آفیسر نے کہا:

جناب عالی!

"اگر انہیں اس طرح مرنے دیا گیا تو فوج میں شدید احتجاج اٹھ سکتا ہے۔فوجی حکمتِ عملیوں میں مذاکرات اور ہتھیار ڈالنا شامل ہے۔ ہمارا اصل مقصد غازیا کو اس کی طاقت سمیت تباہ کرنا ہے جو ہم بعد میں کرسکتے ہیں اس وقت فوری طور پر ہمیں مذاکرات کی پیشکش قبول کرلینی چاہیئے"۔

ایک بڑے آفیسر نے مشورہ دیا کہ:

جناب عالی!

"جس دوران غازیا آپ سے مذاکرات میں مصروف ہو اس دوران ہم کم از کم دو اڑھائی سو چھاتہ بردار گوریلوں کو قلعے کے اندر اتار دیں جو آن کی آن میں غازیا کے ساتھیوں کا قلع قمع کرکے اپنے آدمیوں کو چھڑا لیں گے اور تب غازیا کو مذاکرات کے دوران ہی گرفتار کرکے اس کے انجام تک پہنچا دیا جائے گا"۔

انتہاپسندوں کو یہ مشورہ بہتر لگا اور انہوں نے وزیر اعظم پر اس حکمتِ عملی کو پورا کرنے کے لئے دباؤ ڈالا۔ بہت سے دیگر افسران نے بھی اس مشورے کی مخالفت نہ کی۔البتہ دو ایک نے کہا:

"اگر ناکام ہو گئے تو یہ ہماری جانب سے خطرناک ترین کھیل ہوگا جس میں ہم میں سے

ہر کوئی آگ کے گرداب میں گر رہا ہو گا"۔

مگر ایک بہادر نے کہا!

ایسے میں چار چھ مر بھی جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں۔ ویسے بھی ایسی مہموں میں متعدد ہلاکتوں کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہیئے۔ وزیرِ اعظم نے بادلِ نخواستہ ان کا یہ مشورہ قبول کر لیا کہ مذاکرات کے دوران قلعے پر نئے سرے سے چھاتہ برداروں کے ذریعے حملہ کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کے لئے انتہائی رازداری سے متعلقہ جگہوں پر احکامات صادر کر دیئے گئے اور غازیا کو پیغام پہنچا دیا گیا کہ:

"مذاکرات کے لئے وزیرِ اعظم قلعے سے باہر پہنچ گئے ہیں"

غازیا نے اپنے مشیروں کو ایک جانب کر کے جو ہدایات دیں وہ اس کی برتر دانش کی غمازی کر رہی تھیں۔

اس نے کہا:

بھائیو!

"ہمارے یہ مذاکرات کامیاب بھی ہو سکتے ہیں اور ناکام بھی۔ کامیابی کی صورت میں آپ جانتے ہیں ہماری منزل کیا ہے اور ناکامی کی صورت میں دشمنوں میں سے کوئی بھی ایک نہیں بچنا چاہیئے اور جہاں تک ممکن ہو مرنے سے پہلے نیلا سمیت دشمنوں کا صفایا کر دیا جائے"۔

''میری رائے میں دشمن مذاکرات ذرا طویل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو وہ کوئی نئے حملے کی تیاری کر رہا ہوگا اور اندازاً اس کے لئے حملہ ہی چھاتہ بردار گوریلوں سے ہوگا۔ چنانچہ ان چار سو قیدیوں کو ابھی سے قلعے کے نیچے فلاں سرنگ میں لے جایا جائے تا کہ چھاتہ بردار فوری ان تک اور ہمارے ساتھی نگرانوں تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور جو قلعے میں موجود ہیں انہیں فلاں فلاں جگہ تعینات کر دو تا کہ اگر ایسا ہو تو وہ قلعے کی فضا میں ہی نیچے سے فائر کر کے انہیں ہلاک کر سکیں مگر اسی دوران ہمارے گوریلا ساتھیوں کی توجہ ہٹانے کے لئے اطراف سے بھی حملہ ہو سکتا ہے اس کے لئے چاروں اطراف فلاں فلاں جگہ پر اپنے ساتھی تعینات کر دیئے جائیں۔ یاد رہے کہ اطراف سے حملہ کرنے والے ایک دم گرنیڈوں اور بموں کی بارش کر سکتے ہیں مگر ایسے میں اپنے اپنے مورچوں میں دم سادھ لیں اور جب وہ اندر داخل ہونے کی کوشش کریں تو ہمارے پاس موجود گرنیڈ و دستی بم غرضیکہ موقع کے مطابق اسلحہ استعمال میں لایا جائے اور ان میں سے کوئی ایک بھی بچنے نہ پائے''۔ البتہ اطراف سے حملہ آور ہونے کے امکانات کم ہیں کیونکہ دلدل ہے لیکن جنگ کے دوران کچھ بھی ہو سکتا ہے اس لئے تیار رہا جائے۔

''دوسرے یہ کہ فلاں شخص فلاں سرنگ کے ذریعے خفیہ راستے پر چلتا ہوا دوسرے قلعے کی جانب نکل جائے اور وہاں پہنچ کر کمانڈ سنبھال لے اور اگر اِس قلعے میں ہم ناکام ہو جائیں تو پیغام بھیج دیا

جائے کہ ایک ایک کر کے لاشیں وصول کر لیں اور پھر واقعی لاشیں دی جائیں تا کہ ہمارے ساتھی بچ سکیں"۔

"میرے ساتھ فلاں فلاں ساتھی مذاکرات کے لئے جائیں گے"۔

ہدایات مکمل کرنے کے بعد اس نے مشیروں سے پوچھا کہ:

"کسی بھی شے کے بارے میں کوئی بات ادھوری ہو یا نا قابلِ عمل ہو تو ابھی فوری طور پر مجھ سے سوال کیا جائے"۔

ایک نے کہا:

"اگر صورت حال آپ کی توقع کے مطابق نہ ہوئی اور ایسی ہوئی جس کی ہم پیش بینی نہیں کر سکے اور ہم ان کے جال میں آ رہے ہوں تو کیا کرنا ہوگا"

غازیا نے کہا:

"میرے بعد کمانڈ کا وہی سلسلہ ہوگا جو طے ہے اور اس وقت کے کمانڈر کو اختیار ہوگا کہ اپنی صوابدید کے مطابق جو مناسب سمجھے کرے"۔

غازیا نے سورۃ فاتحہ کا ورد کیا اور دو ساتھیوں کو لے کر قلعے کے باہر قریب ہی وہاں پہنچ گیا جہاں متعلقہ افسران وزیر اعظم کو گھیرے میں لئے بیٹھے تھے اور وزیر اعظم کے ساتھ نیلا دیوی بھی بیٹھی ہوئی تھی۔ ساری جدوجہد کے دوران یہ پہلا موقع تھا جب نیلا دیوی غازیا کو دیکھ سکتی تھی۔

ہوسکتا ہے اس کے لاشعور میں غازیا کو دیکھنے کی خواہش رہی ہو کیونکہ ان دیکھے دشمن کے خلاف جنگ لڑتے رہنا عجیب نفسیاتی الجھنوں کو بھی جنم دیتا ہے مگر نیلا شروع سے ہی اسے زندہ دیکھنے کی بجائے مردہ دیکھنے کی آرزو لئے بیٹھی تھی اور آج اسے یقین تھا کہ وہ اسے چند لمحوں کے بعد مردہ ہی دیکھے گی۔ ملک کے اندر اور باہر مسلمانوں کو قتل کروانے والی ماہر قاتلہ نیلا کو ابھی تک غازیا نے نامراد کر رکھا تھا۔ یہ اس کے لئے انتہائی ذلت آمیز تھا۔ لیکن چند لمحوں کے بعد غازیا کی متوقع رسوائی سے وہ شادمان تھی۔

غازیا نے ذرا دور سے دیکھ لیا تھا کہ وزیراعظم بہت زیادہ ساتھیوں اور پاسبانوں میں گھرے بیٹھے ہیں۔

اس نے پیغام بھیجا کہ:

نیلا سمیت انتہاپسندوں کا کوئی شخص وزیراعظم کے پاس نہیں ہونا چاہیئے''

جواب آیا کہ:

''آپ کی کشمکش ہی نیلا اور انتہاپسندوں کے ساتھ ہے اس لئے مذاکرات میں ان کا ہونا ضروری ہے''۔

غازیا نے پھر پیغام بھیجا کہ:

''اس کشمکش کو ختم کرنے کے لئے ہی وزیراعظم کو زحمت دی گئی ہے اگر اسے جاری ہی

رکھنا ہے تو اس طرح کے مذاکرات بے سود ہیں"۔

جواب آیا کہ:

"وزیراعظم کسی ایسے خفیہ مذاکرات پر یقین نہیں رکھتے جس سے متحارب گروپوں میں مزید غلط فہمیاں پیدا ہوں"۔

غازیا نے پیغام بھیجا کہ:

"مذاکرات میں نیلا کا نہ ہونا بھارت کے حق میں ہے"۔

جواب آیا کہ:

"بھارت کے حق میں وزیرِاعظم بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔ آپ آ کر صرف اپنی شرائط بتائیں"۔

غازیا ایسے سوالوں سے مذاکرات کا ماحول اور وزیراعظم کا ردِعمل دیکھنا چاہتا تھا تا کہ حالات کا بہتر اندازہ کر سکے اور اس لحاظ سے وہ کامیاب ہو چکا تھا۔ تمام جوابات سے ظاہر تھا کہ اس وقت وہ لوگ مذاکرات کے لئے سنجیدہ نہیں تھے اور غیر سنجیدگی ان کی جانب سے کسی بڑی کارروائی کا پتہ دیتی تھی جسے غازیا بھانپ گیا اور اس نے قلعے میں موجود اپنی ٹارچ کے کوڈ سے "ریڈ الرٹ" دے دیا۔

وزیراعظم ایک دانش منداور دور اندیش شخصیت کے مالک تھے انہوں نے ٹارچ کا

اشارہ دیکھتے ہی ساتھ کھڑی شخصیات کو بتلادیا کہ:

''غازیا ذہین اور مخلص دکھائی دیتا ہے۔ آپ نے جو جوابات اسے پہنچائے ہیں اس سے وہ دراصل آپ کی ذہنیت پڑھ رہا تھا اور میرے خیال میں آپ جس کارروائی کا حکم مجھ سے دلوا چکے ہیں وہ اسے سرے نہیں چڑھنے دے گا کیونکہ اس کی ٹارچ کا اشارہ کسی خطرناک جوابی کارروائی کے لئے ہے۔''

قریب ترین وزیر جو انتہا پسندوں کا مددگار تھا اس نے کہا:

محترم عالی!

''اس قسم کے دہشت گرد بظاہر زیرک ہوتے ہیں مگر انہیں مخلص نہیں کہا جاسکتا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ہندو کلچر کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور پاکستان کی شہ پر علیحدگی پسند تنظیموں کی مدد کرتے رہتے ہیں اور حکومت کو بلیک میل کرنے کی کوشش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ ایسے میں نیلا دیوی جیسی خواتین بھارت کی اصل بیٹیاں ہیں جن کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے اور یہ اسی کا کارنامہ ہے کہ آج کسی نہ کسی طریقے سے اس نے غازیا کو ساتھیوں سمیت محصور کرڈالا ہے ۔ اب یہ ہماری فوج کی ذمہ داری ہے کہ وہ کس طرح اس پر قابو پاتی ہے''۔

وزیراعظم چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگئے مگر ان کے چہرے کے تاثرات بتلا رہے تھے کہ وہ اس کی باتوں سے زیادہ قائل نہیں ہوئے تھے مگر فوری طور پر اس بحران پر قابو پا کر واپس چلے جانا

چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے متعلقہ آفیسر کو اشارہ کیا کہ:

"غازیا کو کہو کہ وزیر اعظم انتظار کر رہے ہیں"۔

غازیا نے ان کی جانب ساتھیوں سمیت قدم بڑھا دیئے۔ قریب جانے پر گارڈ نے بندوقوں کو علیحدہ کر دینے کے لئے کہا۔ جس پر غازیا اور اس کے ساتھیوں نے عمل کیا۔

نیلا اور انتہا پسندوں میں سے کسی نے بھی اس کا استقبال نہ کیا البتہ وزیر اعظم نے نہایت اطمینان، تحمل اور بردباری سے آگے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور غازیا کو ساتھیوں سمیت بالکل اپنے سامنے جگہ دی۔

غازیا نے داخل ہوتے ہی ذرا بلند آواز میں سلام کیا جسے کسی نے بھی پسند نہ کیا مگر وزیر اعظم نے جواب دیا۔ غازیا کا لہجہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ نہایت پر اعتماد شخص ہے۔ وہ رات کے اندھیرے میں گہرے سبز لباس میں تھا اور ویسی ہی دستار کے پلو سے آدھے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

وزیر اعظم نے کہا:

میرے بیٹے!

آپ بے فکر ہو کر مجھ سے گفتگو کر سکتے ہیں اس لئے آپ کو پردے میں رہنے کی ضرورت نہیں۔

اس نے کہا:

ایکسی لینسی!

''فی الحال آپ کا یہ شہری ملکی قوانین کی مدد سے محروم ہے اور وہ صرف یک طرفہ کارروائی کا سامنا کر رہا ہے۔ آئین کے مطابق سلامتی کی ضمانت نہیں فراہم کی گئی اسی وجہ سے وہ نقاب نہیں ہٹائے گا''۔

وزیراعظم نے کہا:

''اس کی میں آپ کو گارنٹی دیتا ہوں''۔

اس نے کہا:

جناب عالی!

''آئین بالا تر ہے۔ وہ ابھی تک گارنٹی نہیں دے سکا اور ہم عذاب وعتاب میں مبتلا کر دیئے گئے ہیں۔ آپ صرف نئے حالات کے مطابق ہمیں کچھ رعایات دے سکتے ہیں اور ہمارے حقوق ہمیں واپس دلا سکتے ہیں اور میں اس کے لئے آپ کو درخواست کرتا ہوں''۔

نیلا تب سے غازیا کے چہرے اور اس کے سراپے پر نظریں جمائے بیٹھی تھی۔ اسے اس سے غرض نہیں تھی کہ وہ کس حد تک کسی کو متاثر کرنے والا تھا کیونکہ نیلا اپنی شخصیت کے اعتبار سے بذاتِ خود ناقابلِ شکست تھی۔ اس کے ذہن میں ہر لمحہ سامنے بیٹھے غازیا کو

گرفتار کر کے اسے ٹکڑے ٹکڑے کروانا تھا۔ وہ وزیرِ اعظم کی جانب سے کہے گئے ملائم الفاظ پر تلملا رہی تھی مگر محفل کے آداب کے مطابق خاموش تھی۔

وزیر اعظم نے کہا:

کہو کیا تقاضے ہیں؟

غازیا نے بغیر تمہید کے کہہ دیا کہ:

*" میرے اور میرے ساتھیوں کے لئے عام معافی کا اعلان کیا جائے۔

* مسلمانوں کی "عبرت گاہ" ہمارے حوالے کی جائے اور حکومت وہ سارے کھنڈرات اور اس کی زمینیں واگزار کرے کیونکہ ہم وہاں پر امن سے رہنا چاہتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ تب ہم بھارت کی توانائی و ترقی میں اضافہ کا باعث بنیں گے۔

* واگزار کرنے کے بعد تمام زمینیں بڑی ذات والوں سے چھڑوائی جائیں اور انہیں حکماً آئندہ ان زمینوں پر قبضہ سے باز رکھا جائے۔

* زمینیں آباد کرنے کے لئے دس ٹریکٹر، تین بلڈوزر، دو کرینیں اور دس تھریشر دیئے جائیں جن کی قیمت ہم تین سال بعد ادا کریں گے یا انہیں واپس کر دیں گے۔

* پندرہ سو خیمے دیئے جائیں تاکہ عبرت گاہ کو بسانے تک میرے ساتھی ان میں رہ سکیں۔ تین سال بعد ان کی قیمت ادا کر دی جائے گی یا انہیں واپس کر دیا جائے گا"۔

غازیا کے مطالبات نیلا پر بجلی کا تازیانہ بن کر برس رہے تھے اور وہ اس سے ہر لفظ کا حساب لینا چاہتی تھی مگر خاموش تھی اور منتظر تھی کہ چھاتہ برداروں کی کارروائی شروع ہو اور وہ اسے گرفتار کروائے۔

وزیراعظم نے کہا!

آپ نے جو مانگیں کی ہیں ان کے بارے میں مشورہ کے لئے وقت درکار ہے۔

غازیا نے کہا:

"تو پھر تب تک آپ کے سپاہی ہمارے پاس یرغمال رہیں گے۔"

ابھی وہ یہ باتیں کہہ ہی رہا تھا کہ قلعے میں اچانک گولیوں اور دھماکوں کی آوازیں شروع ہوگئیں۔ وزیراعظم جان گئے کہ چھاتہ برداروں کا حملہ ہو چکا۔ نیلا نے آگ برساتی نگاہوں سے غازیا کی جانب دیکھا مگر غازیا نے تب سے ایک بار بھی اس کی طرف نہ دیکھا تھا۔ غازیا نے بڑی معنی خیز نظروں سے وزیراعظم کی جانب دیکھا اور بڑے ادب سے کہا:

میرے معزز و عظیم وزیرِاعظم!

"میں نے سمجھا تھا صرف آپ ہی گارنٹی دے سکتے ہیں۔ وزیراعظم خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وزیر نے اجازت چاہی کہ آپ حکم دیں تاکہ غازیا اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا جائے"۔

غازیا نے کہا:

جناب عالی!

"سیاست کے الجھیڑوں میں محترم وزیر جیسے انسانوں نے آپ کی رائے کو یرغمال بنا رکھا ہے۔میری آپ سے گزارش ہے کہ انہیں گرفتاری جیسی نادانیاں کرنے سے منع فرمائیں۔"

نیلا جو تب سے خاموش تھی اس نے کرخت آواز میں غازیا کو کہا:

تم گرفتار بھی ہو گے اور ہلاک بھی ہو گے۔ غازیا نے قطعی طور پر اس کی بات ان سنی کر دی اور جواب نہ دیا۔

وزیرِ اعظم کی خاموشی سے فائدہ اٹھا کر ایک جوشیلے نے غازیا کے سر پر بندوق رکھتے ہوئے کہا:

"یہاں سے ہلنے کا مطلب صرف تمہاری موت ہے"۔

ساتھ ہی بیٹھے ہوئے غازیا کے ساتھیوں میں سے ایک نے کہا:

"تم سے بڑا احمق شاید ہی کوئی ہو گا۔ غازیا کو مارنا اتنا آسان ہوتا تو آج وزیرِ اعظم یہاں نہ ہوتے۔ عقل سے کام لو اور اپنے آپ کو اس ہلاکت سے بچاؤ جس کا سامنا مذاکرات ناکام ہونے کی صورت میں آپ سب کو کرنا پڑے گا"۔

غازیا نے بڑے اعتماد سے بندوق کی نالی اپنے سر سے ہٹاتے ہوئے وزیرِ اعظم سے کہا:

ایکسی لینسی !

”یہ لوگ آپ کے حکم کا انتظار نہیں کر سکتے اور ہم تیس سیکنڈ سے زیادہ دیر انہیں وقت دینے کو تیار نہیں“

”اگر آپ فوری کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے تو براہِ کرم انہیں بتلا دیں کہ جس کارروائی کا انہوں نے حکم دے رکھا ہے اس کے نتائج کا بھی انتظار کر لیں“۔

وزیراعظم نے ذرا رنجیدہ ہو کر متعلقہ آفیسر کو حکم دیا کہ میری اجازت کے بغیر کسی کو کوئی بات کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی غازیا یا اس کے یہاں پر موجود دونوں ساتھیوں کے خلاف ہتھیار اٹھانے کی اجازت ہے“۔

وزیراعظم کی جانب سے بڑی سختی سے یہ حکم نیلا سمیت وہاں پر موجود تمام افراد کو سنایا گیا اور تنبیہہ کر دی گئی کہ مذاکرات کی ناکامی کی تمام ذمہ داری اور سپاہ کی تباہی کی ذمہ داری ایسے لوگوں پر ڈالی جائے گی جو ان مذاکرات کو ناکام بنانے کی کوشش کریں گے اور سپریم کورٹ کا جج مقرر کر دیا جائے گا جو انکوائری کرے گا۔

اسی دوران ایک آفیسر نے آ کر بتلایا کہ:

”جتنے چھاتہ بردار اور گوریلوں نے قلعے کے اندر حملے کی کوشش کی تھی انہیں یا تو ہلاک کر دیا گیا ہے یا وہ زخمی حالت میں کراہ رہے ہیں اور انہیں اٹھانے والا کوئی نہیں اور غازیا کے

ساتھی انہیں اٹھانے کی اجازت نہیں دے رہے۔ اگرچہ کارروائی بند ہو چکی ہے مگر کوئی قلعے کے اندر نہیں جا سکتا اور یہ بھی معلوم نہیں کہ باقی قیدی سپاہیوں کا کیا انجام ہوا"۔

اس خبر نے سوائے وزیر اعظم کے وہاں پر موجود تمام افراد کو جیسے سائبیریا کے یخ پانی میں نہلا دیا ہو۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے البتہ نیلا اور انتہا پسندوں کے لئے اتنی سی فوج کا مارا جانا کوئی بڑی بات نہیں تھی۔ وزیر اعظم نے بغور فضا میں کچھ دیر کے لئے دیکھا اور پھر غازیا سے مخاطب ہو کر کہا:

"اس کارروائی کے نتیجے میں آپ کی حکمتِ عملی کے مطابق ہماری آٹھ سو سپاہ کا کیا انجام ہے"۔

غازیا نے بڑے اعتماد و یقین سے کہا:

"اگر ہمارے مطالبے پورے ہو گئے تو یہ اللہ کو حاضر جان کر میرا آپ سے وعدہ ہے کہ "انشا اللہ" آپ کی سپاہ خیریت سے واپس جائے گی۔ لیکن اس کے بعد اگر معاہدے کو توڑا گیا تو پھر اعتماد کی ہلاکت ہو گی جو سپاہی کی ہلاکت سے زیادہ خوفناک ثابت ہو گی اور تب ہم کسی کے احترام کے پابند نہیں ہوں گے"۔

اب وزیرِ اعظم نے بڑی شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا:

میرے بیٹے!

"میں اصولی طور پر آپ کے مطالبے تسلیم کرتا ہوں مگر اس کی گارنٹی آپ کو سپریم کورٹ سے دلوائی جائے گی اور ان کے تین جج صاحبان کو انکوائری کے لئے تعینات کیا جائے گا جو حالات کی ذمہ داری کا تعین کریں گے۔ البتہ اگر آپ لوگوں نے اپنے دفاع کے علاوہ جان بوجھ کر قتل کئے ہوں گے تو میں اس کی معافی نہیں دے سکتا وہ عدالت کا معاملہ ہے۔ لیکن ان مطالبوں کی منظوری پر عمل درآمد اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک آئین کے تحت لوک سبھا وغیرہ میں اس کی کارروائی مکمل نہیں ہو جاتی اور سپریم کورٹ کی رپورٹ نہیں آ جاتی اور اس کے لئے صرف ہنگامی طور پر زیادہ سے زیادہ سات دن درکار ہوں گے"۔

وزیرِ اعظم نے غازیا سے مزید کہا کہ:

"قلعے میں مرنے والوں اور زخمیوں کو باہر پہنچا دیا جائے"۔ غازیا نے وزیر اعظم کی گفتگو کو تحمل سے سنا اور الوداع کہنے سے پہلے وزیر اعظم سے یوں مخاطب ہوا:

ایکسی لینسی!

آپ کی دانش اور شفقت ہمارے لئے یادگار رہے گی اور فورٹ میں محصور تمام افراد کے کھانے پینے کا وافر سامان پہنچائے جانے کا حکم صادر فرما دیں۔

اللہ حافظ

وہ یہ کہہ کر چلا گیا مگر اسے دور تک نیلا دیوی، وزیر، انتہا پسندوں کا راہنما اور دیگر افسران

جو اسے ہلاک ہوتا دیکھنا چاہتے تھے بس اس کے قدموں کو گنتے رہے تا آنکہ وہ قلعے میں ساتھیوں سمیت داخل ہو گیا۔

حکومت ابھی تک یہ نہیں جان پائی تھی کہ قلعے کے اندر غازیا کے کتنے ساتھی ہیں۔ اپنے اپنے قیافہ کے مطابق جنگی ماہرین کی رائے تھی کہ وہ دو سو سے تین سو تک ہو سکتے ہیں۔ ان کے جائزے کے مطابق چند ساتھی اتنی بڑی یونٹ کے تربیت یافتہ لڑاکا سپاہیوں کو یرغمال نہیں بنا سکتے تھے۔ اپنے طور پر تعداد معلوم کرنے کے انہوں نے سب حربے آزما لئے تھے۔ جب جب وقت گزر رہا تھا یونٹ کے تمام سپاہی جو جہاز یا ہیلی کاپٹر میں سے پہلے قلعے کی دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے معلوم ہوتے تھے اب وہ وہاں پر نہیں تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ انہیں یقیناً قلعے کے اندر علیحدہ علیحدہ کمروں اور تہہ خانوں وغیرہ میں لے جا کر بند کر دیا گیا ہے جو ہر لحاظ سے خطرناک تھا کیونکہ حکومت کی جانب سے کوئی بھی گوریلا کارروائی چند سپاہیوں کو تو شاید بچانے میں کامیاب ہو جاتی مگر ساری کی ساری نفری کا کام تمام ہو جاتا۔ تمام کارروائی رات کے اندھیرے میں ہو رہی تھی۔

یونٹ کو لوگوں کے حالات سے باخبر رکھا جا رہا تھا۔ یہ غازیا کی حکمتِ عملی کا حصہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ قید میں رہنے والا بہت جلد کھلی فضا کی آرزو کرنے لگ جاتا ہے۔ قید خانے آزادی کا احساس پیدا کرتے ہیں اور انہیں عروج تک لے جاتے ہیں اور قید خانے بذاتِ خود بہت بڑی

تربیت گاہ ہوتے ہیں۔

غازیا کا کہنا تھا کہ:

"وہ لوگ جو غرور اور جوش وطیش میں رچے ہوتے ہیں اگر وہ قیدی ہو جائیں تو بہت جلد بلبلا اٹھتے ہیں کیونکہ ان کی شخصیت میں پختگی، اعتماد، یقین اور بھروسا نہیں ہوتا۔ ان کی شخصیات میں بیوجہ اٹھتے ہوئے الاؤ چند لمحوں میں بجھ جاتے ہیں اور ان میں توازن آنے لگتا ہے مگر یہ تربیت ان کے لئے فائدہ مند ہوتی ہے جو ردِ عمل میں انتقام کی پرورش نہیں کرتے"۔

جس یونٹ کے افسران اور سپاہیوں کو غازیا نے جنگی قیدی بنا رکھا تھا وہ بہت زیادہ دہشت زدہ تھے۔ انہیں تمام اطراف سے اپنا انجام تاریک دکھائی دے رہا تھا یعنی اگر حکومت انہیں چھڑانے کے لئے کارروائی کرتی تو وہ مارے جاتے۔ اگر حکومت انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتی تو وہ قیدیوں کی طرح نہ جانے غازیا کے ساتھیوں کے ہاتھ موت کے مترادف کیا مصائب جھیلتے اور اگر رہائی حاصل کر لیتے تو فوج کے بڑے افسران انہیں قبول کرنے کو تیار نہ ہوتے اور سزا کے طور پر گھر بھیج دیئے جاتے۔

غازیا کو جب مذاکرات کے لئے بلایا گیا تھا تو انہیں اطلاع دے دی گئی تھی کہ حکومت ان کی رہائی کے لئے مذاکرات کرنے کو تیار ہے۔ یہ خبر عام سپاہی کے لئے روح کے جھلستے ہوئے ماحول میں ٹھنڈی اور بھیگی ہوا کا جھونکا تھا۔ انہیں قید ہوئے دو دن ہو چلے تھے۔ غازیا کی غیر

موجودگی میں کمانڈنگ آفیسر نے غازیا کے ایک ساتھی کے ساتھ گفتگو کی خواہش کی۔

اس نے کہا:

''میں اپنی یونٹ کے سپاہیوں سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

ساتھی نے کہا:

''ممکن نہیں''

اس نے کہا:

''مگر میں کمانڈنگ آفیسر ہوں''۔

ساتھی نے کہا:

''ہماری جنگ براہِ راست آپ سے نہیں اس لئے آپ سے گفتگو بھی نہیں ہو سکتی''۔

اس نے کہا:

''میرے سب سپاہی قید میں بندھے ہوئے ہیں۔ میں ان کے بارے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں''۔

ساتھی نے کہا:

''ان سب کو آپ نے خود قیدی کروایا ہے۔آپ صرف اپنے بارے میں بات کیجئے''۔

اس نے کہا:

''ہم کب تک یہاں رہیں گے اور یہاں اس حالت میں رہیں گے؟''۔

ساتھی نے کہا:

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے''۔

اس نے کہا:

''فرق پڑنا چاہیئے''

ساتھی نے کہا:

''تلوار کسی کے خون میں اور بندوق کی گولی کسی کے سینے میں فرق نہیں کرتی۔ آپ جنگی قیدی ہیں اپنی کمانڈ پوسٹ میں نہیں ہیں''۔

کمانڈنگ آفیسر نے کہا:

مگر!

ساتھی نے کہا:

''آپ کی خاموشی آپ کے سپاہیوں کے لئے زیادہ پُر مسرت ہوگی''۔

غازیا کے پڑھے لکھے ساتھی اب تک نہ صرف عملی جنگ کے ماہر ہو چکے تھے بلکہ اس کے نظریات کی گہرائیوں سے بھی واقف ہو چکے تھے اور اس طرح بہت زیادہ مطالعہ نہ رکھنے کے باوجود وہ باقاعدہ فوج کے ان افسران سے جو کہ اب ان کی قید میں تھے۔ کہیں زیادہ مدلّل،

منطقی اور خردمند ہو چکے تھے۔

غازیا نے کلاوزویٹز کا جنگ کے بارے میں یہ نظریہ کہ War is continuation of politics by other means یعنی جنگ سیاست کا ہی تسلسل ہے جسے دوسرے ذرائع سے اپنایا جاتا ہے)'' کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ'' war is a negation of politics'' یعنی ''جنگ سیاست کی نفی ہے'' یہ اس کا تسلسل نہیں ہو سکتی کیونکہ جنگ کا اپنا کلچر، ضروریات وترجیحات ہوتی ہیں اور سیاست کا اپنا کلچر، ضروریات وترجیحات ہوتی ہیں اور یہ دونوں کلچر متضاد ہوتے ہیں۔

سیاست کا بنیادی مقصد امن یا status quo کو قائم رکھنا ہوتا ہے مگر جنگ کا بنیادی مقصد status quo کا خاتمہ ہوتا ہے۔ جنگ میں سیاست کا کوئی اصول وقانون نہیں اپنایا جاتا۔ جنگ کے اصول وقوانین اپنے ہیں۔مثال کے طور پر Principle of surprise جنگی حکمتِ عملی میں بہترین تصور ہوتا ہے جب کہ یہی کچھ سیاست میں وعدہ خلافی، بےوفائی، موقع پرستی اور منافقت میں شمار ہوتا ہے۔

غازیا بہت سادہ الفاظ میں جن جنگی نظریات کو فرسودہ قرار دے چکا تھا ان میں ایک یہ بھی تھا کہ:

''جس طرح اقتصادیات سیاسیات اور عمرانیات علیحدہ علیحدہ ہونے کے باوجود بہت سے

پہلوؤں میں ایک دوسرے سے نہ صرف جڑے ہوئے ہیں بلکہ ان کی قوتیں ایک دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتی ہیں۔ ایسے ہی جنگیات یعنی (وار۔war) ان سب سے علیحدہ ہے مگر جڑا ہوا ہے اور ایک دوسرے کے فیصلے اور پالیسیاں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور جس طرح اقتصادیات جنگ کی ایک وجہ ہوسکتی ہے ایسے ہی سیاست اور عمرانیات بھی جنگ کی وجوہات ہوسکتی ہیں۔ لہٰذا ہم جنگ کو مخصوص طور پر سیاست کا تسلسل قرار نہیں دے سکتے۔"

مثال کے طور پر غازیا اپنے استدلال کے لئے تاریخ میں درج بوسنیا، چیچنیا، کشمیر اور افغانستان کے مسلم جانبازوں اور مجاہدین کی مثالیں پیش کیا کرتا تھا۔ یونٹ کے قیدی افسران اور جوان ابھی تک حیرت میں غرق تھے کہ کس طرح غازیا بغیر ہلاکتوں کے ان کے جنگی ماہرین کو مات دینے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ اگلی صبح یونٹ کمانڈر نے درخواست کی کہ اسے اس کی یونٹ کے افسران سے ملنے کی اجازت دی جائے۔ جسے غازیا سے مشورے کے بعد منظور کرلیا گیا۔ غازیا کے ساتھی نے محسوس کیا کہ جب وہ آپس میں ملے تو ایک دوسرے سے شرمندہ شرمندہ سے تھے اور ملنے کے باوجود کچھ دیر تک وہ خاموش بیٹھے رہے۔ خاموشی کو توڑتے ہوئے یونٹ کمانڈر نے ان سے کہا:

جینٹلمین!

"بدقسمتی نے ہمیں یرغمال بنا کر رکھ دیا ورنہ ہم نے جو تیاری کی تھی اس میں کمی تھی اور نہ ہی ان

جنگی چالوں میں کمی تھی جو ہم نے غازیا کے خلاف استعمال کیں"۔

افسران سر جھکائے بیٹھے رہے۔انہوں نے یونٹ کمانڈر کی بات میں شامل ہونا یا اس کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔البتہ ایک سیکنڈ لیفٹیننٹ نے جو کہ اکیڈمی سے نیا نیا پاس آؤٹ ہو کر آیا تھا اور یونٹ میں شامل ہوئے ابھی تقریباً دو ایک مہینے ہوئے تھے اس نے اپنے کھلنڈرے سے انداز میں کہہ ڈالا کہ:

سر!

"میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں لڑانے والوں میں جس بنیادی شے کی کمی تھی اس کا نام ہے "جنگی بصیرت" جو غازیا میں ہے اور ہمیں لڑانے والوں میں نہیں ہے"۔

یونٹ کمانڈر نے بغیر لمحہ ضائع کئے اسے سرزنش کرتے ہوئے کہا:

شٹ اپ "mind your own business"

وہ لیفٹیننٹ سر جھکا کر بیٹھ گیا!

ایک سینئر میجر جو یونٹ کمانڈر سے بددل اور متنفر ہو چکا تھا۔اس نے سر اوپر کرتے ہوئے کہا:

سر!

"ہمیں جو لمحے آرام کے لئے دیئے گئے ہیں کیا یہ ضروری ہے ہم انہیں آپ کی گفتگو کے بوجھ تلے دبا کر برباد کر دیں۔آپ مہربانی سے ہمیں ہمارے حال پر چھوڑ دیں۔

ہمارے لئے یہ قیدِ تنہائی آپ کی قربت سے کہیں زیادہ حسین ہے"۔

وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کر اس جانب چل دیا جہاں اسے رکھا گیا تھا۔ اس کا اٹھنا تھا کہ دیگر افسران بھی اس کے پیچھے پیچھے چل دیئے۔ البتہ ایک آفیسر یونٹ کمانڈر کے پاس بیٹھا رہا۔ جس نے اسے مایوسی میں دیکھ کر کہا:

سر!

"آپ انہیں خاطر میں نہ لائیں اور میں جو آپ کے ساتھ ہوں۔ آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ حالات کا سچا اور صاف ستھرا تجزیہ ہے جن پر اگر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے تو بہت سے اسباق سیکھے جاسکتے ہیں"۔

غازیا کا ساتھی جو ان پر نگہبان مقرر تھا۔ اس نے مسکراہٹ دیتے ہوئے یونٹ کمانڈر کو مخاطب کیا کہ:

جناب عالی!

"ہر جماعت اور ہر گروہ میں کم از کم ایک ایسا شخص ضرور ہوتا ہے جو "الوکورات کا شہباز" کہتا رہتا ہے اور اس طرح اپنے لیڈر کا بیڑا غرق کر کے کنارے پر کھڑے ہو کر قہقہے لگاتا رہتا ہے۔ یہ افسر جو آپ کے تجزیے کو صاف ستھرا کہہ رہا ہے اگر آپ بچ گئے یا رہا ہو گئے تو اس کی خبر ضرور لیجئے گا"۔

وہ ساتھی ابھی اپنی بات مکمل بھی نہ کرنے پایا تھا کہ یونٹ کمانڈر نے پھرتی دکھاتے ہوئے جھپٹ کر اس کی بندوق چھین لی اور اس کی گردن پر بندوق کی نالی رکھ کر آواز دے دی کہ:

"اگر سامنے کھڑے غازیا کے ساتھیوں نے بندوقیں نہ پھینکیں تو وہ اسے گولی مار دے گا۔"

یونٹ کمانڈر کی جانب سے یہ ایک نہایت ہی غیر دانشمندانہ حرکت تھی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابھی تک حالات کو سمجھ پایا تھا اور نہ ہی مدِ مقابل کے طریقۂ جنگ کو جان پایا تھا۔ ہوسکتا ہے وہ اپنی ہزیمت کا اس طرح کفارہ ادا کرنا چاہتا ہو مگر جو کچھ بھی تھا طاری حالات میں وہ بدترین حرکت کر چکا تھا۔

یونٹ کمانڈر ابھی اپنی آواز بھی مزید بلند نہ کر پایا تھا کہ دائیں بائیں سے آتی ہوئی چند گولیوں نے اس کے بازوؤں اور ٹانگوں کو چھلنی کر دیا اور اس کے ساتھ لگے افسر کو بھی کافی زیادہ زخمی کر دیا۔ یہاں تک کہ چھینی ہوئی بندوق سے اس کو گولی چلانے کی نوبت ہی نہ آئی اور اگر آئی بھی ہو تو وہ خالی تھی کیونکہ غازیا قریب کے نگہبان کے ہاتھوں میں صرف خالی بندوقیں دیتا تھا مگر ذرا فاصلے پر کھڑے نگہبان بھری ہوئی بندوقوں اور ہینڈ گرنیڈوں سے لیس ہوتے تھے۔

غازیا نے دور سے ہاتھ کے اشارے سے ساتھیوں کو مزید گولیاں چلانے سے منع کر دیا تاکہ

یونٹ کمانڈر زندہ رہ سکے۔اٹھ جانے والے افسران اور دیگر سبھی جوان اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ان میں سے کسی کے چہرے پر یونٹ کمانڈر کے زخمی ہونے پر ملال نہیں تھا بلکہ ان کی نگاہیں اس کی ناسمجھ حرکات کی گواہ بن چکی تھیں۔

غازیا کے ساتھی انہیں اٹھا کر کسی اور جانب لے گئے جہاں پر کہ ان کی مرہم پٹی وغیرہ ہو سکے۔ غازیا نے اس واقعہ کے بعد گرفتار شدہ یونٹ کے کسی فرد سے گفتگو یا اٹھکیلیاں کرنے سے اپنے ساتھیوں کو منع کر دیا۔

اتنا بڑا واقعہ بھارت کی تاریخ میں زمانوں کے بعد پیش آیا تھا۔ایک شخص اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ بھارت کی مسلح افواج کی ایک بہترین یونٹ کی نفری کو بغیر ہلاکتوں اور قتلِ عام کے یرغمال بنا چکا تھا۔یہ یونٹ ائرفورس کی مدد کا بھی فائدہ نہ اٹھا سکی تھی اور حکومتِ وقت اس واقعہ کو چھپانے کی برابر تگ و دو کر رہی تھی۔

اس واقعہ کے منظر عام پر آ جانے سے نہ صرف وہ بھارتی افواج جو کہ مختلف آزادی کی تحریکوں کو کچلنے میں مصروف تھیں اور وہ جو آزادی کے مجاہدین کے خلاف جبر و طاقت آزما رہی تھیں ان سب کے حوصلے پست ہو جاتے بلکہ غازیا کو نفسیاتی فتح حاصل ہو جاتی۔

حکومت کے چند بڑے بڑے فیصلہ ساز اور سوچ و بچار کرنے والے قلعہ کے باہر بلا لئے گئے ہوئے تھے۔جغرافیائی جنگی خدوخال غازیا کے حق میں تھے۔اس کے خلاف نئے فوجی آپریشن کا

مطلب پوری یرغمالی یونٹ کا صفایا کروانا تھا۔ فیصلہ سازوں کے سامنے آزادئی انتخاب(Freedom of choice)اور (Freedom of action) آزادئی عمل ختم ہو چکے تھے۔ دراصل غازیا کی جنگی حکمتِ عملی میں یہی کچھ تھا جو اسے حاصل کرنا تھا۔

بنیادی طور پر وہ کلاوزوٹز کے اس نظریۂ جنگ کے خلاف تھا کہ:

"جنگ میں مقاصد حاصل کرنے کے لئے دشمن کی افواج کو مکمل تباہ کر دیا جائے"۔

غازیا کی تحقیق کے مطابق یہ وہ حربہ تھا جسے عموماً تاتاری اور خصوصاً امیر تیمور اپنایا کرتا تھا اور بنیادی طور پر یہ نظریہ تھا ہی امیر تیمور کا جسے بعد میں نپولین کی جنگوں کے حوالے سے کلازوٹز نے پیش کر دیا اور غیر مسلموں نے اس مسلم جنگجو کی حکمتِ عملیوں اور نظریات کو دھندلا دینے کی شعوری جدوجہد کی اور امیر تیمور کی حکمتِ عملیاں اور نظریات جو اس کی کتاب "تزک تیموری" میں درج تھے وہ جنگی اکیڈمیوں میں جو منائی، کلازوٹز اور نپولین کے نام سے پیش کئے جانے لگے۔ یہ ایک تاریخی زیادتی تھی لیکن مغربی اقوام کا یہ نظریہ کہ "جنگ میں سب کچھ جائز ہے" کی وجہ سے جنگی ادب میں جو جو زیادتیاں کی گئیں انہیں اسی وجہ سے جائز قرار دے دیا گیا لیکن دشمن کی افواج کو جنگی حکمتِ عملی کے طور پر تباہ کرنے کے نظریہ کو غازیا بہرحال نفرت کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔اس کا نظریہ تھا کہ:

"دشمن کی فریڈم آف چائس اور فریڈم آف ایکشن کو مکمل طور پر ختم کر دیا جائے تو دشمن سے

پسند کے مقاصد حاصل کئے جاسکتے ہیں اور اسی کو وہ مکمل فتح کا نام دیتا تھا۔"

ایک بار غازیا کے ساتھیوں نے پوچھا تھا کہ:

"جنگ میں یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟

تو اس نے کہا تھا کہ:

"جنگی بصیرت خداداد صلاحیت ہے اس کا تعلق تربیت اور تجربے سے نہیں ہے۔ تربیت اور تجربہ صرف اس کی پرورش کرتے ہیں۔ اگر کسی میں یہ بصیرت نہ ہو تو اس کی پرورش نہیں کی جاسکتی اور اس کی تربیت تربیت گاہوں میں نہیں ہوسکتی۔ کسی میں اس صفت کا علم صرف میدانِ جنگ میں ہوتا ہے"۔

ساتھیوں نے پوچھا تھا کہ:

"مگر افواج میں افسران نہایت حسین جنگی نشان سینوں پر آویزاں کئے ہوتے ہیں کیا وہ جنگی بصیرت کے نشان نہیں ہوتے؟"

غازیا کے لئے یہ ایک اہم سوال تھا کیونکہ وہ ان کے بارے میں درست معلومات کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا تاہم اس نے اپنی رائے دی کہ:

"جن سپہ سالاروں نے سویت یونین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا ان کے سینوں پر ایسے نشانات آویزاں نہیں تھے"۔

اس نے پھر کہا:

''جس طرح کسی کو سریلی آواز، چہرے کے نقوش خدا کی جانب سے عنایت ہوتے ہیں ایسے ہی جنگی بصیرت عطیہ ہوتی ہے اور جب یہ کسی کو میسر آتی ہے تو وہ کم ذرائع سے دشمن کی بڑی طاقت کو بے بس کر کے اس کے لئے عمل اور انتخاب'' کے دروازے بند کر دیتا ہے۔ وہ یہ سب کچھ دشمن کی سوچوں پر کمانڈ حاصل کر کے کرتا ہے اور یہی اس کی کامیابی ہے کہ وہ دشمن کی سوچوں میں دور تک داخل ہو کر پسند کے راز پا لیتا ہے۔''

قلعہ کے قریب جمع ہو جانے والے ماہرین عجیب ورطۂ حیرت میں تھے۔ نیلا دیوی نے ہائر کمانڈ کو باور کروا دیا تھا کہ:

''غازیا کے خلاف پلان اور ایکشن ایسے کمانڈروں سے کروایا گیا جن کے بارے میں وہ بتلا چکی تھی کہ وہ غازیا کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔''

حکومت نے برسر اقتدار پارٹی اور مخالف پارٹیوں کو اعتماد میں لینے کے لئے ان کے سربراہوں کا ہنگامی اجلاس بلانے کا فیصلہ کیا جس کا انتظام اگلے چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر کر دیا گیا۔

اجلاس غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ ایسا اجلاس بھارت کی سیاسی تاریخ میں شاید ہی پہلے کبھی ہوا ہو۔ یہ اجلاس صرف دو نکاتی ایجنڈے پر مبنی تھا کہ:

"کیا غازیا اور اس کے ساتھیوں کو عام معافی دی جائے اور عبرت گاہ زمینوں سمیت ان کے حوالے کر دی جائے؟"

اس اجلاس کا انتظام وزیراعظم ہاؤس کی بجائے اک عام سی خفیہ جگہ پر کیا گیا تاکہ قومی یا بین الاقوامی مخبر ایجنسیوں میں سے کسی کو بھی اس کی خبر نہ ہو سکے۔ البتہ اس مخصوص علاقے میں ہیلی کاپٹروں کی آمدورفت معمول سے زیادہ تھی کیونکہ نہ صرف وزیراعظم، حکومت کے چند اور اہم عہدیدار بلکہ اپوزیشن پارٹیوں کے چیدہ چیدہ سربراہان کی بھی وہاں آمد تھی۔ یہ جگہ جنوبی بھارت میں غازیا والے قلعہ سے شمال مغرب کی جانب کوئی سو کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ یہ علاقہ بہت بے آباد تھا کیونکہ اسے بھارتی افواج کے پڑاؤ کے لئے مخصوص کر لیا گیا تھا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ بھارت کا یہ ٹکڑا اسرائیل کے حوالے کر دیا گیا ہوا تھا تاکہ وہ اپنے ترقی یافتہ جنگی آلات کی وجہ سے بھارت کی جانب سے پاکستان پر کڑی نگاہ رکھ سکے۔ اسی وجہ سے اس خطے کے اردگرد دور دور تک فوجی نگرانی تیز تر کر دی گئی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اس خطے میں انسان تو در کنار کسی پرندے کا بھی داخل ہونا مشکل تھا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ:

"بھارتی حکومت نے مغلوں کے زوال سے سبق نہیں سیکھا تھا یعنی مغلوں نے پہلے پہل انگریزوں کو بھارت میں داخل ہونے اور کالونیاں بنانے کی اجازت دی اور پھر وہ انگریزوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوتے رہے۔ رنگون کے قید خانے میں بہادر شاہ ظفر کو جب انگریزوں

نے طشتری میں اس کے بیٹوں کے سر پیش کیے تو اس نے کہا تھا کہ:

"یہ ظلم ہے"

انگریز آفیسر نے جواباً کہا تھا کہ:

"یہ تمہاری نا اہلی کا صلہ ہے اور یہ اس لئے کیا ہے کہ ہندوستان میں تمہارے جیسے راجے اور سردار آئندہ بلا حیل وحجت اپنی اپنی راج شاہیاں اور سرداریاں ہمارے حوالے کرتے رہیں"۔

حیرت ہے کہ بھارت نے پاکستان دشمنی میں اسرائیل کو گھر کا بھیدی بنالیا اور قومی وبین الاقوامی راز اس کے حوالے کردیئے۔ بظاہر اس حکمتِ عملی سے بھارت نے اپنے آپ کو زیادہ محفوظ و طاقتور محسوس کیا لیکن حقیقت میں اسرائیل اس علاقے کے بارے میں تمام آگاہی حاصل کرلینے کے بعد اسی خطے میں ایک اور یہودی ریاست قائم کرنے کے خواب دیکھنے لگا مگر اس کے بارے میں بھارت کو اس وقت خبر ہوگی جب بھارت پوری طرح اس کے شکنجے میں آچکا ہوگا۔

غازیا اجلت میں کوئی بھی قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا۔ وہ قیدی فوجی یونٹ کے بل بوتے پر اپنی شرائط منوالینا چاہتا تھا۔ اسے علم تھا کہ حکومت کے پاس صرف تین راستے ہیں یعنی:۔

* قلعہ پر نئے سرے سے یکبارگی حملہ کردیا جائے۔

* فوری مذاکرات کرکے اس (غازیا) کی شرائط تسلیم کرلی جائیں اور قصے کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیا جائے۔

* مذاکرات کو تعطل میں ڈال کر آہستہ آہستہ ٹالتے ہوئے زیادہ سے زیادہ وقت حاصل کرلیا جائے تاکہ اس دوران اس کے ساتھی بددل اور تھکن کا شکار ہوجائیں اور سازش و گوریلا کارروائی سے اس کا ساتھیوں سمیت خاتمہ کردیا جائے"۔

غازیا کو یقین تھا کہ حکومت اپنی بہت سی مجبوریوں کی بناء پر پہلے اور تیسرے چوائس کے لئے نہیں جائے گی۔ پہلے چوائس پر عمل کرنے کا مطلب یونٹ کی بربادی اور تیسرے چوائس کا مطلب غیر یقینی حالات کا سامنا جس کے نتائج کچھ بھی ہوسکتے تھے۔ چنانچہ وہ دوسرے چوائس کے لئے تیار تھا اور وہ انتظار کررہا تھا کہ حکومت کے نمائندے لازماً کچھ دیر کے بعد اس سے رابطہ کریں گے اور مذاکرات کی دعوت دیں گے۔ لہٰذا اس نے اپنے ساتھیوں میں سے جن کو مشیروں کا درجہ حاصل تھا انہیں بدلے ہوئے حالات کے مطابق اپنی نئی حکمتِ عملی سے آگاہ کیا۔ یہ حکمتِ عملی بہت ہی رازدارانہ تھی۔ اس کے بارے میں دیگر ساتھیوں میں سے کسی کو بھی علم نہ ہوسکا۔

رات کا اندھیرا بڑھتا جارہا تھا۔ یونٹ کے افراد مایوسی کا شکار ہونے لگے تھے۔ ان میں سے وہ جو بہت سے گھریلو مسائل میں گھرے ہوئے تھے اور جن سے غازیا کے خلاف ایکشن

مکمل کر کے طویل رخصت پر جانے کی اجازت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ اور بھی زیادہ بددل ہو چکے تھے۔ قید کی اتنی سی مختصر مدت نے ہر شخص کی شخصیت کا اصل ظاہر کر دیا ہوا تھا۔ ایک لحاظ سے یہ ان کی خوش قسمتی تھی کہ ان کا سامنا غازیا جیسے سراپا مسلمان دشمن سے تھا ورنہ امیر تیمور جیسا کوئی ہوتا تو پہلے وہ آدھی یونٹ کے سر اتار کر وزیراعظم کو بھیجتا اور اس کے بعد مذاکرات کی شرائط پیش کرتا اور ان حالات میں بھی حکومت کو لازماً مذاکرات کرنے پڑتے اور شرائط تسلیم کرنی پڑتیں تا کہ بقایا آدھی یونٹ کو بچایا جا سکے۔ ایسے ہٹ دھرم اور جاہل دشمن کو دانش کی طرف مائل کرنے کے لئے ایسا حربہ استعمال کرنا مجبوری ہو جاتا ہے اور غازیا بذاتِ خود اگلے حالات اور اگلے حربوں کے لئے تیار بیٹھا تھا کیونکہ اس کے پاس صرف ایک چوائس تھا کہ ''پسپائی اور شکست سے بچا جائے'' ورنہ اس کا ساتھیوں سمیت خاتمہ ہو جاتا۔ اس ایک نکتے کے لئے اس نے ایک کے بعد ایک حکمتِ عملی ترتیب دے رکھی تھی اور یہی اس کی عسکری بصیرت کا ثبوت تھا۔

مشیران غازیا سے ہدایت لے کر قلعے میں ادھر ادھر جا چکے تھے اور غازیا اپنے نہایت قابل اعتماد اور زیرک ساتھی سمیت بیٹھا مصروفِ گفتگو تھا کہ غازیا کو اچانک اک نیا خیال سوجھا۔ اس نے ساتھی سے یونٹ کمانڈر کو اپنے پاس لانے کے لئے کہا۔ وہ اگرچہ زخمی حالت میں تھا مگر ایسی حالت میں ضرور تھا کہ گفتگو کر سکے۔

زیرک ساتھی نے یونٹ کمانڈر کو بتلایا کہ:

''اسے غازیا نے بلایا ہے''۔

یہ لمحہ اس کے لئے نہایت ہی پر تجسس ثابت ہوا کیونکہ وہ خود بھی غازیا سے ملنے کا مشتاق تھا۔

جب اسے غازیا کے سامنے لایا گیا تو غازیا نے اپنا آدھا چہرا چھپا رکھا تھا جس کی وجہ سے وہ باقاعدہ اسے نہ دیکھ سکا۔

غازیا نے ساتھی سے کہا کہ:

''اسے پوری عزت اور احترام کے ساتھ میرے سامنے فلاں جگہ پر بٹھا دیا جائے''۔

یونٹ کمانڈر نہیں جانتا تھا کہ:

''غازیا اس سے کیا کچھ پوچھنے والا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اس پر تشدد کروا کر فوج کی ان یونٹوں کے بارے میں راز حاصل کرنے کی کوشش کرے گا جن کو کہ وقت پڑنے پر اس کی یونٹ کی مدد کرنی تھی اور اس طرح مددگار یونٹیں بھی غازیا کے ٹیکٹکس کا نشانہ بن جاتیں''۔

غازیا نے اسے اطمینان اور سکون سے بیٹھنے کو کہا۔ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد غازیا نے اسے کہا کہ:

عزیزِ من!

''ہمیں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر اس وقت تک تشدد کرنا ہے اور نہ ہی ہلاک کرنا

ہے جب تک کہ وہ اپنی حرکتوں سے خود اس کی دعوت نہ دیں اور نہ ہی آپ سے ایسے رازوں کا انکشاف کروانا ہے جنہیں اپنی طرف سے آپ نہایت مقدس جان کر اپنی قوم کی امانت سمجھتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ یاد رہے کہ ہم بھی اسی ملک کے شہری ہیں اور ہمارے بھی اسی ملک میں اتنے ہی حقوق ہیں اور ہم بھی اسی ملک کی حفاظت کو آپ سے زیادہ عزیز جانتے ہیں۔ تاہم آپ کی مددگار یونٹیں جو اس وقت فلاں فلاں جگہ پر ہیں اور ان کے یونٹ کمانڈروں کے فلاں فلاں نام ہیں وہ براہِ راست ہمارے نرغے میں ہیں۔ ہوسکتا ہے آپ ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہ رکھتے ہوں لیکن ہمیں ان کے بارے میں مکمل معلومات رکھنا ہیں تا کہ اگر ان کی جانب سے ذرا سا بھی ایکشن ہو تو ہم انہیں اور آپ سب کو فوراً ہلاک کر سکیں کیونکہ ایسے میں آپ سب کی زندگی ہماری موت کا سبب ہو گی"۔

غازیا کا پلان سن کر یونٹ کمانڈر کی آواز جیسے حلق میں اٹک کر رہ گئی ہو۔ غازیا کی حکمتِ عملی کے ہاتھوں اپنی یونٹ کی شکست سے اسے علم تھا کہ وہ مددگار یونٹوں کو ہلاک کر دے گا۔

وہ مزید حیران تھا کہ:

"غازیا کو ان کے بارے میں چھوٹی چھوٹی معلومات تک حاصل تھیں اور وہ ان کے کمانڈروں تک کے ناموں سے اور حرکات و عادات سے واقف تھا"۔

ایک لحاظ سے یہ غازیا کا حربہ تھا کیونکہ نئے حالات میں وہ مددگار یونٹوں کے بارے

میں نہیں جانتا تھا۔ مگر آپریشنل سٹرینجی اور گرینڈ ٹیکٹکس مطابق وہ جانتا تھا کہ حملہ آور یونٹ کی مددگار یونٹ بھی ہوتی ہے اور ریزرو یونٹ بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ ان کے بارے میں اس کی ساری گفتگو مقابل کے لئے قابلِ یقین تھی۔ لیکن غازیا اپنے اس حربے سے کوئی بڑا فائدہ اٹھانا چاہتا تھا جس کا ابھی تک اس کے ساتھی کو بھی علم نہیں تھا۔

یونٹ کمانڈر نے کہا:

"مگر ہم آپ کی قید میں ہیں اس لئے مددگار یونٹوں کو ہلاک کرنے کے ساتھ ہمیں کیوں ہلاک کیا جائے گا"؟

غازیا نے کہا:

"ہم زیادہ دیر تک آپ سب کا بوجھ برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر حکومت نے ٹال مٹول سے کام لیا اور اس دوران نئے حربے آزمانے کی کوشش کی تو ہم ایک جگہ ٹھہر کر اپنی ہلاکتوں کو دعوت نہیں دے سکتے۔ ہاں! البتہ زندگی اور امن کی جانب صرف ایک راستہ جاتا ہے اور وہ ہے ہماری شرائط کو من و عن تسلیم کر لینا اور ہماری شرائط میں سے کوئی ایک بھی حکومت، عوام، ملک اور آئین کے خلاف نہیں۔ یہ صرف ان حقوق کے لئے ہے جو بھارت کے موجودہ نظام نے چھین لئے ہیں اور مسلمانوں کی بستی کو "عبرت گاہ" کے نام سے محفوظ کر رکھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ عام معافی کے ساتھ اس بستی کو ہم مسلمانوں کے حوالے کر دیا جائے تا کہ ہم پھر سے

اسے آباد کرسکیں۔ بستـــــی کا آباد ہونا ملک کی خوشحالی میں اضافہ بن سکتا ہے۔ اس لئے حکومت کو ہمارا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ یونٹ کمانڈر نے ایک لمحے کے توقف کے بعد کہا:

"اگر مجھے حکومت کے کسی نمائندے سے بات کرنے کی کسی وقت اجازت مل جائے تو میں پوری قوت سے یہ شرائط ماننے کی استدعا کروں گا۔ کیونکہ ان آسان شرائط کے بدلے میں ہمیں رہائی اور زندگی مل جائے گی"۔

غازیا دراصل یونٹ کمانڈر کو حکومت کے ساتھ مذاکرات میں اسی لئے استعمال کرنا چاہتا تھا اور اس کے لئے وہ خود بخود غازیا سے قائل ہو کر اس کی شرائط کے حق میں بولنے کے لئے تیار ہو چکا تھا۔

غازیا کی تحریک کے حق میں سنیتا کی ساتھی طالبات کی جانب سے بھرپور حمایت جاری تھی اور ان کی دیکھا دیکھی طلباء نے بھی جلسوں اور جلوسوں کے ذریعے اپنی حمایت کا اظہار کر ڈالا تھا۔ غالباً اچھوتوں کے حق میں شروع کی گئی غازیا کی تحریک پہلی بار اتنی توانا ثابت ہوئی تھی۔ دور و نزدیک کے ان گنت اچھوتوں نے غازیا کے مجسمے بنوانے کی تگ و دو شروع کر دی مگر مشکل یہ تھی کہ ابھی تک اس کی کوئی تصویر یا سراپا اخبارات میں نہیں چھپا تھا اور اس کی وجہ غازیا کی حکمتِ عملی تھی کہ عوام اسکا چہرہ نہ دیکھ پائیں تاکہ پولیس یا دیگر ایجنسیوں کو اسے گرفتار کرنے یا اس کا کھوج لگانے میں کامیابی نہ ہو سکے۔

اس تحریک کی پاداش میں سنیتا فورٹ جیل میں بند کر دی گئی تھی۔ اگرچہ وہ صحافت کی طالبہ تھی اور یونیورسٹی میں وہ آخری سال کا امتحان دے کر کسی بھی اخبار کے ساتھ منسلک ہونے کی تگ ودو میں تھی لیکن جیل کے مشاہدات نے اس کی دانش کو پختہ تر کرنے میں مدد دی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سنیتا کا گھرانہ اچھوت گھرانوں میں بھی کم ترین گھرانہ سمجھا جاتا تھا اور بہت زیادہ غربت ہونیکی وجہ سے ان کی اپنی ہی برادری میں کوئی خاص عزت نہ تھی مگر اس کے ماں باپ نے سنیتا کو تعلیم یافتہ بنانے کی اپنی آرزو کی تکمیل کے بدلے میں پرلے درجے کی رسوائی اٹھائی تھی اور بڑے بڑوں کے طعنے سنتے سنتے وہ دنیا سے چل بسے تھے اسی وجہ سے یونیورسٹی کی ایک پروفیسر نے اس کے آخری سال کے امتحانات کے اخراجات برداشت کرنے میں اس کی مدد کی تھی۔ لیکن سنیتا کی غازیا کی حمایت نے اس پروفیسر کو بھی پریشان کر رکھا تھا چنانچہ اس نے سنیتا کو کہلوا دیا ہوا تھا کہ وہ مزید اس کا ساتھ نہیں دے سکے گی۔ ان حالات میں دیکھا جائے تو سنیتا کیلئے فورٹ جیل نعمت ثابت ہوئی کیونکہ عارضی طور پر اس کے رہنے اور کھانے پینے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ ان تمام حالات کو مدِنظر رکھا جائے تو سنیتا کا اچھوتوں کے حق میں ڈٹے رہنا اور تمام تشدد پسندوں کی غازیا کے خلاف جدوجہد کے مقابل آ کھڑے ہونا ایک لحاظ سے خود اپنی زندگی کو تختۂ دار پر سانس سانس کر کے لٹکتا دیکھنا تھا مگر اس نے بھی مقتل میں سر رکھ دیا تھا۔ جیل میں اس نے بھارتی فوج کے جس کیپٹن کو خط لکھا وہ اتنی ہی اونچی ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اس نے سنیتا سے

شادی کرنے کا وعدہ کر رکھا تھا اور اس وجہ سے دونوں کے درمیان پچھلے سال چھ مہینے سے خط و کتابت جاری تھی۔ کیپٹن کا خاندان معاشرتی طور پر بہت ہی عزت یافتہ تھا مگر سنیتا کا خاندان اتنا ہی رسوا شدہ تھا لیکن کیپٹن نے سنیتا سے شادی کرنے کا کیوں وعدہ کر لیا؟ یہ واقعی ایک سوچنے کی بات تھی۔ سنیتا نے اس خط میں جیسے اپنا دل نکال کر رکھ دیا ہو۔

اس نے لکھا تھا کہ:

عزیز از جاں!

تمہاری جانب سے میری جیسی لڑکی کے ہاتھ تھامنے کا وعدہ سوائے مہربانیوں کے اور کیا ہو سکتا ہے اور آپ جانتے ہیں سب قرض اتارے جا سکتے ہیں مگر محبت اور مہربانی کا قرض اتارنا بہت مشکل ہے۔

البتہ پچھلی بار آپ نے لکھا تھا کہ آپ کی یونٹ غازیا نامی باغی و دہشت گرد کی سرکوبی کے لئے تعینات کر دی گئی ہے۔ آپ کو اپنا فرض ضرور نبھانا چاہیئے لیکن مجھے اجازت دو کہ میں غازیا کی تحریک کی بھرپور حمایت جاری رکھ سکوں کیونکہ میری دعا ہے کہ اسے ناکامی نہ ہو۔ مجھے امید ہے کہ آپ کھلے ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے میری آرزو کے راستے میں رکاوٹ نہیں ڈالو گے جیسے کہ میں مشورہ نہیں دوں گی کہ آپ غازیا کے خلاف قدم نہ اٹھائیں۔ یہ ایک نظریے اور سوچ کی کشمکش ہے جس کا قطعی طور پر مقصد حکومت کے آمنے سامنے آنا نہیں بلکہ عزت اور مادی

مواقع سے اچھوتوں کا یہ محروم انسانی طبقہ جو معاشرے میں جینے کی تگ و دو میں ہے اور غازیا ان کی آواز بن کے ابھرا ہے کی حمایت کرنا ہے۔ میں سمجھتی ہوں کہ ایسے میں غازیا کی تحریک کا ساتھ نہ دینا میری جانب سے اپنے ضمیر کے خلاف ایک بڑا جرم ہوگا تاہم حکومت کو اس کی اس بات پر دھیان دینا چاہیئے کہ اگر حکومت بڑی ذات والوں کے ظلم سے اچھوتوں کو تحفظ فراہم نہیں کرسکتی تو اسے ان کی تعداد کو مدِ نظر رکھ کر کوئی ایک ریاست یا علاقہ ان کے لئے مختص کر دینا چاہیئے جہاں وہ باوقار ہو کر جی سکیں۔

مجھے آپ کا پچھلا خط کافی دیر کے بعد فلاں طالبہ کی وساطت سے ملا تھا کیونکہ میں غازیا کی حمایت میں گرفتار ہو کر فورٹ جیل میں بند ہوں اور اہلِ اختیار کے فیصلے کی منتظر ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں صحیح وقت پر آپ کو اپنی گرفتاری کے بارے میں آگاہ نہ کر سکی اس کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ زندانمیں قلم کی سہولت میسر نہیں تھی۔ مجھے یقین ہے میری اور آپ کی محبت کا بندھن نظریاتی کشمکش سے ماورا ہے جس کی وجہ سے آپ میرے نظریات سے شدید اختلافات کے باوجودانہیں رسوا ہونے سے محفوظ رکھو گے کیونکہ میں اپنے نظریات کا سہارا ہوں اور تم میرا سہارا ہو۔

تمہاری منتظر

سنیتا

غازیا کی یہ تحریک بہت جاندار تھی۔ اس کے بیانات کو بعض اخبارات جلی سرخیوں میں شائع کرتی تھیں۔ سنیتا نے بہت سے اچھوتوں کے ڈیروں میں جا جا کر انہیں غازیا کی تحریک کے بارے میں آگاہ کیا تھا۔ ان میں جو ذرا شعور والے تھے انہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں چھوٹے چھوٹے فورم بنا لئے تھے تاکہ جب بھی غازیا کی تحریک کے بارے میں مزید خبریں حاصل ہوں تو ان کے ذریعے اچھوتوں کو آگاہی حاصل ہوتی رہے۔ یہ فورم بھی دراصل سنیتا نے ہی غازیا کی اس آواز پر عمل کرتے ہوئے بنوائے تھے کہ:

''اگر اچھوت وقار سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں اپنے محلے، علاقے یا ڈیرے میں ایک ایک ایسا فورم ضرور قائم کر لینا چاہیئے جو انہیں تحریک کے فیصلوں اور پالیسیوں سے آگاہی دیتا رہے۔ ایسے میں ان کا کوئی ایک مشترکہ لیڈر آگے بڑھ کر اقلیتوں کے لئے اٹھائی گئی آواز میں اپنی آواز ملا دے تاکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے توانائی حاصل کر سکیں۔''

سنیتا غازیا کی انقلابی اور متحرک حکمتِ عملیوں کی سچائیوں اور تاثیر کو پا گئی تھی۔ اس کے جیل میں چلے جانے کے بعد اخبارات میں غازیا کی تحریک کے بارے میں خبریں، آرٹیکل یا تبصرے وغیرہ چھپنے کم ہو گئے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اچھوتوں میں جو پڑھ لکھ گئے اور ادھر ادھر جا کر انہوں نے بہتر مواقع حاصل کر لیے وہ دوسرے اپنے ہم قبیلہ لوگوں کی فلاح سے بے خبر ہو گئے اور انہوں نے غازیا کی حمایت میں آگے آنے سے انکار کر دیا اور ان میں وہ طبقہ جو

مفلوک الحال تھا ان میں ویسے ہی دم ختم نہیں تھا کہ اک نئی اور توانا زندگی حاصل کرنے کی تگ و دو کو قبول کریں چنانچہ فورٹ جیل میں سنیتا پر کئے جانے والے تشدد کی روداد تو ان تک پہنچی مگر وہ اس کے حق میں بھی کچھ کہنے سے معذور ہی رہے۔

اخبارات کے ذریعے غازیا کو یہ تو خبر تھی کہ سنیتا نامی اچھوت طالبہ نے پوری قوت سے اچھوتوں کی نجات والی اس کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور تشدد کا نشانہ بنی مگر اسے یہ علم نہیں تھا کہ اسے گرفتار کر کے کہاں لے جایا گیا۔

آخری بار کلدیپ نے دہلی کی کسی جیل میں اس کے ساتھ ہونے والے سلوک کے بارے میں غازیا کو خبر دی تھی مگر اس کے بعد وہ کہاں چلی گئی یا اسے کہاں بند کر دیا گیا اس کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں تھا۔

یونٹ کی وہ جیپ جس پر قبضہ کر کے غازیا نے دوسرے قلعے میں پہنچا دیا تھا اس میں سے جو کاغذات ملے اس میں یونٹ کمانڈر کے ساتھ قید کئے جانے والے ایڈجوٹینٹ کی ڈائری بھی تھی کہ جس میں سنیتا کا وہ خط رکھا ہوا تھا۔ اس سے غازیا سمجھ گیا تھا کہ اس کی قید میں جو کیپٹن تھا وہ سنیتا کا منگیتر تھا۔ سنیتا کے خط کے جواب میں اس کیپٹن نے جو خط لکھا تھا وہ بذاتِ خود بہت دلچسپ تھا لیکن قلعے پر حملے کی جلدی یا افراتفری میں وہ پوسٹ نہ ہو سکا تھا۔ اس کے مندرجات یوں تھے کہ:

سنیتا کے نام!

یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کا گھرانہ اچھوتوں میں بھی کمتر ہے میں نے آپ کو اپنانے کی خواہش کا اظہار کر کے ایک لحاظ سے اپنے خاندان والوں کی توہین کی تھی۔ میری آپ میں دلچسپی میرے خیال میں آپ کی شکل و شباہت تھی ناں کہ وہ نظریات جن کا اب تم نے اظہار کیا ہے۔ مجھے افسوس ہے کہ میں آپ کی سوچ اور نظریات کو سرے سے ہی مسترد کرتا ہوں اور غازیا کے لئے تمہاری حمایت میں اپنے خلاف بغاوت سمجھتا ہوں۔ ایسے میں جہاں میں غازیا کو سبق سکھانے پر مامور ہوں وہاں حکومت کی جانب سے تمہارے خلاف اٹھائے گئے اقدامات کی بھرپور حمایت کرتا ہوں اور اگر میں کامیاب ہو گیا تو جیل میں تمہارے خلاف ہوتی ہوئی انکوائری میں تمہارا یہ لکھا ہوا خط ضرور دستاویز کے طور پر پیش کروں گا تاکہ تمہیں قرار واقعی سزا ہو سکے۔

البتہ عافیت کا دوسرا راستہ یہ ہے کہ آپ اپنی سوچ بدل ڈالیں اور نیلا کے ہاتھ مضبوط کریں۔ مجھے فوری اپنے فیصلے سے آگاہ کریں۔

کیپٹن

غازیا کے دل میں سنیتا کے لئے بہت احترام پیدا ہو چکا تھا۔ جس کیپٹن نے وہ خط لکھا تھا وہ اب غازیا کی قید میں تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ غازیا نہ صرف اس کے بارے میں بہت کچھ جان گیا ہے بلکہ سنیتا کے بارے میں اسے اچھی خاصی معلومات حاصل ہو چکی ہیں۔ وہ خط سنیتا کو پوسٹ نہیں

کیا جاسکا تھا جس کی وجہ سے سنیتا کا یہی خیال ہوگا کہ کیپٹن اسے یقیناً اپنا لے گا۔ دونوں خطوط ایک دوسرے کی ضد تھے۔ یہ موقع نہیں تھا کہ غازیا ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں تجزیہ کرنے میں وقت ضائع کردیتا۔ البتہ خطوط کے پڑھنے کے بعد غازیا نے اپنے ایک ساتھی کو خاص کر ہدایت کی تھی کہ فلاں کیپٹن پر خصوصی نظر رکھی جائے اور اگر معاملہ ہلاک کرنے کا آ گیا تو اسے علیحدہ کرلیا جائے۔ غازیا نے اس وقت یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اگر مذاکرات کامیاب ہوگئے اور ساری یونٹ کو رہا کرنا پڑا تو ڈائری خطوط سمیت واپس کردی جائے۔

سنیتا کا خیال تھا کہ کیپٹن اس کے خط کے جواب میں یقیناً اس سے تعلقات ختم نہیں کرے گا بلکہ ممکن حد تک اسے اس کی سوچ کے مطابق غازیا کی تحریک کی حمایت کرنے دے گا۔ اگر غور سے تجزیہ کیا جائے تو سنیتا کی یہ سوچ انتہائی معصومانہ تھی کیونکہ بڑی ذات کا فوجی آفیسر جس نے اچھوت لڑکی کو اپنانے کی خواہش کا اظہار کیا ہو وہ قطعی طور پر مزید انقلابی قدم اٹھانے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا جبکہ اسے احساس بھی ہو کہ لڑکی کا تعلق گھٹیا خاندان سے ہے خاص کر جبکہ وہ نیلا کی خونخواری کی حمایت کرتا ہو تو وہ کیسے اپنے نظریات اور فرائض کے دشمن کی حمایت برداشت کرسکتا تھا۔ چنانچہ یہی ہوا۔

اپوزیشن پارٹیوں کے سربراہوں کے لئے یہ بڑا دلچسپ سوال تھا۔ ان میں بعض ان حالات سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ جبکہ کچھ بڑی سنجیدگی سے اس واقعہ کو تاریخی اہمیت دے رہے

تھے۔ حکومت کے نمائندے نے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ:

"اس سلسلے میں پیدا ہونے والے حالات نہایت ہی سنجیدہ و بہتر خلوص اور سوچ و بچار کا مطالبہ کر رہے ہیں اور ہم اپنے مخالفین سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس سلسلے میں قابلِ عمل راہنمائی کے لئے ہماری مدد کریں۔"

مخالفین کے سربراہ کا کہنا تھا کہ:

"حکومت نے غلط پالیسیاں اپنا کر بھارت کو کئی محاذوں پر الجھا رکھا ہے جس کے باعث ایسے واقعات پیدا ہو رہے ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہماری پارٹی قطعی طور پر کسی شخص کے لئے عام معافی کے حق میں نہیں کیونکہ ہم بھارت میں ایسے مہم جووؤں کی حوصلہ افزائی نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے اگر ایک ہزار تو کجا دس ہزار فوجیوں کی قربانی دینی پڑے تو ہمیں ہچکچانا نہیں چاہیے

اجلاس میں اپوزیشن پارٹی کے سربراہ کی جانب سے یہ عجیب منطق تھی۔

حکومتی پارٹی کے کرتا دھرتا نے جواب میں کہا کہ:

"پوری یونٹ کو یوں قربان کر دینے سے فوج میں حکومت کے خلاف بداعتمادی پیدا ہو سکتی ہے اور سوال یہ ہے کہ جن جنگی حالات کو غازیا اپنے قابو میں کئے ہوئے ہے اس میں اگر دس ہزار سپاہیوں کی قربانی کے باوجود ان سے ہتھیار نہ ڈلوائے جا سکے تو کیا ہو گا یا اگر اس کے ساتھی مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہوں تو وہ مزید گوریلا کارروائیاں کر سکتے ہیں جس سے زیادہ

نقصان کا خطرہ ہے۔ایسے میں ضدی حکمتِ عملی سے یہ حالات دشمن کے لئے تماشا گاہ بن سکتے ہیں۔"

اپوزیشن پارٹی کے سربراہ نے کہا:

"اس کی کیا گارنٹی ہے کہ غازیا عام معافی کے بعد مزید ایسی کارروائیاں نہیں کرے گا"۔

حکومتی نمائندے نے کہا:

"ہاں البتہ اس کے بارے میں اس سے مزید مذاکرات کئے جاسکتے ہیں"۔

اپوزیشن راہنما نے کہا کہ:

"غازیا کو اسی اجلاس میں لے آیا جائے تا کہ اس کے ارادوں کو بھانپ کر مزید مذاکرات کئے جاسکیں"۔

اس تجویز سے سب نے اتفاق کیا اور سرکاری ہیلی کاپٹر پر غازیا کو متعلقہ جگہ پر جا کر مذاکرات کرنے کی دعوت دی گئی۔غازیا نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کے بعد دعوت قبول کر لی اور اپنے ایک مشیر اور یونٹ کمانڈر کو بھی متعلقہ جگہ پر ساتھ ہی پہنچانے اور واپس لے کر آنے کی شرط پیش کی جسے حکومت کے نمائندے نے قبول کرلیا۔

اجلاس میں موجود لوگوں سے غازیا نے سلام کے بعد اپنا صرف اتنا تعارف کروایا کہ:

"میں غازیا ہوں"۔

اس کے انداز بڑے محترم تھے اور اس کا حلیہ وشباہت مسلم مجاہد کے تھے۔ وہ بہت پر اعتماد تھا۔ اس کے چہرے پر مکمل سکون تھا۔

حکومتی پارٹی کے سربراہ نے اسے بڑے احترام سے بیٹھنے کے لئے کہا۔ اپوزیشن پارٹی کے سربراہ نے اسے بار بار بڑے غور سے دیکھا۔ مگر اس کا آدھا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ غازیا نے دیکھنے والے کو سرسری نگاہ سے صرف ایک بار دیکھا۔

غازیا کے ساتھ اس کا ساتھی اور زخمی حالت میں یونٹ کمانڈر بھی داخل ہوئے تھے۔ اجلاس والوں کے لئے یہ باعثِ حیرت تھا۔ اس سے پہلے کہ کارروائی شروع ہو۔ غازیا نے خود ہی انہیں بتلایا کہ:

"آپ کا یہ کمانڈر فرار ہونے کی حرکت میں زخمی کیا گیا ہے ورنہ اسے ہلاک بھی کیا جاسکتا تھا اور آپ سے ملنے کی اس کی ذاتی خواہش کی بناء پر ہم اسے آپ کے سامنے لے آئے ہیں تاکہ اگر کچھ شبہات ہوں تو اسی سے معلوم کیئے جاسکیں"۔

اس سے پہلے کہ حکومتی نمائندہ غازیا سے بات کرتا۔ اپوزیشن لیڈر نے رائے دی کہ:

" پہلے یونٹ کمانڈر سے اندر کے حالات معلوم کر لئے جائیں"۔

ایک دوسرے ممبر نے کہا:

"مگر یونٹ کمانڈر اس وقت وہ بات کرے گا جو غازیا اسے پڑھا کر لایا ہے"۔

یونٹ کمانڈر نے بے ساختگی سے کہا"۔

"یہ غلط ہے۔ میں صرف آپ کو اتنا بتلاتا ہوں کہ حالات مکمل طور پر ہمارے خلاف ہیں اور اگر جلد فیصلہ نہ ہوا تو ہماری یونٹ سمیت دیگر دو یونٹیں ہلاک ہو جائیں گی"۔

ایک اور ممبر نے کہا:

"آپ کو اس کے بعد بولنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ صرف حکومت کے نوکر ہیں۔ آپ کو مذاکرات کے لئے نہیں بلایا گیا اور یہ فیصلہ ہمیں کرنا ہے کہ تمہیں مرنے دیا جائے یا زندہ رہنے دیا جائے۔ ہم آپ سے زیادہ حالات کی خبر رکھتے ہیں اور آپ جیسے شکست خوردہ کمانڈر کی رائے ہمارے لئے قابلِ عزت نہیں۔ آپ مہربانی فرما کر اپنے لب نہ ہلنے دیں تو بہتر ہوگا۔"

یہ سرزنش سن کر یونٹ کمانڈر سہم گیا مگر غازیانے اس ممبر کو دیکھ کر کہا:

محترم!

"آپ اس وقت جس سے مخاطب ہیں وہ شخص میرے ساتھ آیا ہے اور میرا ساتھی ہے۔ اس کا احترام قائم رکھنا میری ذمہ داری ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ حکومت نے آپ کو اس اجلاس کا ممبر بنا کر بہت زیادہ دانشمندی کا اظہار نہیں کیا۔ اس لئے کہ آپ ابھی تک موجودہ طاری حالات کو سمجھنے سے قاصر ہیں اور اگر آپ کا یونٹ کمانڈر آپ کو حالات سے آگاہی دے رہا ہے تو

آپ کو اس کا شکر گزار ہونا چاہیئے۔"

با قاعدہ گفتگو سے پہلے ان تلخ سے مکالمات کا تبادلہ حالات میں تلخی پیدا کرنے کے لئے کافی تھا اور یہ تلخی غازیا کی مذاکرات کے ٹیکٹکس کا حصہ تھی تا کہ اجلاس کے ممبران کو انتہائی مشتعل کر کے ایسے مقام پر لا کر چھوڑا جائے جہاں وہ جذباتی طور پر دو حصوں میں تقسیم ہو کر کوئی فوری فیصلہ کریں اور غازیا کو یقین تھا کہ:

"ایسے میں جو فیصلہ ہوا وہ اس کے حق میں ہو گا۔ کیونکہ بھنور میں گھرا ہوا شخص پہلے ڈوبنے سے بچنے کے بارے میں سوچتا اور تگ و دو کرتا ہے۔ وہ اس کا فیصلہ بعد میں کرتا ہے کہ دھکا دینے والے سے مستقبل میں دوستی کر لی جائے یا دشمنی بڑھا لی جائے"۔

ممبرانِ اجلاس کا بہت زیادہ جذباتی ہو جانا بھی گرداب میں پھنسے ہوئے اس شخص کے مترادف تھا اور جتنی تیزی سے وہ ہاتھ پاؤں مار کر نکلنے کی کوشش کرتا ہے اتنی ہی تیزی سے یہ بحران سے نکلنے کی کوشش کرتے اور غازیا اسی ٹیکٹکس کو لے کر گفتگو کا اسی بہانے آغاز کر چکا تھا۔

اپوزیشن لیڈر کو وہاں دیکھ کر وہ اور بھی زیادہ مطمئن اور با اعتماد ہو گیا تھا کیونکہ وہ فوراً محسوس کر گیا تھا کہ:

"حکومت اپوزیشن سربراہ کو اجلاس میں بلا کر اس واقعہ کے حوالے سے اپنے آپ کو دلدل میں پھنسا بیٹھی ہے۔ تب اس نے اپوزیشن سربراہ کو زیادہ سے زیادہ مشتعل کرنے کا تہیہ کر لیا تا کہ

حکومتی نمائندوں سے مذاکرات آسان ہوسکیں"۔

بہر حال حکومتی نمائندے نے وقت ضائع کئے بغیر اور کسی بھی تمہید کے بغیر اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

غازیا!

"ہم آپ کی پیش کی ہوئی شرائط کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنے کی کوشش کررہے ہیں تاکہ کسی بڑے المیے سے بچا جاسکے"۔

اس نے مزید کہا کہ:

"ہمارے سامنے اہم سوال یہ ہے کہ "عام معافی" دیے جانے اور "عبرت گاہ" کو زمینوں سمیت آپ کے حوالے کئے جانے کے بعد ہم کیسے یقین کرلیں کہ آپ کی جانب سے مزید ایسی کارروائیاں نہیں ہوں گی۔"

غازیا نے کہا:

معززین!

"یہ حالات میرے پیدا کردہ نہیں۔ یہ آپ کے پیدا کردہ ہیں۔ جب آپ یہ حالات ختم کر دیں گے تو منطقی طور پر ہمارے پاس مزید کارروائیاں کرنے کا کوئی جواز نہیں ہوگا اور ہم نسبتاً بہتر شہری ثابت ہوں گے۔اس لئے اس کی سب سے بڑی گارنٹی آپ کی پالیسیاں، رویّہ اور

طریقۂ کار ہوگا"۔

اپوزیشن راہنما نے طیش میں آتے ہوئے کہا:

"حکومت کی پالیسیوں کو اک عام گیا گزرا شہری چیلنج نہیں کرسکتا"

غازیا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔اس نے جواباً ادب سے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

جناب والا!

"اپوزیشن کا بہترین کردار یہ ہے کہ وہ حکومت کی ان پالیسیوں کو جو عوام کے خلاف تیار ہوں ان پر احتجاج کرے مگر آپ نے یہ نہ کر کے عوام سے غیر مخلص ہونے کا ثبوت دیا ہے۔ جس کی وجہ سے میرے جیسے عام شہری کو وہ طریقۂ کار اختیار کرنا پڑا جس کے لئے ہم سب یہاں بلائے گئے ہیں۔ایسے غیر مخلص لوگوں کی نسبت حکومت کے نمائندے زیادہ سمجھدار معلوم ہوتے ہیں جو حالات کو بگڑنے سے بچانا چاہتے ہیں۔"

غازیا کی گفتگو بڑی مدلّل مگر کاٹ کرنے والی تھی۔اجلاس میں موجود سبھی لوگ اس گفتگو کے بعد سنبھل گئے کہ جس سے مخاطب ہیں وہ ان سے زیادہ دانش کا مالک ہے۔غازیا کی جانب سے ایک لحاظ سے یہ سخت گفتگو تھی جس کا سامنا کرنے کے لئے اپوزیشن راہنما پہلے سے تیار نہیں تھا۔ ابھی تک وہ لمبی لمبی تقریروں میں صرف حکومت کو کوسنے دینے کے طریقوں پر عمل پیرا تھے مگر

غازیانے پہلی بارانہیں غیر مخلص ثابت کیا تھا۔

اپوزیشن راہنمانے کہا:

"مگر آپ بتلائیں کہ حکومت نے کون سی ایسی پالیسی بنائی ہے جس کے خلاف آپ کو احتجاج کرنا پڑا"۔

غازیانے کہا:

"اس سلسلے میں حکومت بہتر جانتی ہے اور وہ بعد میں آپ کو اعتماد میں لے سکتی ہے۔ فی الحال ہمیں فوری کسی نتیجے پر پہنچنا ہے"۔

حکومتی نمائندے نے کہا:

پھر بھی آپ کی جانب سے مزید کارروائیاں نہ کرنے کی اور کیا یقین دہانی ہو سکتی ہے۔

غازیانے کہا:

میرا جواب وہی ہے"

"البتہ اگر آپ ہماری شرائط مان لیتے ہیں تو آپ کو یقیناً ان پر عمل درآمد کے سلسلے میں ہمیں واضح گارنٹی دینی ہوگی"۔

اجلاس میں موجود لوگ غازیا کے اس کاؤنٹر سوال سے دم بخود رہ گئے۔ ایک لحاظ سے وہاں چند لمحوں کا سکتہ طاری ہو گیا۔ وہ سب لوگ بار بار ایک دوسرے کی جانب دیکھ رہے تھے۔

سرکاری نمائندے نے سکوت توڑتے ہوئے کہا:

"حکومت کی جانب سے یہی گارنٹی ہوتی ہے کہ وہ اپنے فیصلے کا اعلان کردے لہٰذا مزید گارنٹی کی ضرورت نہیں۔"

غازیا نے کہا:

"اس ملک کا شہری ہونے کی وجہ سے مجھے علم ہے کہ ہماری حکومت اور ہماری اپوزیشن پارٹیاں کس حد تک اپنے وعدوں اور فیصلوں کو نبھاتی ہیں۔ تا حال ہمیں ایسی حکومت اور ایسے سربراہ کا انتظار ہے جس کے فیصلوں پر بھروسا کیا جاسکے۔ چنانچہ ہمیں اس سلسلے میں معذور سمجھیں۔ ہم بغیر گارنٹی کے آپ کے فیصلوں پر یقین نہیں کرسکیں گے۔"

اجلاس میں موجود ایک نمائندے نے کہا:

"آپ کی جانب سے یہ ریمارکس ایک لحاظ سے توہین آمیز ہیں"۔

غازیا نے کہا:

"مگر اس وقت ہم حالتِ جنگ میں ہیں۔ آپ چاہیں تو ہماری شرائط مسترد کرکے ہمارے خلاف پسند کے توہین آمیز فیصلے کرسکتے ہیں"۔

اجلاس میں موجود ایک اہم شخص نے جذباتی ہوکر کہا:

"شاید آپ نہیں جانتے کہ اگر آپ کو حالتِ جنگ میں رہنے کا اتنا ہی شوق ہے تو ہم ایک ہزار تو

کیا بھارت کے لئے دس ہزار سپاہی بھی قربان کر سکتے ہیں"۔

غازیا نے کہا!

"مگر یہ فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔ ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں"

مذاکرات مشکل ہوتے جا رہے تھے۔ اجلاس میں موجود نمائندے ابھی تک حالات کو سمجھنے سے قاصر تھے اور ان میں سوائے حکومتی نمائندے کے دیگر اصحاب اس اجلاس کو روزانہ کی بے مقصد میٹنگوں کی طرح لے رہے تھے۔

غازیا نے اٹھتے ہوئے کہا:

معززین!

"مجھے افسوس ہے کہ اپنے ہی ملک میں ہمیں نئے سرے سے گولیوں کی زبان میں ایک دوسرے کو سمجھنا پڑے گا۔ میرے لئے آپ سے مزید گفتگو لا حاصل ہے۔ کیونکہ میں ساتھیوں سے بہت زیادہ وقت نہیں لے کر آیا۔ البتہ اگر آپ کو شرائط قبول ہوں تو نہ صرف ان کا اعلان کیجیے بلکہ گارنٹی کے طور پر نیلا دیوی کا بیٹا تین سال کے لئے اور اپوزیشن راہنما کا پچیس سالہ بیٹا ایک سال کے لئے ہمارے حوالے کرنے ہوں گے۔"

غازیا نے حکومتی نمائندے سے کہا کہ:

"براہِ کرم پائلٹ کو بتلائیں کہ وہ آپ کے ہیلی کاپٹر پر ہمیں واپس لے جائے"۔

اجلاس میں موجود نمائندے اب جا کر چونکے۔ وہ چاہتے تھے کہ غازیا سے ''کچھ لو کچھ دو'' کی بنیاد پر مزید بات آگے بڑھے مگر غازیا ان کی منطق کو مسترد کر کے باہر نکل رہا تھا۔

اپوزیشن راہنما نے کہا:

''یہ کیسے ممکن ہے کہ میں تمہیں اپنا بیٹا دوں؟''

غازیا نے جاتے ہوئے مڑ کر کہا کہ:

''ایک بار پھر تاریخ کا مطالعہ کیجیے۔ ٹیپو نے آپ لوگوں کی آزادی کے لئے اپنے بیٹے گارنٹی کے طور پر دیئے تھے۔آپ نے آج تک اس کی قدر نہیں کی۔ جب آپ اپنے بیٹے گارنٹی کے طور پر دیں گے تو آپ سب بھارت کی تاریخ اور تاریخِ عالم کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے۔''

غازیا یہ کہہ کر باہر نکل گیا۔ وہ یونٹ کمانڈر اور ساتھی سمیت سوار ہو کر واپس آ گیا۔

غازیا جان بوجھ کر کچھ سوالات اور کاؤنٹر شرائط دے کر آیا تھا۔ یونٹ کمانڈر نے جو کچھ بے ساختگی میں کہا تھا اس نے حکومتی نمائندے کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ کمانڈر صحیح بات بتلا گیا تھا اور حکومت کو وقت ضائع کئے بغیر شرائط وکاؤنٹر شرائط ماننا ہی تھیں ورنہ غازیا کی جانب سے دیا گیا مختصر وقت تقریباً ایک ہزار فوجیوں کی ہلاکت کا سبب بنتا اور نتائج کے طور پر ملکی ہنگاموں اور عوام کے احتجاجات کی وجہ سے حکومتی پارٹی کو اقتدار سے ہاتھ دھونے پڑتے۔

حکومتی نمائندے نے اپوزیشن لیڈر سے استدعا کی کہ:

"وہ وزیرِ اعظم سے اس کی فوری ملاقات میں اس کا ساتھ دے تا کہ آئندہ لمحات ضائع نہ ہوسکیں"۔

اجلاس کے ممبران اب سکتے کی حالت میں تھے۔ ان کے جوش و جذبے راکھ میں بدل چکے تھے اور وہ ہر صورت غازیا سے یونٹ کی جان چھڑانا چاہتے تھے۔

وزیرِ اعظم بھی ابھی تک جاگ رہا تھا اور لمحہ لمحہ حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کر رہا تھا۔ صدر سے بھی اس کا مسلسل رابطہ تھا۔ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ انہیں اطلاع دی گئی کہ:

"حکومتی نمائندے اور اپوزیشن راہنما مذاکرات کے نتائج کے حوالے سے ان سے فوری ملنا چاہتے ہیں"۔

ملاقات پر حکومتی نمائندے نے انہیں ساری روداد سے آگاہ کر دیا۔ وزیرِ اعظم نے کچھ دیر سوچنے کے بعد صدر کو بھی حالات سے آگاہ کر دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ صدر صاحب بھی اسی انتظار میں تھے کہ حالات کون سی کروٹ لیتے ہیں۔ یہ حالات پہلے کی نسبت زیادہ مشکل ہو چکے تھے کیونکہ نئی شرائط میں اپوزیشن سربراہ کا بیٹا بھی یرغمالی کے طور پر مانگا گیا تھا۔ وزیرِ اعظم بہت ہی زیرک و دانش مند انسان تھے۔ انہیں غازیا کی یہ شرائط اپنے حق میں محسوس ہوئیں کیونکہ اس طرح وہ سربراہ آئندہ حکومت کے خلاف پراپیگنڈے سے اجتناب کرتا۔ اس ایک احساس سے وزیرِ اعظم نے غازیا کی شرائط پر کھلے دل سے غور کر کے ماننے کا تہیہ کر لیا۔

وزیراعظم نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا کہ:
جنٹلمین!
"میں ذاتی طور پر غازیا کی شرائط تسلیم کرنے کے حق میں ہوں البتہ ان کی منظوری صدر صاحب سے تو لینی ہی ہے لیکن اپوزیشن سربراہ سے میری اپیل ہے کہ اس نازک موقع پر بحران سے نکلنے کے لئے ہمارے ساتھ مل کر کام کریں اور اپنے بیٹے کو غازیا کے حوالے کر دیں جس کی حفاظت کی ذمہ داری اور گارنٹی میں دیتا ہوں اور اس کے ساتھ ہی وہ نیلا کو بھی راضی کریں تا کہ ابھرنے والے حالات کسی تماشے اور المیے میں بدلنے کی بجائے سلامتی کا رخ لے سکیں"۔
غازیا کو دیکھنے، اسے سننے اور ملنے کے بعد تو اب اپوزیشن کا راہنما بھی یہ جان گیا تھا کہ حالات صرف حکومت کے ہی خلاف نہیں بلکہ ان کے خلاف بھی ہو چکے تھے کیونکہ اگر وہ اپنا بیٹا ان کے حوالے نہ کرتا اور یونٹ ہلاک کر دی جاتی تو حکومت بجا طور پر اس کا ذمہ دار اپوزیشن کو ہی ٹھہراتی۔
چنانچہ اس کی حالت بھی ایک پھڑ پھڑاتی ہوئی چڑیا کی مانند ہو چکی تھی اپوزیشن سربراہ نے کہا:
جناب عالی!
"غازیا کو میرے بیٹے کی بجائے کسی اور پیشکش کے لئے راغب کیا جائے۔ بیٹے کا ان کی تحویل میں دیا جانا ہزاروں وسوسوں کو جنم دیتا ہے اور میں اس عمر میں اس صدمے سے دو چار ہونے کے

لئے تیار نہیں۔"

اس نے مزید کہا کہ:

"ایک بار پھر میری غازیا سے بات کروائی جائے اور میں اسے قائل کروں گا کہ وہ اس شرط کو چھوڑ دے اور اس کے بدلے میں ہم سے کوئی اور گارنٹی لے لے"۔

حکومتی نمائندے نے کہا:

مگر وقت کم ہوتا جا رہا ہے۔ ہمیں مزید اس کے لئے وقت نہیں ملے گا۔

وزیراعظم نے کہا:

"لیکن نیلا کو فوراً قائل کرنے کی کوشش کی جائے"

چنانچہ کچھ ہی دیر بعد نیلا کو ایوانِ وزیراعظم میں لے آیا گیا۔ وزیراعظم نے اسے مناسب احترام اور پروٹوکول دینے کے بعد کہا کہ:

محترمہ!

"مسلمانوں کے خلاف آپ کی جدوجہد کو میں عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور ملک سے باہر و ملک کے اندر انہیں ہلاک کرنے میں جو جو آپ نے کیا ہے وہ بھی تاریخ کا حصہ ہے"۔

بہر حال آپ نے غازیا کے خلاف جو مہم شروع کر رکھی ہے۔ اس کے نتائج فی الحال ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں اور ہم اس کی کاؤنٹر حکمتِ عملی کے شکنجے میں آ چکے ہیں اور

غازیا کی نئی شرائط کے مطابق آپ کو اپنا بیٹا یرغمالی کے طور پر اس کے حوالے کرنا پڑے گا۔

بصورتِ دیگر ہمیں یونٹ کی ہلاکت کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

نیلا یہ سب کچھ سن کر چند لمحے خاموش رہی۔ تب اس نے وزیراعظم سے استفسار کیا کہ:

جناب عالی!

اس کی نئی شرط میں اور کیا کچھ ہے۔

اس سے پہلے کہ وزیراعظم کچھ کہتا اپوزیشن راہنما نے کہا:

”اسے میں اپنا بیٹا نہیں دوں گا“۔

نیلا نے کہا:

کیوں؟

اس نے کہا:

”یہ مہم تم لوگوں نے شروع کی تھی اور اس کا خمیازہ تم لوگ ہی بھگتو“۔

نیلا نے کہا:

”مسلمانوں کو ہلاک کرنے کی آشیرواد آپ نے بھی دی تھی۔ اس لئے بیٹا تمہارا بھی دیا جائے گا“۔

وزیرِ اعظم نے کہا:

”مگر وقت کم ہو رہا ہے اور حالات وہیں ہیں۔ فیصلہ سناؤ کہ اس وقت کیا کرنا ہے“۔

نیلا نے کہا:

جناب عالی!

اس کی دیگر شرائط کے بارے میں آپ کیا کر رہے ہیں۔

وزیر اعظم نے کہا:

”ہم انہیں من و عن تسلیم کر رہے ہیں۔“

نیلا کے غصے اور جوش میں ہونٹ کانپنے لگے۔اس نے غصیلی آواز میں کہا:

تو جناب عالی:

پھر مجھے غازیا کے خلاف مہم جاری رکھنے کی اجازت دی جائے اور حکومت و اپوزیشن پوری طاقت سے میری مدد کرتی رہیں۔

اپوزیشن راہنما نے کہا:

”میں اپنا بیٹا نہیں دوں گا مگر وعدہ کرتا ہوں کہ میں ساتھ دوں گا“۔

نیلا کچھ دیر تک خاموش رہی۔

پھر اس نے کہا:

”آئندہ میری جنگ غازیا سے کسی اور طریقے کے مطابق ہوگی اور تب مسلمان اس سے عبرت

حاصل کریں گے اور ہمارے سامنے اپنی گردنیں نیچی رکھا کریں گے"۔

وزیرِ اعظم نے صدر کو اعتماد میں لیا اور شرائط کے تسلیم کرنے کے بارے میں انہیں آگاہ کیا۔ صدر نے تفصیلی گفتگو کے بعد شرائط کے ڈرافٹ کو منظور کرنے کی منظوری دے دی اور اپوزیشن سربراہ کو حکومتی نمائندے کے ساتھ نیلا کا بیٹا دے کر قلعے کے اندر جا کر غازیا سے گفتگو کرنے کی اجازت دے دی۔

نیلا قلعے کے باہر کھڑے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی اور اسے یونٹ کمانڈر کی بزدلی اور جہالت پر رہ رہ کر طیش آ رہا تھا۔ نیلا کے مسلح ساتھی نیلا کے اشارے پر ہر وقت جان دینے کے لئے تیار کھڑے تھے۔

اس نے ان سب سے مخاطب ہو کر کہا کہ:

"اس وقت میری نگاہ میں صرف اسی کی عزت ہے جو غازیا کو ہلاک کر دے گا"۔

نیلا کا جی چاہا کہ وہ بھی جانے والوں کے ساتھ قلعے کے اندر داخل ہو کر عین اس وقت غازیا کو مار ڈالے جب وہ شرائط ماننے والے وفد سے بات کر رہا ہو۔ یہ وفد نیلا کے پاس کھڑا قلعے کے اندر جانے کے لئے نگہبان کا انتظار کر رہا تھا جسے صدر کا پیغام دے کر بھیجا تھا تا کہ وہ غازیا سے ان کے قلعے کے اندر داخل ہونے کی اجازت لے کر آئے۔

نیلا نے اپنے ایک ساتھی کو اشارتاً بتلایا کہ:

"اگر غازیا باہر آکر مذاکرات کرے تو اس پر گولی چلا دی جائے اور اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا جائے اور اگر اسے ساتھ جانے کا موقع ملے تو یہی کچھ وہاں جا کر غازیا کے ساتھی سے بندوق چھین کر کرے۔"

نیلا کا حکم سن کر اس کا ساتھی ہر لحاظ سے تیار کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا کہ جو نگہبان اندر گیا تھا وہی باہر آ رہا تھا۔

اس نے آکر وفد کو بتلایا کہ:

"اسے غازیا نے اپنی نمائندگی کرنے کے لئے بھی کہا ہے"۔

حکومتی نمائندے نے سب سے پہلے صدر کی جانب سے شرائط کے تسلیم کئے جانے کا ڈرافٹ اس کے حوالے کیا اور ساتھ نیلا کے بیٹے کو بھی دینے کی پیشکش کی اور بتلایا کہ اپوزیشن راہنما اپنا بیٹا حوالے نہ کرنے کے لئے خود غازیا سے اپیل کرے گا۔

اپوزیشن راہنما نے کہا کہ:

"غازیا کو بتلائیں کہ اس کی شرائط پر حکومت کی جانب سے عمل کرنے کی میں ذاتی گارنٹی دیتا ہوں اور میں کیونکہ اس وقت عمر کے اس حصے میں ہوں کہ بیٹے کی جدائی برداشت نہیں کر سکتا اس لئے غازیا اس شرط کو واپس لے کر دیگر جو کچھ تسلیم کر لیا گیا ہے اس پر اکتفا کرے"۔

نگہبان نے کہا کہ:

غازیا نے اسے بتلایا ہے کہ ''اپوزیشن راہنما اپنا بیٹا نہیں دے گا لیکن نیلا کا بیٹا لے لیا جائے۔
البتہ اس کے بدلے میں یونٹ کے ایڈ جوٹینٹ سمیت چند ایک افسران اور چند جوان ہمارے پاس یرغمال رہیں گے اور ہم باقیوں کو رہا کردیں گے۔ یہ اس وقت تک ہوگا جب تک بستی آباد ہونا شروع نہیں ہو جاتی اور اس کے لئے آج کی تاریخ اور اسی وقت سے لے کر اگلے سال کی یہی تاریخ اور یہی وقت ہوگا کہ جب سوائے نیلا کے بیٹے کے انہیں بھی رہا کر دیا جائے گا۔
بشرطیکہ حکومت یا اپوزیشن کی جانب سے کوئی ایسی کارروائی نہ ہو جو ہمیں اِن کو ہلاک کرنے کے لئے اکسائے اور ساتھ ہی یونٹ سے چھینا گیا اسلحہ بھی تا حال ہم اپنے پاس رکھیں گے تاکہ نیلا کی جانب سے متوقع کاروائی کا جواب دیا جاسکے''۔
وفد نے غازیا کی جانب سے دی گئی شرائط کو قبول کرلیا۔
عبرت گاہ ساحل مالا بار کے شمال مغرب میں نیل گری کی پہاڑیوں سے دور دریائے کرشنا کے پاس تھی۔ حکومت کے وعدے کے مطابق غازیا اور اس کے ساتھی اس ویرانے کے مالک ہو چکے تھے۔ غازیا نے چند افسران اور جوانوں کو روک کر باقی ساری یونٹ کو رہا کر دیا ہوا تھا۔ ساحلی علاقہ جو دو چار روز پہلے میدان جنگ تھا اب اترے ہوئے طوفان والے سمندر کی طرح پر امن اور پرسکون تھا۔
غازیا نے طے کیے گئے طریقِ کار کے مطابق تمام افراد کو جو کہ مسلمان ہو چکے تھے نئی بستی کی

جانب کوچ کا حکم صادر کر دیا۔ اس قافلے کی روانگی عبرت گاہ کی جانب دیدنی تھی۔

غازیا کے تمام ساتھی مرد اور عورتیں پہلے اچھوت، شودر اور ہریجن تھے مگر اب وہ مسلمان ہو کر محترم ہو چکے تھے۔ وہ انسان ہونے کے ناطے دنیا کے ہر انسان کے برابر تھے۔ اس کائنات میں ان سے زیادہ کوئی بھی محترم نہیں تھا۔ کوئی اپنی نسل، رنگ، قبیلے یا ذات کی وجہ سے ان سے زیادہ محترم اور باوقار ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔ یونٹ سے چھینا گیا اسلحہ بھی غازیا کے قبضے میں تھا جسے وہ ایک مخصوص مدت تک اپنے پاس رکھنے کا وعدہ لے چکا تھا کیونکہ نیلا نے دشمنی جاری رکھنے کا اعلان کر دیا ہوا تھا اور اسی کی وجہ سے غازیا نے ساتھیوں سمیت اسلحہ بند رہنے کے اپنے فیصلے سے حکومت کو آگاہ کر دیا ہوا تھا۔ دوسری جانب حکومت نیلا کے خلاف کوئی بھی قدم اٹھانے سے گریزاں تھی مبادا کہ اسے کٹر اور تشدد پسند ہندوؤں کے غیض و غضب کا سامنا کرنا پڑے چنانچہ مصلحت کے تحت حکومت نے بھی ان حالات سے سمجھوتا کر لیا تھا اور ویسے بھی وہ علاقہ جنوبی ہندوستان کی اس جانب تھا جہاں سے وہ مرکزی بھارت یا دیگر ریاستوں پر یا عوام پر کسی بھی طور پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا اور نہ ہی وہاں پیدا ہونے والے معمولی قسم کے واقعات بھارت کی عوام کی توجہ کھینچ سکتے تھے۔ چنانچہ غازیا کے اس وعدے کو سامنے رکھ کر کہ:

”جب تک اسے اور اس کے ساتھیوں کو ہتھیار اٹھانے پر مجبور نہ کیا گیا وہ بہترین شہری ثابت ہونگے کی بناء پر مطمئن ہو چکی تھی“۔

ویسے بھی اگلی حکمتِ عملی کے تحت حکومت نے تہیہ کرلیا کہ بجائے نیلا کی واضح طرف داری کے بہتر ہے کہ اگروہ ہتھیار اٹھائیں تو آپس میں لڑ بھڑ کر خود ہی ختم ہو جائیں اور حکومت ملوث ہوئے بغیر وہاں کے مسلمانوں کا خاتمہ کروادے ۔ یہ قافلہ تقریباً دو دن کے بعد عبرت گاہ کی جانب رواں دواں ہوا تھا۔ تمام ساتھی اپنا تمام تر سامان و مویشی ساتھ لئے ہوئے تھے۔ غازیا کے حکم کے مطابق عبرت گاہ کے باہر ایک مخصوص عرصے تک پڑاوُ ڈالا جانا تھا۔ عورتیں اور بچے شاداں تھے کہ وہ بستی کے مالک بن جائیں گئے اور وہ بھی ملک کے ان انسانوں کی طرح رہ سکیں گے جنہیں چھت نصیب ہوتی ہے۔ ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ ان کے بیٹے اور جوان موت کی وادیوں سے کامران واپس لوٹے تھے۔ انہوں نے جس بغاوت کا آغاز کیا تھا وہ ان سب کو جلا کر راکھ کرسکتی تھی۔

یہ بغاوت نہ صرف حکومتِ وقت کے ان کارندوں کے خلاف تھی جو نیلا کی پالیسیوں کی پرورش کرر ہے تھے بلکہ یہ دھرم کے خلاف بھی تھی جسے چھوڑ کر وہ برابری کی آرزو میں مسلمان ہو چکے تھے۔ یہ تقریباً پانچ سو گھرانے تھے جو مسلمان ہوئے تھے۔ جب جب وہ قافلہ عبرت گاہ کے قریب پہنچتا۔ اللہ اکبر کی آوازیں بلند ہوتی جاتیں۔ غازیا سب سے آگے آگے تھا۔ اس کا سر اور چہرہ گرد سے اٹ چکے تھے۔ اس کا لباس مٹی میں مٹی کی طرح ہی ہو چکا تھا۔ وہ اللہ کے احکام کو نافذ کرنے کا جنون لئے اس جانب تیز تر گامزن تھا۔ اس کی نگاہوں میں آخری پیغمبر ﷺ کی مدینہ

بستی کا جلوہ روشن تھا۔ وہ بہت جلد عبرت گاہ کو زمین پر فردوسِ اسلام میں بدل دینا چاہتا تھا اور مدینہ کی حفاظت و خوشحالی کے لئے آخری پیغمبر ﷺ کی طرف سے کی گئی جدوجہد کی جانب نظر جاتے ہی اس کی زبان سے پوری قوت سے نعرۂ تکبیر کی جلالی آواز ابھرتی اور پورا قافلہ اس کی آواز میں آواز ملا کر "اللہ اکبر" کی صدا سے فضاؤں میں لرزا طاری کر دیتا۔ یہ عجیب منظر تھا غازیا اور اس کے ساتھی اپنے خوابوں کی سرزمین کی جانب بڑھے جا رہے تھے۔

فضائیں خاموش تھیں آسمان عجیب منظر دیکھ رہا تھا۔ اس سرزمین پر حملہ آوروں کی تلواروں کی جھنکار تو اس نے کئی بار دیکھی تھی مگر ایک عبرت گاہ کو گہوارۂ اسلام بنانے کے لئے جانبازوں اور جانثاروں کا جوش و ولولہ وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا اور یہ لوگ بھی جو پہلے کبھی غیر مسلم تھے بلکہ دشمنانِ اسلام تھے اور اب حالت یہ تھی کہ بچے، بوڑھے، عورتیں سبھی اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اس بستی کی جانب بڑھ رہے تھے۔ دنیا نے اسے عبرت گاہ قرار دیا تھا مگر یہ اسلام کے بیٹے اور بیٹیاں یہ ثابت کرنے جا رہے تھے کہ جس طرح سورج کو ختم کرنا انسان کے بس میں نہیں ایسے ہی اسلام کو ختم نہیں کیا جا سکتا اور جیسے سورج غروب ہو کر اگلی صبح پھر وہیں سے طلوع ہوتا ہے جہاں سے پہلے طلوع ہوا تھا ایسے ہی مسلمان برباد ہو کر پھر اک نئے عزم و توانائی سے جلوہ افروز ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ان کے ہاتھوں میں ہمیشہ قائم و دائم رہنے والا نسخہ اسلام ہے۔

سارے قافلے کو ٹرکوں نے پیچھے ہی اتار دیا کیونکہ عبرت گاہ کے دور و نزدیک چھوٹے

کانٹوں بھرے جنگلات ابھر آئے تھے۔ اسے اور اس کی زمینوں کو منحوس قرار دے کر اسے صرف کمزور عقائد والے جادو، ٹونے، ٹوٹکے وغیرہ کے لئے استعمال کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اگر دشمن کی بربادی مقصود ہوتی تو جادو کرنے والے یا جوتشی لوگ وہاں کی مٹی لے جا کر دشمن کے گھر میں پھینکنے کی ہدایت کرتے۔

عبرت گاہ کے لئے بس وہی ایک راستہ تھا جس پر پہلے پہل کبھی غازیا آیا تھا اور جس پر ملاح اور اس کے بیٹے کا آنا جانا تھا اور یہ راستہ تنگ اور اونچا نیچا تھا مگر یہ راستہ شمال کی جانب سے آتا تھا۔ دوپہر ہو چکی تھی۔ دن روشن تھا غازیا نے سارے قافلے کے جوانوں کو حکم دیا کہ موجودہ برباد شدہ راستے کو نئے سرے سے استعمال کے قابل بنا لیا جائے تا کہ وہاں تک پہنچنے میں آسانی ہو۔ پہلی کدال غازیا نے اللہ کا نام بلند کرتے ہوئے چلائی اور پھر اس کے ساتھ اڑھائی تین ہزار انسان پوری قوت سے اس راستے پر سوار ہو چکے تھے اور اس کے کانٹوں اور پتھروں کو مسلتے ہوئے ریزہ ریزہ کر رہے تھے۔ غازیا پورے جنون میں راستہ بناتا جا رہا تھا اور آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ معلوم نہیں اتنی طاقت کہاں سے ان انسانوں میں آ گئی تھی۔ صرف یہ ہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ جنون و عشق جو اللہ کے احکام کو عمل میں لانے کے لئے اختیار کیا جائے اس کے لئے "بدر" کی طرح ضرور فرشتوں کی مدد آ نکلتی ہے کیونکہ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ کدال پہ کدال چل رہے تھے اور پتھر موم ہو کر گر رہے تھے۔ راستہ ان جانبازوں کو راستہ دے رہا تھا ایسا کہ جیسے نیل گگن پر کہکشاں

ابھر رہی ہو اور جب آسمان پر ستاروں کے ساتھ دودھیا راہ جگمگا اٹھتی۔ تب یہ قافلہ بھی اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی اس چاند جیسی راہ پر عورتوں اور بچوں کو لئے بستی کے باہر خیمہ زن ہونے کے لئے چل رہا تھا۔ زمین پر عشق کے ہاتھوں لمحوں میں تعمیر ہوئی اس حسین راہ کو دیکھ کر ستاروں نے کہہ دیا تھا کہ اپنے کندھوں پر سورج اٹھائے ویرانوں کو جنتوں میں بدلنے والا کوئی جانبازوں کا قافلہ چل پڑا ہے جسے اب کوئی نہیں روک سکتا اور تب ان کی جانب سے اک حسین نغمہ غازیا اور اس کے ساتھیوں کو پہنچ رہا تھا جس کی نغمگی اور مہک اس دودھیا راہ پر رقصاں تھی اور جیسے وہ خود گنگنانے لگے تھے کہ:

آوارہ قافلے آرزوؤں کے

پائیں گے کہاں منزلیں

جائیں نہ اگر سیدھی راہوں پہ

کھو گئے کچھ یہاں کچھ وہاں کھو گئے

چاند تاروں بہاروں کو لانے جو چلے

پائیں گے کہاں منزلیں

جائیں نہ اگر سیدھی راہوں پہ

دل کی دھڑکن نے ہیں جو سندیسے دیے

ذرا سنو تو سہی ذرا سوچو تو سہی

پائیں گے کہاں منزلیں

جائیں نہ اگر سیدھی راہوں پہ

آ مل کے چلیں۔ یونہی چلتے رہیں

راہ بھولیں گے جو ہم دیکھ لینا سجن

پائیں گے کہاں منزلیں

جائیں نہ اگر سیدھی راہوں پہ

آوارہ قافلے آرزوؤں کے

جیسے چاند اپنے تاروں کے کارواں کو لئے کھلے آسمان میں روشنی کے پرچم لہرا رہا تھا۔ ایسے ہی غازیا سارے قافلے کو لئے عبرت گاہ کے باہر خیمہ زن ہو رہا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ:

''اس ہستی کے سامنے سارے سجدہ ریز ہو جاؤ جس کے اختیار میں سب کچھ ہے۔ رحمتیں اور نعمتیں ہیں اور جس نے نہ صرف اک عظیم کامیابی سے ہمیں نوازا ہے۔ بلکہ عبرت گاہ کو ہمارے

لئے جائے قرار بنا دیا ہے"۔

اس نے کہا کہ:

"آج سے اس بستی کا نام "روشن نگر" ہوگا اور تم آج کی رات اللہ کا ذکر کرتے سو جانا تا کہ اگلی صبح ہم نئی قوتوں اور نئے ولولوں سے نئے جہاں تعمیر کرنے کا آغاز کریں۔"

اور سنو کہ:

"جب تک گھربار تعمیر نہیں ہو جاتے تب تک سب کے لئے مشترکہ کھانے ایک ہی جگہ تیار ہونگے اور اس سلسلے میں جوان بیٹیاں مل کر کام کریں گی اور تمام گھرانے جو کچھ سامان ہے ان کے حوالے کردیں گے۔"

دیکھو!

پوری قوت سے ہمیں تعمیرِ نو کرنی ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ لوگ اس زمین کو منحوس سمجھتے ہیں مگر ہم نے اللہ کا ذکر کرتے ہوئے اس سرزمین کو جنت میں بدل دینا ہے۔

یاد رکھو:

اگر تم میں ایک شخص بھی گھبرا گیا تو سمجھ لینا کہ ہماری توانائی اور روشنی کا ایک دیا بجھ گیا۔ اس لئے بھائیو اور بہنوں:

ولولوں اور حوصلوں کے دیئے بجھنے نہ دینا۔ ہماری منزل مشکل ہے مگر دور نہیں۔ ہم ناممکنات

سے پار اتر آئے ہیں۔ اب صرف تمہاری مسکراہٹوں سے اس بستـــــی کی سرزمین کھل اٹھے گی۔

سنو!

"ہم میں سے ہر ایک سب کے لئے اور ہم سب اس کے لئے جئیں گے اور محنت کریں گے۔ اپنے ذاتی مفادات ختم کر دینا۔ جب تک تمہارا ساتھی بھوکا ہے اپنا پیٹ نہ بھرنا۔ جب تک تمہارے ساتھی کی کدال چلتی ہے اپنے کدال کو حرکت میں رکھنا پھر دیکھ لینا تم جیتے جی جنت پالو گے کیونکہ یہی اللہ کا حکم اور اس کا وعدہ ہے۔"

غازیا نے بس مختصر سی گفتگو کے بعد نماز کی تیاری کا حکم دیا۔ کچھ ہی دیر بعد ان فضاؤں میں عشاء کی اذان پوری آب وتاب سے اٹھ رہی تھی اور لوگ غازیا کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے مرد ایک جانب اور عورتیں دوسری جانب قطار اندر قطار کھڑے ہو چکے تھے۔ ان فضاؤں میں یہ عجیب منظر تھا۔ اس جگہ نے کتنی دیر بعد یہ منظر دیکھا تھا۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ برباد شدہ بستیاں دوبارہ نہیں بستیں مگر جو کوئی اللہ کے قوانین اپنا لیتا ہے وہ تب ہی حیاتِ تازہ اور نئی توانائی سے آشنا ہو جاتا ہے اور اب کے بار یہ بستی نئے سرے سے جگمگانے کو بیقرار تھی۔

لوگ ہزاروں آرزوئیں لئے آہستہ آہستہ سو گئے جیسے بیقرار لہریں ساحل پر سر رکھ کر سو جاتی

ہیں۔ وہ نئی اور رنگین صبحوں کے امیدوار تھے۔ انہیں سب سے زیادہ یہ خوشی تھی کہ اب انہیں کوئی بھی ''چھوٹی ذات والا'' نہیں کہے گا اور وہ بستی میں سر اٹھا کر رُکن الدین بیبرس کی طرح اور صلاح الدین ایوبی کی طرح جییں گے۔ غازیا انہیں دراصل ان کی کہانیاں سنایا کرتا تھا اور وہ مسلمان ہو کر ان پر فخر کرنے لگے تھے اور یوں انہوں نے اپنے خواب ایسے جذبوں سے سرشار کر لئے تھے۔

غازیا نے سب کو اکٹھا کر کے حالات کی مکمل آگاہی دیتے ہوئے کہا کہ:

''ہمارے پاس صرف تین سال ہیں کیونکہ معاہدے کے مطابق نیلا کا بیٹا ہمارے پاس اتنی دیر ہی رہ سکتا ہے۔ ہمیں ان سالوں میں ناقابلِ تسخیر بننا ہے ورنہ پھر ان کی گولیاں ہوں گی اور ہمارے سینے اور بے دلی سے کی گئی محنت اک نئی عبرت گاہ کو جنم دے گی۔''

اور سنو کہ!

''جو کرنا ہے اس کا پہلے فیصلہ کر لو اور پھر ڈٹ جاؤ۔ جاننے پرکھنے کے لئے ہم نے پچھلے طویل سال گزارے ہیں۔ اب ہم مزید تجزیات میں وقت ضائع نہیں کر سکتے۔ اس لئے میں فوری طور پر تم میں سے فلاں فلاں نو اشخاص کو جنہیں میں سمجھتا ہوں کہ وہ بہتر رائے دینے کے اہل ہیں مشیر کی حیثیت سے تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں تا کہ اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو انہیں بستی کا نظام چلانے کے لئے باقاعدہ مشیر مقرر کر لیا جائے۔''

اس سے پہلے کہ لوگوں سے رائے پوچھی جاتی تقریباً ہر ایک نامزد مشیر نے بڑی عاجزی اور انکساری سے درخواست کی کہ:

اے معزز انسان!

"ہمارے اوپر مشاورت کا بوجھ نہ ڈالا جائے۔ ہم اس قابل نہیں۔ ہم بستی میں مزدور کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے ہیں"۔

دراصل لوگوں میں کوئی بھی یہ ذمہ داری سنبھالنے کو تیار نہیں تھا۔ بہرحال لوگوں کے بار بار کہنے پر انہوں نے مشیر بننا قبول کرلیا۔ اصل میں وہ سب جانتے تھے کہ یہ ذمہ داری اتنی آسان نہیں کیونکہ ایسی بستی جس میں اسلام نافذ ہو اس میں ہر مشورہ اور ہر رائے امانت کے طور پر پیش کی جاتی ہے اور اس کے نقصانات کے نتائج اللہ کی بارگاہ میں اس مشیر یا حکمران کو جہنم کی صورت میں بھگتنے پڑتے ہیں۔

بستی کے لوگوں نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر بلا دھڑک ان کے مشیر بنائے جانے کی تائید کی۔ چنانچہ غازیانے فیصلہ دیا کہ:

"یہی مشیر بستی کا نظام چلائیں گے اور انہیں ان کی تنخواہ بیت المال سے دی جائے گی"۔

اس نے مزید فیصلوں کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ:

"فلاں فلاں تین اشخاص کو بستی کا جج مقرر کیا جاتا ہے کسی بھی مقدمے میں ان میں سے کم

ازکم دو کا متفقہ فیصلہ حتمی سمجھا جائے گا اور ان کی تنخواہ بھی بیت المال سے ادا کی جائے گی۔"

اس نے کہا کہ!

"بستی کے کسی شخص بھی بینک میں کوئی بھی رقم رکھنے کی اجازت نہیں ہو گی کیونکہ بینکوں کا وجود معاشیات کو برباد کر دیتا ہے اور قوم ایسی معاشی کلاسوں میں تقسیم ہو جاتی ہے کہ جن کے نتائج بھاری قرضے، بے روزگاری اور غربت کی صورت میں نکلتے ہیں جس سے افراد بے روح اور زندہ در گور ہو جاتے ہیں چنانچہ ہمیں اس نظام سے نجات حاصل کرنی ہے۔"

اگلی صبح نمازِ سحر کے بعد غازیا نے اپنے منصوبے کے مزید خدوخال واضح کرتے ہوئے کہا کہ دولت کو بینکوں میں جمع کروانے والے زندہ اور توانا جذبوں سے عاری ہو جاتے ہیں اور وہ خود کاروبار میں شامل ہونے کی بجائے بیٹھے بٹھائے سود پر زندگی گزارنا شروع کر دیتے ہیں۔ سود کسی بھی شکل میں ہو اسے حلال نہیں کہا جا سکتا۔ بینک اور انشورنس کمپنیاں معاشی فساد پیدا کرتی ہیں۔ آپ لوگوں کو دونوں میں شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ بستی میں ان دونوں کا وجود کبھی بھی پیدا نہیں ہونا چاہیئے۔

اس نے کہا:

"ہر مرد اور عورت جو کمائی کرتے ہیں انہیں اپنی آمدنی سے زکوٰۃ کی مقررہ رقم لازماً بستی کے بیت المال میں جمع کروانی ہو گی کیونکہ اللہ کا حکم ہے اور بستی کے حکمران پر فرض

ہے کہ اسے لاگو کرے مگر اس کے علاوہ بستی کے کسی فرد پر بستی کی جانب سے کوئی ٹیکس نہیں لگے گا کیونکہ بستی بذاتِ خود اپنی آمدنی کے ذرائع پیدا کرے گی جو بستی کے افراد کی فلاح پر خرچ کئے جائیں گے۔ "

بستی کی راہنمائی اور حکمرانی کے سلسلے میں اس نے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

"اس دوران میں اگر میں مارا جاؤں تو مشیروں میں سے فلاں فلاں تین اشخاص کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ نمبر ایک پر فلاں حکمران ہو گا، دوم پر فلاں اور سوم پر فلاں اگر یہ سب مرجائیں تو آپ دیگر مشیروں میں سے اپنی مرضی سے چن لینا۔ بہت سے طریقوں میں یہ ایک طریقہ ہے جسے آخری نبی ﷺ نے جنگِ موتہ میں اپنایا تھا اور ہم اس طریقے سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں"۔

لوگ غازیا کی ہدایات کو بڑے فخر سے سن رہے تھے کیونکہ وہ محسوس کر رہے تھے کہ وہ صرف ایک بستی کی تقدیر بدلنے کے لئے جمع نہیں ہوئے تھے بلکہ اپنی مفلوج اور مردہ تقدیروں سے خلاصی پانے کے لئے بھی اکٹھے ہوئے تھے تا کہ مجموعی محنتوں سے ہر فرد کے لئے زندہ تقدیر کی تعمیر ہو سکے۔ ایک لحاظ سے غازیا بستی کے لئے اسلام کا منشور بڑے سادہ الفاظ میں پیش کر رہا تھا جو لوگوں کے شعور میں اترتا جا رہا تھا۔"

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

معزز انسانو!

آج سے ہر فرقے کو حرام اور شرک و کفر قرار دے دیا گیا ہے اور قرآن کے احکام کی بنیاد زمانے کے تقاضوں کے مطابق قوانین تیار کر لئے گئے ہیں جنہیں بستی میں لاگو کر دیا جائے گا۔ کسی کو کوئی پالیسی یا فیصلہ قرآن کے حکم کے خلاف کرنے کی اجازت نہیں ہو گی۔

* بستی کے چاروں کونوں پر ایک ایک درسگاہ بنا دی جائے گی۔

* ہر کلاس میں صرف ایک کتاب ہو گی جس میں دس ابواب ہوں گے۔

ہر باب مختصر ہو گا مگر وہ دوسرے سے مختلف ہو گا یعنی حساب، بین الاقوامی امور، تاریخ، کمپیوٹر، فزکس، کیمسٹری، بیالوجی، دفاع، زبان و ادب اور جغرافیہ۔ پہلے چار سال ان کے بنیادی اور ترقی یافتہ (Concepts) پر آ گاہی دی جائے گی۔ پانچواں سال صرف قرآن کی آ گاہی کے لئے مختص ہو گا اور چھٹا سال گفتگو' تقریر، ڈرافٹنگ، خط و کتابت، اظہار، عمومی زندگی کے سلیقے و طریقے اور آداب کے لئے مختص ہو گا۔ اگلے چار سال میں دنیا کی بیس شخصیات کے بارے میں مکمل آ گاہی و تحقیق فراہم کی جائے گی۔ ان میں خصوصی طور پر محمد ﷺ' آئن سٹائن' اقبال' کارل مارکس اور اس طرح مزید سولہ شخصیات کو شامل کیا جائے گا۔

"تعلیم کا مجموعی عرصہ دس سال کا ہو گا۔ مجموعی سلیبس کے بارے میں جو جب بھی امتحان پاس

کرے وہ ڈگری کا حق دار ہوگا۔ امتحان ہر تین مہینے بعد ہوا کرے گا اور ہر امتحان میں جو جتنا کورس پاس کرے گا تب اسے اگلے کورس کی تیاری کرنی ہوگی۔ آدھا کورس ختم کرنے پر جونیئر ڈگری اور مکمل کورس ختم کرنے پر سینئر ''ڈگری'' ملے گی جس کی بنیاد پر کوئی بھی پیشہ اختیار کیا جاسکے گا۔ ڈگری حاصل کرنے کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں۔ مشیروں کے انتخاب یا بستی کے حکمران کے انتخاب کیلئے کسی فرد کے پاس کم از کم سینئر ڈگری کا ہونا ضرری ہے تا کہ وہ اپنی رائے دے سکے۔ ورنہ وہ نا اہل تصور ہوگا۔ ایسے ہی شادی کے لئے مرد اور عورت دونوں کے پاس کم از کم جونیئر ڈگری کا ہونا ضروری ہوگا۔ مشیر بننے کے لئے کسی فرد کو بستی کی درسگاہ میں کم از کم دو سال کے لئے تدریس کی خدمات ادا کرنی بھی ضروری ہوں گی۔''

تعلیم کے بارے میں یہ نظام ان سب کے لئے قابلِ قبول تھا کیونکہ انہوں نے کئی بار اپنے بچوں کو کہیں قریب کے سکول میں پڑھانے کی کوشش کی تھی مگر سکول کی فیسیں، کتابوں کی بھرمار، اساتذہ کے رویے، امتحانوں کا بے ثمر ہونا اور نفسیاتی بیماریاں پیدا کرنے والے طریقِ کار کی وجہ سے وہ لوگ متنفر ہو چکے تھے۔ جبکہ اس نظام میں کوئی فیس نہیں تھی اور کتابیں درسگاہ میں میّسر تھیں جن کا مطالعہ وہیں پر کیا جانا ہوتا تھا۔ گھر کے لئے کوئی بوجھ، کوئی کام نہ لے کر آنا ہوتا تھا۔ درسگاہیں تمام دن تمام رات کھلی رہتیں جس کا جب جی چاہے وہ وہاں جا کر اپنی پسند کا مطالعہ کرسکتا اور موقع پر موجود ٹیچر سے راہنمائی حاصل کرسکتا۔ اساتذہ کی تنخواہیں، کتابیں،

لائبیریری، لیبارٹری اور درسگاہ سے منسلک تمام اخراجات پورے کرنے کی ذمہ داری بستی کے بیت المال پرڈالی گئی۔

وہ بچے جو ایک سال پہلے اپنے علاقے کے سکول کے امتحانات میں فیل ہو گئے تھے اور انہوں نے مزید نہ پڑھنے کا فیصلہ کرلیا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے فرطِ جذبات میں اُٹھ کر پورے زور سے نعرہ لگایا غازیا زندہ باد! پھر دیکھتے دیکھتے کتنی دیر تک وہ سارے بچے نعرے لگاتے رہے مگر غازیا نے انہیں بتلایا کہ اسلام میں ''نعرۂ تکبیر'' کے علاوہ کوئی نعرہ نہیں لگایا جاسکتا کیونکہ وہ شرک میں شمار ہوتا ہے۔ مگر بچوں کی آنکھوں میں آنسو تھے وہ فی الحال خوشی میں نعرے پہ نعرہ لگاتے جارہے تھے کیونکہ انہیں یقین ہوگیا تھا کہ اب وہ تعلیم میں کسی سے پیچھے نہیں رہیں گے۔ کیونکہ سال میں چار بار امتحانات تھے اور یہ کہ وہ گھر میں آکر بے فکر ہو کر کھیلیں گے اور زندگی کا حسن حاصل کریں گے اور کتابوں کا بوجھ نہ لے جانا ہوگا اور نہ لانا ہوگا۔ انہیں درسگاہ ماں کی گود کی طرح نظر آرہی تھی۔ انہیں یقین ہوگیا کہ اب کوئی انہیں چھوٹے یا کمتر سکول میں پڑھنے کا طعنہ نہیں دے گا وہ آنسوؤں میں ہنس رہے تھے۔

ان میں سمجھنے والے سمجھ گئے تھے کہ بستی کا محترم شہری ہونے کے لئے کم از کم جونیئر ڈگری کا ہونا ضروری ہے اور اس کے لئے بستی کے ہر فرد کو خود بخود اپنے اپنے وقت میں ڈٹ کر محنت کرنی پڑے گی۔

غازیا ایک لحاظ سے ان سب کے سامنے بستی کے لئے تیار کیا گیا پورے کا پورا آئین پڑھ رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس نے اس آئین میں درج مختلف نظاموں کی باریک ترین تفاصیل تک طے کرنے میں کتنی عرق ریزی کی ہوگی اور اس کی ایک ایک شق کو قابلِ عمل بنانے اور دوسرے نظاموں کے مقابل بہترین بنانے کے لئے اس نے ان کو کتنا تراشا خراشا ہوگا۔

بستی کے تمام نظام ہائے زندگی کو پیش کرنے کے بعد غازیا نے تمام افراد پر نظر دوڑائی اور انہیں کھل کر تنقید کرنے اور اپنی آراء پیش کرنے کا وقت دیا گیا۔ وہ لوگ تا حال اتنے زیادہ با شعور نہیں تھے۔ اس وجہ سے وہ تنقید نہ کر سکے اور انہوں نے فی الحال انہیں من و عن قبول کر لیا۔ البتہ بہت سے مردوں اور عورتوں نے بہت سے بنیادی سوالات کئے جن کا مطلب اسلامی نظام میں بعض الجھنوں کو دور کرنا تھا۔

فوجداری قوانین اور سزاؤں کے بارے میں اس نے کہا:

"اگر ہمیں واقعی اس بستی کو اسلام کی بستی بنانا ہے تو پھر اس کے قوانین اپنے ہوں گے اور جرائم کی اسلامی سزائیں نافذ کی جائیں گی یعنی قتل کے بدلے قصاص یا خون بہا، چوری کے بدلے ہاتھ کا کٹ جانا اور فلاں جرائم کے بدلے سنگساری، اسی طرح وعدہ خلافی، جھوٹ، دھوکہ، غلط بیانی اور جھوٹی گواہی وغیرہ کے بارے میں قید اور کوڑوں کی سزائیں ہوں گی"۔

زمینوں کے مقدمات کے بارے میں اس نے فیصلہ سنایا کہ:

"بستی کی وسیع زمینیں ہیں۔ انہیں کسی کے ہاتھ نہیں بیچا جائے گا اوران کا کوئی مالک نہیں ہوگا صرف بستی کا بیت المال ان کا مالک ہوگا البتہ جو جو خاندان زمین سے روزی حاصل کرنا چاہے گا تو اس کے ذرائع اور ہمت کو مدِ نظر رکھ کر اسے اتنی زمین لیز پر دے دی جائے گی جس کی کہ آمدنی کا اسلام کے مطابق مخصوص حصّہ بیت المال میں جمع کرایا جائے گا۔ جو زمینیں بچ جائیں گی بیت المال انہیں معاوضے پر کاشت کروا کر اس کی آمدنی جمع کرلے گا۔ ایسے ہی بستی کے چاروں اطراف زمینوں کے وسیع ٹکڑے باغوں کے لئے مختص کردیئے گئے جن کی آمدنی بیت المال کے لئے مخصوص کردی گئی ہے اور زمین کا وہ حصہ جو دریا پر بند نہ ہونے کے باعث بے کار تھا اسے باغوں میں بدل دیا جائے گا اور آمدنی بیت المال کے لئے مختص کردی جائے گی"۔

ہر خاندان کو گھر کے لئے جو زمین کا ٹکڑا الاٹ کیا گیا اس کے بارے میں حکم دے دیا گیا کہ اس کی دیوار کے اندر کم از کم دو پھل دار درخت اور دیوار کے اندر ساتھ ساتھ چار فٹ چوڑی کیاری میں موسم کی سبزیاں کاشت کی جائیں گی اور دیوار کے باہر ساتھ ساتھ چار فٹ چوڑی جگہ پر پھول کاشت ہوں گے ورنہ مکینوں سے گھر خالی کروالیا جائے گا اور انہیں دریا کے پاس کھلی جگہ میں خیمے میں رہنا ہوگا تب انہیں بستی کا دوسرے درجے کا شہری تصور کیا جائے گا۔ ایسے ہی چھتوں پر کم از کم بارہ گملے رکھے جائیں گے جن میں پسند کے پھول یا سبزی لگائی جائے گی۔ ہر

گھر کی پچھلی دیواروں کے ساتھ انگور کی بیلوں کا عام رواج کر دیا جائے گا۔

غازیانے عبرت گاہ کو روشن نگر میں بدلنے کا سب کے سامنے جو نقشہ پیش کیا وہ عجیب حیرت زدہ کر دینے والا تھا۔اس کے بڑے بڑے خدوخال کچھ یوں تھے:

بستی میں سے دو نہریں ایک افقی اور دوسری عمودی گزاری گئیں تھیں۔یہ نہریں معقول حد تک چوڑی تھیں۔ان کا پانی دریائے کرشنا سے حاصل کیا گیا تھا۔ان نہروں کا پانی آگے جا کر بستی کی تمام زمینوں کو سیراب کرتا تھا۔بالفرض کرشنا سے پانی نہ ملتا تو ان کے کنارے کنارے متعدد ٹیوب ویل لگا دیئے گئے تھے جو ان میں پانی پھینکتے رہتے اور وہ آگے زمینوں اور باغوں تک پہنچا دیتیں۔

بستی کے بالکل مرکز میں کم از کم تین ہزار انسانوں کو پرستش کی سہولت دینے کے لئے مرکزی مسجد تعمیر ہوئی جس کے نیچے سے نہر گزر رہی ہوتی۔ یہ مسجد،عدالت،علم گاہ،مسائل کے حل کے لئے فورم اور بستی کے معاملات چلانے کے لئے استعمال ہوتی۔ ہر مقدمے کا فیصلہ جمعہ کو سنا دیا جاتا اور ہر فرد کا مسئلہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک حل کر دیا جاتا۔

ہر کنبے کے لئے ترتیب میں گھر بنانے کے لئے جگہ الاٹ کی گئی۔ گھر تعمیر کر کے ان کے حوالے کئے جانے تھے مگر ملکیت بیت المال کے پاس ہوتی۔ یہ صرف اس لئے کیا گیا کہ ملک کے قوانین مختلف تھے اور بستی کے مختلف۔کوئی بھی شخص بستی کے اندر جرم کر کے بستی کے

قوانین کی بجائے بھارت کے قوانین کی آڑ لے لیتا تو بستـــی کا نظام درہم برہم ہو جاتا اس لئے بستی نے ایسے افراد کو بستی سے نکال دینے کے لئے ہر گھر کی ملکیت اپنے پاس رکھی تھی تا کہ بستی کے دیگر خاندان اس گھرانے کو بستی سے نکال سکیں۔

ہر لین یا گلی چالیس فٹ چوڑی رکھی گئی جس میں دونوں اطراف علیحدہ چار چار فٹ جگہ پھولوں کے لئے چھوڑی گئی۔ سیورتج کا نظام بستـــی کے پہلے گھر سے شروع ہوکر ہر گھر سے منسلک ہوتے ہوتے بستـــــی کے باہر کافی دور تک تیار کیا گیا تھا اور آخر میں وہ پانی کلر شدہ زمینوں کو دیا گیا تھا تا کہ وہ زرخیز ہو جائیں بقایا پانی دیگر زمینوں کو کھاد کی جگہ دیا گیا تا کہ زرخیزی اور پیداوار قدرتی طریقوں سے بڑھتی رہے۔

ہر سو انسانوں کے لئے ایک کھیلنے کے گراؤنڈ کا بندوبست کیا گیا جسے آدھا خواتین کے لئے اور آدھا مردوں کے لئے بڑی دیوار دے کر تقسیم کر دیا گیا ہوا تھا۔ ہر لین یا گلی کو پختہ کرنے اور اسے صاف رکھنے کی ذمہ داری اس لین کے مکانوں والوں پر تھی۔ ہر گلی کا ایک سربراہ بنایا گیا جو سب پر نگران تھا اور جواب دہ تھا۔ سب سے بڑی لائبریری مرکزی مسجد میں قائم کی گئی تھی۔

بستـی میں کسی گھر کو ٹی وی، ڈش اور وی سی آر وغیرہ رکھنے کی اجازت نہ دی گئی اور اس کی وجہ یہ بتلائی گئی کہ ان کی موجودگی گھر کے مکینوں کو باندھ دیتی ہے اور ایک لحاظ سے گھر میں نظر بند کر دیتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ بغیر کسی جرم کے گھروں میں قید ہو کر رہ جاتے ہیں اور گھر قید

خانے بن کے رہ جاتے ہیں۔لوگ حسین شاموں کی مسرت سے لطف اندوز نہیں ہوسکتے۔

کھیلوں کے میدان سونے ہوجاتے ہیں۔ لوگ ایک دوسرے سے ملاقاتیں نہیں کرسکتے اور

چاندنی راتیں بغیر جشن کے گزر جاتی ہیں۔لیکن ریڈیو کو ہر گھر کی ضرورت قرار دیا گیا تھا۔البتہ

درسگاہوں میں سارادن اور رات ٹی وی چلتا رہتا اور وی سی آر معلومات سے لبریز فلمیں دکھاتے

رہتے تاکہ بستی والے اس ایجاد کی مسرت سے محروم نہ رہیں اور وہ نئی ایجادات، نئی معلومات

اور نئے تخیّلات وخیالات کی جی بھر کر فلمیں دیکھ سکیں، لطف اندوز ہوسکیں اور آگاہی حاصل

کرسکیں۔ البتہ فحش وبے حیائی کو ہر زاویے سے حرام قرار دیا گیا اور اس کی قطعی طور پر اجازت

نہیں دی گئی۔درسگاہیں ہر روز ہر وقت اور ہر فرد کے لئے کھلی رکھی گئیں۔

اس بار بھی آخر میں غازیا نے اپنے اپنے شکوک دور کرنے کے لئے پھر سب کو سوالات کرنے

کی اجازت دی۔ ایک نے اٹھ کر اپنے چہرے پر اڑی مٹی کو ذرا جھٹکتے ہوئے کہا کہ:

محمد غازیا!

”کچھ قسمت کے بارے میں کہو! ہم میں جو خوش قسمت ہیں وہ زیادہ نعمتیں پالیں گے اور جو ہم

جیسے بدقسمت ہیں ان کے چہرے تو مٹی سے ہی لت پت رہیں گے۔“

غازیا نے کہا:

”جس بستی کے حکمران کے شعور، دل اور ضمیر مردہ ہوتے ہیں وہاں خوش قسمت اور بدقسمت

جیسے الفاظ زندہ رہتے ہیں اور طاقت حاصل کر جاتے ہیں کیونکہ ان کا وجود گواہی دیتا ہے کہ معاشرے کا نظام مردہ ہو کر زندہ انسانوں کے خلاف ہو چکا ہے اور جس بستـــــی کے حکمران کی دانش اور جذبے زندہ ہوتے ہیں وہاں پر قسمت جیسے الفاظ بے حیثیت اور بے محترم ہو جاتے ہیں کیونکہ معاشرے کے زندہ نظام میں مجموعی جدوجہد کے ثمرات کی باعدل تقسیم کی وجہ سے ہر فرد مسرت اور اطمینان حاصل کر لیتا ہے۔

ایک بوڑھے نے ہنستے ہوئے اور اپنی پگڑی کے پلو سے اپنے چہرے کی مٹی کو صاف کرتے ہوئے کہا:

واہ!

"یہ تو تم نے قسمت کو شکست دینے کے لئے مجموعی جدوجہد کا فلسفہ دے دیا ہے"۔

غازیا نے بستی کی تعمیر کی جدوجہد شروع کرنے سے پہلے انہیں بتلایا کہ ہم جسے زندگی کا سلیقہ کہتے ہیں وہ دراصل ترجیحات کی ترتیب ہے۔

* اس لئے ہم ان زمینوں کو زیرِ کاشت لے آئیں گے جو بہت کم محنت مانگتی ہیں تاکہ جب تک ہم دوسری تعمیر میں مصروف ہوں اتنی دیر میں اس کی فصلیں پک کر آمدنی دینے کا ذریعہ بن جائیں۔

* دریائے کرشنا کے روشن نگر کی جانب والے کنارے کو بند میں تبدیل کر دیں گے ورنہ آئندہ اس کے سیلاب کا منہ زور گھوڑا ہماری محنتوں کو مسل جائے گا۔

* مرکزی مسجد کی تعمیر شروع کی جائے گی۔ اس وقت تک اس کھلے میدان کو مسجد سمجھا جائے گا۔

* نہریں کھودی جائیں گے اور ان کے کناروں پر باغات لگا دیئے جائیں گے۔ درسگاہیں تعمیر کی جائیں گی۔

* گھروں کی تعمیر مکمل کی جائے گی۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

جب تک آپ اپنے گھروں میں نہیں چلے جاتے تب تک ہم سب ایک ہی خاندان کی طرح رہیں گے جس طرح کہ مرکزی طور پر جیسے ماں چولہا جلاتی ہے اور بچے اس کے اردگرد کھانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ اس نے کہا کہ:

اس وقت ہمارا یہ خاندان تقریباً تین ہزار افراد پر مشتمل ہے۔ہم میں ہر ایک کو محنت کے محاذ پر جانفشانی سے ڈٹ جانا ہے۔اس نے ایک لسٹ نکالی جس میں تقریباً پانچ سو افراد کے نام لکھے تھے۔

اس نے کہا:

معزز انسانو!

''ہم میں یہ افراد وہ ہیں جن کے بارے میں میری رائے ہے کہ یہ فلاں فلاں قصبے اور شہر میں جا کر فلاں فلاں کام، کاروبار اور ہنر کے ذریعے روزی کما سکیں گے۔ یہ لوگ روزی کمانے کے لئے کل صبح ہی سے چلے جائیں اور جو کچھ کمائیں روشن نگر کے بیت المال میں بھیجتے جائیں تاکہ اس بستی کے مرکزی طور پر چولہے گرم رہ سکیں اور بستی میں کوئی بھوکا نہ سوئے۔''

جن لوگوں کو روزگار کے لئے چنا گیا تھا ان میں زیادہ تر ڈھلتی عمر کے افراد اور بوڑھے تھے۔ غازیا نے جوانوں کو بستی میں زیادہ مشقت کے لئے پیچھے رکھ لیا تھا۔

اس نے تمام افراد کو ہدایت کی کہ جب تک بستی کے اپنے ذرائع آمدنی پیدا نہیں ہوتے اور بستی کے افراد پر فلاں فلاں مہاجن کا قرض ختم نہیں ہوتا اس وقت تک کسی عورت کو سونا پہننے کی اجازت نہیں ہوگی اور بستی کی عورتیں اپنے تمام زیورات بستی کے بیت المال میں جمع کروا دیں گی البتہ جب بستی دو ایک سال میں ذرا طاقت پکڑ جائے گی تو ان کے زیورات کی قیمت ان آنے والے سالوں کے مطابق ادا کر دی جائے گی۔

ایک عورت نے اُٹھ کر کہا:

غازیا!

”ہم نے یہ زیور بڑی جان جوکھوں سے بنوائے اور حاصل کئے ہوئے ہیں اگر یہ کل کلاں کو گم ہو گئے اور ہم ان سے محروم ہو گئے تو ہم کیسے زندہ رہ سکیں گی۔“

غازیا کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی اور اس نے اپنی بات روک کر انہیں دلاسا دیتے ہوئے کہا:

معزز خواتین!

سوچو کہ:

”اگر آپ کے زیورات کے بدلے میں اس پوری بستی کے قرض اتار کر تمہارے گھرانوں کی آمدنی بڑھنے لگتی ہے تو کیا یہ سودا مہنگا ہے۔ اور کیا تمہیں خوشی نہیں ہو گی کہ دو اڑھائی سال تک مردہ و بیکار پڑے رہنے والے تمہارے یہ زیورات اگر اس بستی کو نئی اور تازہ زندگی بخشتے ہیں تو تم آئندہ ان کے بدلے میں کتنے کتنے حسین جھومر اور کنگن حاصل کر سکو گی“۔

غازیا کی بات سن کر خواتین کے چہروں پر جیسے رونق واپس آ گئی ہو اور ان میں سے کئی خواتین نے اس وقت جو جو زیور پہنا ہوا تھا اسے غازیا کے سامنے لا کر ڈھیر کر دیا اور جو کچھ باقی تھا وہ بھی سب نے اپنے اپنے خیموں میں سے لا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

غازیا نے چار نوجوانوں کو حکم دیا کہ سب کو علیحدہ علیحدہ لفافوں میں بند کر کے ان پر مالک کا نام لکھ کر آج شام تک سب پر سونے کی مقدار اور اس کی مالیت لکھ کر رکھ لی جائے اور مشیروں میں

سے جو بیت المال کے لئے مشیر تھا اسے یہ کام سونپ دیا گیا کہ وہ فوری طور پر اس کے ریکارڈ اوراس کی فروخت کا بندوبست کرکے غازیا کی سربراہی میں دیگر مشیروں سے مشورہ کرکے اس مالیت کو قرض اتارنے اور کاروبار کھولنے کے سلسلے میں استعمال کرے اوراس کی مالیت اور اخراجات کے ریکارڈ کا چارٹ مرکزی مسجد جو کہ اس وقت وہ صرف ایک کھلا میدان تھی کے باہر نوٹس بورڈ پر لگا دیا جائے تا کہ بستی والے بھی اس کا حساب اپنے ذہنوں میں محفوظ رکھ سکیں۔

اس نے کہا کہ:

"بستی کی تمام زمینوں سے جنگل اور جھاڑیاں ختم کردی جائیں گی اور ان میں فلاں فلاں اطراف میں فلاں فلاں پیمائش کے مطابق باغات لگا دیئے جائیں گے اور جنگل، جھاڑیوں کی لکڑی کی تمام آمدنی بیت المال میں ڈالی جائے گی اور جنگل وغیرہ سے حاصل کی گئی بقیہ زمینیں کاشت کردی جائیں گی اورتب تیار کئے گئے نقشے کے مطابق بستی کی تمام سڑکیں، شاہراہیں، زمین دوز بجلی اور ٹیلیفون کی تاروں کے نظام کومکمل کیا جائے گا اور پانی وسیوریج سسٹم بھی مکمل کیا جائے گا"۔

اسی طرح بستـــــی کے درمیان کراس اوراردگرد لنک نہریں اورٹیوب ویلوں کا نظام تعمیر کیا جائے گا۔

ایسے ہی لڑکیوں اورلڑکوں کے لئے درسگاہیں تیار کی جائیں گی"۔

غازیا ایک ایک کر کے تیار شدہ منصوبے کی ہر شق کے بارے میں آگاہی دیتا جارہا تھا۔ اس نے کہا کہ "آخر میں مختص کیئے گئے تمام پلاٹوں پر گھروں کی تعمیر ہوگی اور جب تمام گھر مکمل ہو جائیں گے تب قرعہ اندازی کے ذریعے تمام گھرانوں کو اپنے اپنے گھروں میں جانے کی اجازت دے دی جائے گی"۔

غازیا جب اپنی ترجیحات کا اعلان کر چکا تو اس نے حاضرین کی جانب نظر دوڑائی اور انہیں مزید مشورے اور آراء دینے اور تنقید کرنے کے لئے کہا۔ ایک شخص نے اُٹھ کر کہا:

میرے حضور!

آپ نے قبرستان کی تعمیر و تکمیل کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا۔

غازیا نے زیرِ لب مسکراتے ہوئے کہا:

"میرے بھائی قبرستان کے لئے صرف زمین مختص کی جاتی ہے اس کی تعمیر اور تکمیل وقت کے ساتھ ساتھ ہوتی رہتی ہے۔ یہ بات سن کر بہت سے لوگ ہنس پڑے اور ایک نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے غازیا کی بات کی تشریح کر دی"۔

کلدیپ نے کہا:

غازیا!

"میں تو مسجد جاتا ہی نہیں ہوں اور آپ نے مندر کی بات بھی نہیں کی"

غازیانے کہا:

"وہ جنگل کے پار ذرا دور والا عظیم مندر جہاں نیلا نے اپنے سوئمبر کا اعلان کیا تھا وہ دراصل اسی بستی کی حدود میں ہے اور اسی کی زمین پر تعمیر کیا گیا ہے مگر ہم اسے تمام ہندوؤں کے لئے کھلا رکھیں گے کیونکہ یہ ہندو دھرم والوں کی ملکیت ہے اور یہ انہیں کے پاس رہے گا۔"

غازیانے پھر زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا کہ:

میرے دوست!

"اگر آپ چاہو تو وہاں کسی نئے سوئمبر کا اعلان کروایا جاسکتا ہے"۔

جس پر کلدیپ خود بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیا!

غازیا کافی دیر تک لوگوں کے سوالوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا جواب دیتا رہا۔اس سوال کے جواب میں کہ:

بستی کی جونیئر ڈگری اور سینئر ڈگری کا ملک میں کیا مقام ہوگا تو غازیا نے انہیں تفصیلاً بتلا دیا کہ:

"حکومتِ وقت سے یہ معاہدہ بھی ہو چکا ہوا ہے کہ جونیئر ڈگری کو میٹرک اور سینئر ڈگری کو ایف ایس سی کے برابر تصور کیا جائے گا"۔

غازیانے مزید کہا کہ اگرچہ ہماری درسگاہ میں دس سالہ تعلیم کا کورس دنیا کی تمام درسگاہوں سے

برتر ہےاور یہ مکمل کرنے والے دنیا کے کسی بھی بڑے عالم سے زیادہ علم کے مالک ہونگے پھر بھی ہماری بستی صرف ایک بستی ہے ہمیں اپنے نظامِ حیات کواپنی اسلامی پہچان برقرار رکھتے ہوئے ملک کے آئین وقوانین سے منسلک کرنا ہے۔

کچھ توقف کے بعد غازیا نے انہیں بتلایا کہ:

”ہمیں اپنے روشن نگر میں اک نئے کلچر کی بنیاد ڈالنی ہے اک ایسا کلچر جس کی روح اور جسم دونوں حسین وجمیل اور حیا میں رچے ہوئے ہوں۔“

اس نے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

میں مفکرین کے اس نظریے کو مسترد کرتا ہوں کہ کلچر سینکڑوں اور ہزاروں سالوں میں جا کر پیدا ہوتا ہے۔میری رائے یہ ہے کہ یہ صرف فراریت پسند اور کاہلی پسند حکمرانوں کے لئے موزوں اور مناسب ہے۔اصل میں عوام کو جو رسوم، رواج، رویے طوروطریق اور حلیے دیئے جائیں گے قوم ان پر ہی چل پڑتی ہے چنانچہ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ:

”خواتین اور مرد ایسا لباس زیبِ تن نہیں کر سکیں گے جس میں غیر فطری طور پر جسم نمایاں ہو اور خواتین مناسب طرز کی اوڑھنیاں استعمال کریں گے البتہ وہ حیا کو مدِ نظر رکھ کر اپنی پسند اور رنگ کے لباس استعمال کر سکیں گی تاہم بستی کے مکینوں کے لئے اک مخصوص طرز کا لباس تیار کیا

جائے گا جو کوئی جب چاہے پہنے مگر کم از کم جمعہ کو ضرور پہنا جائے تا کہ ایک خاص طرز کا وقار اور حسن کا اظہار ہو سکے"۔

درسگاہوں میں خواتین کی تربیت کے لئے علیحدہ وقت مختص کیا جائے گا تا کہ وہ بہتر مائیں ثابت ہوسکیں۔ ایسے ہی کسی شوہر کو یہ اجازت نہیں ہوگی کہ وہ بیوی پر یا کسی خاتون پر ہاتھ اٹھائے۔اس کے لئے بستی کی انٹیلی جنس خود خبریں حاصل کر کے ایسے اشخاص کو بستی کی عدالت میں پیش کیا کرے گی اور اسے باقاعدہ سزا دی جایا کرے گی۔

سال میں چار چار دن کے دو بڑے جشن منائے جایا کریں گے۔ پہلا "یومِ اسلام" یعنی وہ دن جب محمد ﷺ نے دینِ اسلام کے لئے اپنی رسالت کا اعلان کیا تھا یعنی Dawn of Islam دوسرے لفظوں میں جب انسانیت کے لئے اللہ کی جانب سے نازل ہونے والی مکمل آگاہی اور روشنی کے دروازے کھلنے کی نوید سنائی گئی۔ دوسرا جشن "یومِ بدر" یعنی جس دن اسلامیوں نے حق اور باطل کے درمیان پہلے ہی معرکے میں واضح فتح حاصل کی اور سچ کے مقابل ہر قسم کے شرک، منافقت، تضادات اور دوہرے معیاروں کو شکست دے کر انہیں غلط اور ناقابلِ برداشت قرار دے دیا۔

بستی میں کسی گھر کے باہر والا حصہ بھی اگر گندگی سے پاک، صاف وشفاف نہ پایا گیا تو اس گھر کے سربراہ کو تین دن قید بامشقت کاٹنا ہوگی۔ ایسے ہی پوری بستی میں گندگی پھیلانے

والے کو مرد ہو یا عورت تین دن کی قید کاٹنا ہوگی۔

بستی کی راہوں میں آنے جانے والوں کو ایک دوسرے کو سلام کرنے کی عادت اپنانا ہوگی۔

بستی میں علیحدہ علیحدہ مردوں کے لئے اور خواتین کے لئے کھیلوں کے میدان تیار کئے جائیں گے جس میں نہ جانے والوں کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا۔ ایسے ہی مردوں اور عورتوں کے لئے جمنیزیم تیار کئے جائیں گے جن میں جانا بہتر اور محترم سمجھا جائے گا۔ ان میں لگاتار ایک ہفتہ نہ جانے والوں کو اگلا ہفتہ قید کاٹنی پڑے گی۔

بیمار، مسکین، فقیر اور کسی بھی قسم کا نشہ کرنے والوں اور دیگران جیسے اشخاص کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا تاہم بیمار سے نفرت کے باوجود اس کا بستی علاج کروائے گی مگر دیگر افراد کی بستی میں کوئی جگہ نہیں ہوگی اور انہیں سزائے موت تک دی جا سکے گی۔ بہتر ہے ہر فرد بیماری سے بچنے کے لئے پہلے سے تگ و دو جاری رکھے۔ درسگاہوں میں موجود وی سی آر کے ساتھ ایسی ویڈیو موجود ہوں گی جنہیں دیکھ کر صحت کے بارے میں معلومات حاصل کی جا سکیں۔

کسی گھر میں میری تصویر لگانے کی اجازت نہیں ہوگی کیونکہ اس سے عقیدت کا آغاز ہوتا ہے اور وہی لمحہ فرد کو شرک کی جانب دھکیل دیتا ہے۔

عبرت گاہ کی کسی شے کو محفوظ نہیں کیا جائے گا بلکہ اس میں موجود ہر نشان کو ختم کر دیا جائے گا۔

غازیا ابھی تفصیل پڑھ رہا تھا کہ ایک شخص نے دوسرے سے کہا:

"یہ باتیں تو ساری حسین ہیں مگر ہمیں یاد کیسے رہیں گی؟

دوسرے نے آہستہ سے کہا:

"غلطی کرو گے تو تمہیں گچی سے پکڑ کر جب عدالت میں پیش کیا جائے گا تو ساری باتیں فوراً یاد ہو جائیں گی"۔

اس نے آہستہ سے کہا:

"مگر اس طرح تو مجھے کئی بار جج کے سامنے پیش کیا جائے گا"۔

دوسرے نے کہا:

"یہ کوئی لدھیانے کا جج نہیں جہاں تمہیں سو بار پیش کیا جائے تو بات وہیں کی وہیں رہے۔ اس کے سامنے ایک بار جاؤ گے تو تمہارے چودہ طبق روشن ہو جائیں گے"۔

غازیاان کی بات سن رہا تھا۔

اس نے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

"دو چار مہینے کے اندر ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر آپ سب یہ رویے، حلیے اور عادات سیکھ جاؤ گے۔ اسے ہی کلچر کہتے ہیں"۔

اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

”چاند کی ہر چودھویں رات کو سب لوگ جشن منایا کریں گے اور بستی جشن منانے والوں کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرے گی“۔

ایک شخص نے اٹھ کر کہا:

غازیا!

ان جشنوں میں ہمیں کہاں تک آرٹ یا فنونِ لطیفہ اپنانے کی اجازت ہوگی؟

اس نے کہا:

”جب تک وہ حیا کے دائرے میں ہوں اور ان میں فحش شامل نہ ہو“

اس شخص نے کہا:

”مگر ملک کے بعض علماء تو اس کے سخت مخالف ہیں“۔

غازیا نے کہا:

”ہمیں اپنے شعور اور اپنے دل سے قرآن کو سمجھنا ہے اور اس کے مطابق عمل کرنا ہے“۔

غازیا نے اسی موضوع پر بات جاری رکھتے ہوئے کہا کہ:

”آرٹ یعنی فنونِ لطیفہ اللہ کی حسین نعمتوں میں سے ہیں اور قرآن میں انہیں کہیں بھی حرام نہیں کہا گیا۔ یہ سب عین فطرت کے مطابق ہیں اور دینِ اسلام کا دعویٰ ہے کہ یہ دینِ فطرت ہے تو پھر یہ سب کچھ کیسے حرام ہو سکتا ہے۔ البتہ سائنس ہو یا آرٹ اور ان میں موجود سب کچھ

اسی وقت تک جائز ہے جب تک فحش نہیں اور حیا کے دائروں میں ہے ورنہ سب کچھ حرام ہوگا"۔

غازیا نے کہا:

"نماز کی پابندی ہوگی۔ جمعہ مرکزی مسجد میں ہی ہوا کرے گا اور اس میں پچھلے ہفتے میں ہونے والی بیت المال کی آمدنی اور اخراجات کا ریکارڈ و دیگر شعبوں میں حاصل ہونے والی کامیابیاں و ناکامیاں اور مسائل سے لوگوں کو آگاہی دی جائے گی اور اس سلسلے میں جو قرآن سے آگاہی حاصل کی ہوگی اس کے بارے میں بھی لوگوں کو آگاہ رکھا جائے گا۔ سلطانوں اور بادشاہوں کے تیار کردہ خطبے نہیں دہرایا جایا کریں گے۔ حکایات و روایات پیش نہیں کی جائیں گی۔ اس لئے کہ ہمیں اپنا حال اور اپنا مستقبل سنوارنا ہے۔ اب ہم ماضی کے قصے کہانیوں میں زندگیاں نہیں گزار سکتے چنانچہ جمعہ میں مردوں کے ہمراہ عورتیں بھی شامل ہونگی۔ اس سلسلے میں مرکزی مسجد میں علیحدہ انتظام کر دیا جائے گا۔ ویسے بھی عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی جانب مائل کیا جائے گا"۔

لوگوں کو جمعہ کے روز اجازت ہوگی کہ وہ بستی کے حکمران، مشیروں یا دیگر اداروں کے بارے میں ان کی خطاؤں کو برسرِ عام عیاں کریں اور مشورے دیں۔ لاؤڈ سپیکر صرف مرکزی مسجد میں ہوگا دیگر مساجد میں سپیکر نہیں ہوں گے اور سپیکر پر اذان صرف مرکزی مسجد میں ہوگی۔

بعد میں ایک دانا قسم کا نوجوان کھڑا ہو گیا۔ اس نے کہا:

غازیا!

بستی میں فرقوں کو حرام دیا جانا اور یوں اسلام نافذ کرنے کو باہر کے بعض مسلمان اک نیا فرقہ قرار دے سکتے ہیں۔ ایسے میں کیا ہو گا؟

غازیا نے بڑے تحمل اور پورے جذبے سے کہا کہ:

بہنوں اور بھائیو!

ہماری اس جدوجہد اور طریقِ کار کو صرف وہ لوگ اک نئے فرقے کا نام دیں گے جو بظاہر مسلمان ہیں مگر اندر سے پوری قوت کے ساتھ محمد ﷺ کے خلاف جنگ کر رہے ہیں تاکہ اس کی امت بے فرقہ ہو کر کہیں پھر سے عظیم امت نہ بن جائے۔ دراصل یہ لوگ غیر مسلموں کے اشارے پر مسلم بن کر اسلام کے خلاف ڈٹے ہوئے ہیں مگر ہمیں ان سے بے پرواہ ہو کر اپنی جدوجہد جاری رکھنی ہے۔

ایڈجوٹینٹ کیپٹن سروپ اس سے بے خبر تھا کہ غازیا اس کے ذاتی حالات سے واقف تھا۔ وہ اگرچہ حیران تھا کہ اسے جتنی سہولیات بہم پہنچائیں گئیں ہیں اتنی تو اسے اس وقت بھی میسّر نہیں تھیں جب وہ اپنی یونٹ میں تھا۔ اپنی یونٹ میں اس نے اپنے آپ کو نیلا کے جانثاروں میں

شامل کروالیا ہوا تھا اور وہ تشدد پسندوں کی وساطت سے گا ہے بگا ہے جب نیلا کو ملتا تو وہ اسے

اور اس کے شوہر کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتے ہوئے کہتا تھا کہ وہ (کیپٹن سروپ) ان کا باوفا

جان نثار ہے۔

نیلا کو جب خبر ملی کہ کیپٹن سروپ کو غازیا نے یرغمالی کے طور پر اپنے پاس رکھ لیا ہے تو وہ زیادہ

مطمئن ہوئی تھی کیونکہ اس کے ساتھ کسی نہ کسی طریقے سے رابطہ کر کے وہیں پر غازیا کو ہلاک کروایا

جاسکتا تھا۔ نیلا نے اپنے خاص جاں نثاروں کی جو تربیت کی تھی اس میں سروپ بھی شامل ہو جایا

کرتا تھا اور اسے بھی وہ تمام الفاظ ازبر ہو چکے تھے جو ایک لحاظ سے کوڈ ورڈ کا کام کرتے اور انکے

ذریعے خفیہ خطوط لکھے جاسکتے۔ بظاہر یہ الفاظ عام تھے اور اگر خط میں لکھے گئے ہوتے تو یوں محسوس

ہوتا کہ جیسے صرف ''خیریت دریافت کی گئی ہے''۔ مگر ان میں ہر حرف کے مختلف معنی ہوتے۔

مثال کے طور پر ''خیریت'' کے معنی تھے کہ فلاں شخص کو قتل کر دیا جائے وغیرہ وغیرہ''

کیپٹن سروپ کو یونٹ کی جانب سے جو بھی خط ملتا غازیا ذاتی طور پر اسے سینسر کرتا تھا۔ ایک

دوپہر کو سروپ کے نام آیا ہوا خط غازیا نے سینسر کیا تو اس میں بس اتنا درج تھا کہ:

ڈیئر سروپ!

آپ نے اپنے دوست کی خیریت کا پتہ نہیں دیا اس لئے پریشانی بڑھ رہی ہے۔

تمہاری بہن

کلدیپ نے غازیا سے اجازت چاہی کہ وہ سروپ کو خط بھی دے آئے گا اور کچھ دیر تک اس سے گفتگو کر کے آہستہ آہستہ آپ کے بارے میں اس کی نفرت میں بھی کمی کرانے کی کوشش کرے گا تاکہ سنیتا کی مدد کی جا سکے۔

غازیا نے ہلکی سی مسکراہٹ سے اسے خط دیتے ہوئے کہا کہ:

''اگر یہ خط اسے مل گیا تو وہ آج رات ہم میں سے کسی پر حملہ آور ہونے کی کوشش کرے گا اور ایک لحاظ سے یہ اس کا ''خودکشی مشن'' ہو گا۔

کلدیپ نے کہا:

''مگر یہ خط تو اس کی بہن کی جانب سے ہے جو بہت ہی سادہ ہے بلکہ مجھے تو اس پر ترس آنے لگا ہے''۔

غازیا کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کلدیپ کو خط دیتے ہوئے کہا کہ:

''سروپ کے خیمے کے فاصلے والے نگہبان آج رات خاص کر الرٹ رہیں اور اگر وہ کوئی حرکت کرے تو اسے قطعی طور پر گولی نہ ماریں بلکہ زندہ پکڑ لیں۔''

کیپٹن سروپ پہلے دن سے ہی نہ صرف فرار کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ بلکہ اپنی نفرت کے باعث غازیا کو ہلاک کرنے کا بھی فیصلہ کر چکا تھا۔ اپنی منصوبہ بندی کے تحت اس نے دو چار بار غازیا سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا تاکہ کوئی مجبوری بتلا کر اسکی ہمدردی حاصل کی جا سکے اور رعایت ملنے

پر فرار ہو جائے۔ ہر بار غازیا اپنے ساتھی کو اس کی جانب بھیج دیتا لیکن سروپ اس سے بات کرنے سے انکار کر دیتا۔

ایک رات وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ نگہبان نے فوراً اس کے ہاتھ کھولے اور اس کے چہرے پر پانی کے چھینٹے مارنے والا تھا کہ اس نے اسی نگہبان کو گردن سے دبوچ کر اس کی بندوق چھین لی اور اس کے سر پر ضرب لگا کر اسے بے ہوش کر کے بچتا بچاتا وہاں تک پہنچ گیا جہاں کہ غازیا کا بستر تھا اور اس نے وہاں پہنچتے ہی گولی چلا دی۔ مگر یہ بندوق خالی تھی کیونکہ غازیا ہمیشہ قریب کے نگہبان کی بندوق خالی رکھتا تھا لیکن دور کا نگہبان پورے اسلحہ سے لیس ہوتا تھا۔ اپنے ایسے ٹیکٹکس کی بناء پر وہ کئی بڑے المیوں کو مات دے چکا تھا۔

بندوق کو خالی پا کر کیپٹن سروپ کا جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ اسے علم تھا کہ اگر وہ پکڑا گیا تو وہیں ڈھیر کر دیا جائے گا۔ ایسی حالت میں اس کے قواء جواب دے گئے۔ اسے علم نہیں تھا کہ کس جانب بھاگ نکلے۔ وہ مڑ کر کسی جانب نکلنے والا تھا کہ اس نے سامنے ایک نگہبان کو بندوق تانے کھڑے پایا۔ اس نے کہا:

کیپٹن صاحب!

"غازیا تمہارے خیمے میں اس شخص کو سہلا رہا ہے جسے تم زخمی کر آئے ہو اور اس نے تمہیں وہیں پر بلایا ہے۔" ایسے میں کوئی بھی مجرم اپنے بدن سے روح کو نکلتا ہوا محسوس کرتا ہے سو سروپ کو بھی

یہی محسوس ہوا۔کیپٹن سروپ جب اپنے خیمے میں پہنچا تو غازیا وہاں سے نکل رہا تھا۔جس نے اس کی جانب دیکھا اور نہ ہی کوئی بات کی۔البتہ کیپٹن پر ایک دوسرا نگہبان مقرر کیا جاچکا تھا۔

سروپ کے لئے غازیا کی خاموشی بڑی پر اسرار اور جان لیوا تھی۔وہ حیران تھا کہ اسے اتنے بڑے جرم کے باوجود کچھ نہیں کہا گیا لیکن تذبذب میں تھا کہ اس کے لئے سزا کسی اور وقت تجویز کی جائے گی یا کسی وقت اسے خاموشی سے اڑا دیا جائے گا۔

اگلی رات سے اس نے محسوس کرلیا تھا کہ اس پر نگہبان بدلے جارہے ہیں اور وہ خاص کران کی نگاہوں میں آچکا ہے۔اس واقعہ کی خبر ریغمالیوں میں کسی کو بھی نہ ہونے پائی تھی۔

ایک صبح اسے کسی پرانی تاریخ کا لکھا ہوا خط ملا۔یہ خط پہلے کبھی یونٹ میں پہنچا ہوگا بعد میں اسے ایڈریس بدل کر ''روشن نگر'' پہنچا دیا گیا۔یونٹ والے ریغمالی کیپٹن کو اسی طرح خطوط پہنچاتے تھے۔بہرحال خط میں لکھا تھا کہ:

مہرباں!

ایک مدت سے تم نے رابطہ نہیں کیا۔تمہاری جانب سے کوئی آیا نہ گیا۔کیا تعلق اسی کو کہتے ہیں؟

تمہاری سنیتا

غازیا کی جانب سے سروپ کو یہ سہولت حاصل تھی کہ اسے اخبار پہنچا دیا جاتا تھا۔کیپٹن کا سنیتا سے واقعی رابطہ نہیں تھا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کہ اسے رنج تھا کہ سنیتا نے غازیا کی حمایت میں

طلباء کو متحرک کیا اور ان کے ہنگاموں کی وجہ سے ملک کے نیچ ذات والے طبقوں اور مسلمانوں کی ہمدردیاں غازیا کے حق میں ہوئیں۔اسی دوران اس نے سنیتا کو لکھا تھا کہ اپنی جدوجہد کا رخ نیلا کے حق میں کردو مگر اس نے سروپ کی رائے سے اتفاق نہیں کیا تھا اور اپنی جدوجہد کا رخ غازیا کی حمایت میں رکھا تھا۔

اسی دوران سنیتا کی جانب سے دو خطوط آئے تھے۔وہ دونوں فورٹ جیل سے لکھے گئے تھے۔ ان میں سے ایک خط غازیا کے نام تھا اور دوسرا سروپ کے نام، سنیتا کو یہ قطعی طور پر علم نہیں تھا کہ غازیا نے ان سب لوگوں کے بارے میں اچھی خاصی معلومات اکٹھی کر رکھی تھیں جنہوں نے اس کی تحریک کا ساتھ دیا تھا یا جنہوں نے اس کے حق میں اخبارات میں مضامین چھپوائے تھے اور ان میں سنیتا سرِ فہرست تھی۔غازیا نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تھا کہ مناسب وقت پر ان سب کو تشکر کے خطوط لکھے جائیں گے اور انہیں لکھا جائے گا کہ وہ اپنی جدوجہد کو مقدور بھر جاری رکھیں۔اسی وجہ سے اس کے دل میں سنیتا کے لئے خاص احترام تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ:

معزز و محترم غازیا کے نام!

آپ کی کامیابی بے مثال ہے جسے زمانے یاد رکھیں گے۔کاش میں اپنے عقیدت بھرے جذبات آپ تک پہنچا سکتی۔یونٹ کے ایک آفیسر نے مجھے بتلایا ہے کہ کیپٹن سروپ آپ کی قید میں ہے۔اس نے میرا شریکِ حیات ہونے کی قسم کھائی ہوئی ہے۔کیا آپ کو گوارا ہوگا کہ میں

اس کی محبت سے محروم رہوں۔

دعا گو

سنیتا

اگلی صبح کلدیپ نے ہنستے ہنستے غازیا سے پوچھا تھا کہ "سروپ کی بہن کی جانب سے آئے ہوئے خط کے مخفی مطالب آپ نے کیسے سمجھے تھے"۔

غازیا نے بڑی ہلکی سے مسکراہٹ سے اسے بتلایا کہ "جیپ سے جو سروپ کی ڈائری ملی تھی اس میں اس نے نیلا سے لی گئی تربیت کے بارے میں لکھا ہوا تھا اور اسی کے مطابق میں نے سمجھ لیا کہ وہ خط نیلا کی جانب سے تھا کیونکہ یہ تحریر وہی تھی جو نیلا کی جانب سے ہمیں قلعے میں ملی تھی اور خفیہ الفاظ کے مطالب اس کی ڈائری میں محتاط طریقے سے درج تھے۔"

اگرچہ غازیا کو یقین تھا کہ سروپ سنیتا کے لئے بڑے تلخ حالات پیدا کرے گا مگر سنیتا کی جانب سے خط میں کی گئی براہِ راست درخواست کی اس نے تمام تحفظات کے باوجود عزت افزائی کی اور دو دن کے بعد اسے رہا کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

میرے عزیز!

"تم اس راز کو نہیں پا سکو گے کہ تمہیں کیوں رہا کیا جا رہا ہے۔ حکومت کا نمائندہ تمہیں لینے کے لئے پہنچ چکا ہے کیونکہ ہم نے کہا تھا کہ وہ آپ کو آ کر لے جائیں۔ البتہ ہمیں امید ہے کہ آپ

آئندہ ہمیں ایسی آزمائش میں نہیں ڈالو گے کہ تمہیں سوائے ہلاک کرنے کے ہمارے پاس کوئی راستہ نہ رہے۔اب آپ جا سکتے ہیں"۔

چند ہی روز بعد سروپ جب فورٹ جیل میں ملنے گیا تو سنیتا سمجھ گئی کہ غازیا نے اس کے الفاظ کی عزت افزائی کی ہے۔ سروپ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے کہ کوئی تو اس کا سہارا بن کر آرہا ہے۔لیکن سروپ نے اسے ملتے ہی بڑے سخت الفاظ میں اس کی غازیا کی حمایت کے سلسلے میں بے عزتی کر ڈالی۔وہ ہکا بکا اسے دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی۔ یہاں تک کہ اس نے نیلا کی تنظیم کے ہاتھوں اسے جان سے مروا ڈالنے کی دھمکی بھی دی اور جاتے ہوئے اپنا وہ خط اسے دے گیا جو اس نے پوسٹ نہیں کیا تھا۔

سنیتا اپنی معصومیت کی وجہ سے اس غیر متوقع صورتِ حال کا سامنا کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں تھی۔اسے جیل والوں اور پولیس والوں کی جانب سے اپنے اوپر ہونے والے بے پناہ تشدد سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی تھی جتنی اب اسے اپنی روح میں دور تک اترتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کے خواب چکنا چور ہو گئے تھے۔

بہر حال اسے غازیا کی جانب سے اسی دن کچھ دیر پہلے ملا ہوا خط جس میں چند الفاظ درج تھے سے بہت سہارا ملا تھا اور وہ سنبھلنے اور نئی توانائی سے زندگی گزارنے کی ہمت سے آشنا ہو چکی تھی۔ وہ چند الفاظ یوں تھے کہ:

قابلِ احترام سنیتا کے نام!

آپ اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا اگر اللہ نے توفیق دی تو سارا روشن نگر آپ کے ساتھ ہے۔

دعا گو

غازیا

سنیتا کے خلاف وہ انکوائری جو جیل میں شروع ہوئی تھی اور جس پر یہ الزام تھا کہ اس کے ایک دہشت گرد اور باغی کی تحریک کی حمایت کی وجہ سے اسے سزا دی جائے۔ اس کیس میں تو وہ بری ہوگئی تھی مگر فیصلے سے پہلے کیپٹن نے سنیتا کی جانب سے لکھا ہوا خط عدالت میں پیش کر دیا اور یہ موٴقف اختیار کیا کہ اس نے ایک فوجی آفیسر پر بالواسطہ اثر انداز ہو کر اسے اس کے فرائض سے دور رہنے کے لئے اکسایا تھا۔ سنیتا کے لئے کیپٹن کی جانب سے خط میں اور عدالت میں جو الفاظ استعمال کئے گئے وہ نہایت ہی ذلت آمیز تھے۔

عدالت کو سنیتا خط کی موجودگی میں اپنی صفائی کے لئے متاثر نہ کر سکی تھی کیونکہ جو الزام لگایا گیا تھا اس کا دستاویزی ثبوت موجود تھا۔ اگرچہ سنیتا نے عدالت کو یہ باور کروانے کی کوشش کی تھی کہ وہ صرف اس کے ذاتی جذبوں اور ذاتی نظریے کا اظہار تھا اور قطعی طور پر کیپٹن پر اثر انداز ہونے کے لئے نہیں لکھا گیا تھا مگر عدالت اس کی اس دلیل سے متاثر نہ ہوئی تھی چنانچہ اسے ایک سال

سزائے بامشقت دے دی گئی۔

تعلیم یافتہ ہونے اور فورٹ جیل پر جس دن غازیا کی یلغار ہوئی اس رات کو سنیتا کے بہتر رویے کی بنا پر جیل احکام کے دل میں اس کے لئے نرم گوشہ تھا چنانچہ انہوں نے اپنے طور پر اس سے نہ صرف مشقت نہ لی بلکہ اسے اخبار اور ریڈیو وغیرہ کی سہولیات بھی بہم پہنچا دیں، اس نے جیل وارڈن سے درخواست کی کہ پچھلے مہینوں کی اخباروں تک اس کی رسائی ہونے دی جائے چنانچہ ایک دن وہ جیل کے باہر ایک جانب قائم ایک لائبریری میں اپنی ذاتی نگرانی میں اسے لے گیا۔

جیل میں ابھی اسے چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ کسی نے ایک صبح سنیتا کو خبر دی کہ اس کی ملاقات آئی ہے۔اس کے لئے یہ حیران کن لمحے تھے کیونکہ پورے بھارت میں اسے کوئی بھی ملنے کے لئے نہیں آسکتا تھا۔تحریک میں حصہ لینے کی وجہ سے اور خاص کر سزا ملنے کے بعد بڑے بڑے قریبی اسے ملنا چھوڑ گئے تھے۔جس خاتون پروفیسر نے کبھی اس کی مدد کی تھی وہ اتنا ہی اس کے لئے کر سکتی تھی۔اخبارات نے چند دن اس کے بارے میں خبریں دے کر اور سزا کے بارے میں لکھ کر کہانی ختم کر دی تھی۔

پہلے تو وہ اپنی وراثت کی وجہ سے اچھوت تھی لیکن اب سزا کے بعد وہ ذاتی طور پر بھی معاشرتی انسان کی نظروں سے گر گئی تھی۔وہ جائے تو کہاں جائے۔سزا بھی اسے دشمن کا ایجنٹ

ہونے کے الزام میں سنائی گئی تھی۔جیل میں ہر جرم کی سزا یافتہ خاتون تھی لیکن وہ بھی اس سے دور رہتیں۔ سب میں رہ کر بھی اس کے لئے یہ قیدِ تنہائی تھی۔کوئی اس کے لئے اپیل کرنے والا نہیں تھا اور کوئی رونے والا نہیں تھا۔

اس نے جیل کی سلاخوں سے باہر جھانکا تو کوئی شخص ہاتھ میں کتاب سی لئے کھڑا تھا۔آنے والے نے کہا:

"میرا نام کلدیپ ہے اور یہ غازیہ نے بھجوائی ہے۔ اور یہ کہ دو چار روز بعد وہ پھر اس سے ملنے آئے گا کیونکہ غازیہ نے بڑی عدالت میں اس کی سزا کے فیصلے کے خلاف اپیل دائر کروا دی ہے۔"

سنیتا کے ہونٹ کانپے مگر اس نے اپنی آنکھوں میں آنسو روک لئے۔کلدیپ واپس مڑا تو اس نے کہا کہ:

"آپ چند لمحے اور رک جاتے تو اچھا تھا"

کلدیپ نے کہا:

"ہم ایک دوسرے کے لئے بہت اجنبی ہیں اس لئے کوئی بھی بات نہیں کر پائیں گے"۔

سنیتا نے کہا:

"پھر بھی آپ رک جاتے تو اچھا تھا"

اس نے کہا:

کس لئے؟

سنیتا نے کہا:

''ہم ایک دوسرے سے خاموشی کا تبادلہ کر سکیں گے''۔

اس نے کہا:

''اس سے کیا فرق پڑے گا''

سنیتا نے کہا:

''قید کی خاموشی اور قید سے باہر کی خاموشی دو مختلف خاموشیاں ہیں اس تبادلے سے میں اس خاموشی سے لطف اندوز ہو سکوں گی۔''

کلدیپ نے اس کی آنکھوں میں ٹھہرے ہوئے آنسوؤں کو دیکھ کر ہلکی سی مسکراہٹ سے مڑتے ہوئے کہا:

''فی الحال ہم آنسوؤں اور مسکراہٹوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں اگلی بار خاموشیوں کا سہی!''

اور یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

سنیتا کے لئے وہ حیران کن کتاب تھی۔ اس کی جلد کے اندر رکھے ہوئے خط میں لکھا تھا کہ:

سنیتا دیوی:

کلدیپ آپ کے دھرم کا نوجوان ہے اور میرا قابلِ اعتماد ساتھی ہے۔ ہماری تحریک کے سلسلے میں آپ کی خدمات یادگار ہیں۔ یہ کتاب آپ کے ان تمام مضامین پر مبنی ہے جو ہمارے لئے چھپتے رہے۔ہم روشن نگر کی تعمیر کے سلسلے میں مصروف ہیں۔ رہائی کے بعد اگر آپ مناسب جانو تو ہم میں آن ملو۔ ہماری طرف سے یہ دعوت اس لئے ہے کہ آپ حقیقی طور پر باوقار ہیں کیونکہ آپ نے مشکل ترین حالات میں بھی سچائی کا پرچم بلند کرکے بے حیثیت اور بے وقار ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

دعا گو

غازیا

سنیتا نے پہلی بار اپنے لئے "باوقار" ہونے کے الفاظ سنے تھے اس لئے دیر تک اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے اور اس کے دل سے لاکھوں دعائیں غازیا کے لئے نکلتی رہیں۔

سنیتا اب تنہا نہیں تھی۔ روشن نگر والوں نے پوری قوت سے اس کا مقدمہ لڑا تھا۔عدالت نے دو چار پیشیوں کے بعد اسے رہا کر دیا۔عدالت کے باہر سنیتا کے استقبال کے لئے سب سے آگے کلدیپ کھڑا تھا جس نے اس کی رہائی پر آنکھوں میں خوشی کے آنسو روک رکھے تھے اور خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

سنیتا نے ہنستے ہوئے کہا:

آؤ ہم روشن نگر جا کر آنسوؤں اور مسکراہٹوں کا تبادلہ کر لیں۔ خاموشیوں کا تبادلہ پھر کبھی سہی۔
راستہ بن جانے اور مستقبل کی ترجیحات و منصوبہ بندی کا اعلان ہو جانے کے بعد یہ سارا کارواں جب عبرت گاہ کی زمینوں پر پہنچا تو اس وقت شام کا پہلا ستارہ پہلے دن کے چاند کو سلامی دے رہا تھا۔ پورے آسمان کی وسعتوں میں بس یہ دونوں ہی تھے جو زمین والوں میں اس چھوٹے سے قافلے کو دیکھ رہے تھے اور ان کے قلب و شعور میں مچلتی ہوئی آرزؤں اور امیدوں کی روشنی میں مدہم ہی سہی مگر اپنی روشنی بھی شامل کر رہے تھے اور آواز دے رہے تھے کہ:

اے روحِ زندگی کو آراستہ کرنے والے معزز انسانو!

ہمارا سلام لے لو! ہم بھی صبحوں کو واپس کھینچ کر لانے والے مسافرانِ شب ہیں اور ان کی آواز کو سننے والے جسم و جاں کی ساری تھکن کو ایک طرف کر کے جواب دے رہے تھے کہ:
"مرحبا! مرحبا! مگر جو صبح ہم کھینچ کر لائیں گے اس کے سورج لازوال ہوں گے کیونکہ ان کی روشنی روحِ اسلام سے حاصل ہو گی"۔

غازیا نے اپنے ساتھ آنے والوں کو ذرا سنبھلنے اور آرام کرنے کے بعد اگلی رات کو یوں ہی رائیگاں نہیں جانے دیا تھا اور اس میں بستی کے سارے آئین و قوانین کو تفصیل کے ساتھ مکینوں کے سامنے پیش کر کے رکھ دیا تھا۔ لوگ مضمحل ہونے کے باوجود سوئے نہیں تھے

اور وہ جان گئے تھے کہ:

''امتحاں درپیش ہے''

وہ سمجھ گئے تھے کہ:

خواب،تصورات اور آرزوئیں یوں تو سبھی انسان کو فردوس نما وادیوں میں محوِ پرواز رکھتی ہیں لیکن ان کی جمیل ترتعبیریں جسم وجان اور قلب وشعور کی آزمائش کا تقاضا کرتی ہیں جس میں صرف قربانی ہی قربانی ہے۔رت جگے ہیں۔بھوک وپیاس اور تھکن کو شکست دینے والے،نہ ٹوٹنے والے ارادے،بغیر لالچ اور خوف کے مسلسل جدوجہد اور تب آگے ہی آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے قدم کہ جو کامیابیوں اور ناکامیوں سے ماورا رہتے ہیں۔

انہیں نظر آرہا تھا کہ:

اب ہمارا پیچھے لوٹنے کا مطلب مسائل کی آتش وآہن کے نرغے میں آجانا ہوگا جہاں بڑی ذات والے،نیلا کے جانثار اور انتہاپسند ہندو انہیں ریزہ ریزہ کرڈالیں گے اور ان کی نسلوں کو بلکتا ہوا چھوڑ دیں گے۔

انہیں علم ہوچکا تھا کہ:

''غازیا نے عبرت گاہ کو روشن نگر میں بدلنے کے لئے جو آئین دیا ہے اس کے تحت وہ اپنی عمروں کی آرزوؤں کی جلتی ہوئی پیاس کو آبِ حیات کے شیریں چشموں سے بُجھالیں گے''

انہیں یہ خبر تھی کہ:

"اب ان کو اپنے جسم مٹی میں مٹی اور ہاتھوں کو چھالوں میں بدلنا ہوگا مگر بدلے میں انہیں لازوال اور جمیل ترجنتیں بھی نظر آ رہی تھیں جن میں کہ وہ اور ان کے بچے بھوک سے بلکتے ہوئے نہ سو جاتے۔ جہاں وہ بے انصافی اور بے عدلی کا شکار نہ ہوتے۔

جہاں نہ انہیں غربت کا خوف، نہ دولت سمیٹنے کا لالچ، جہاں بچوں کی نظروں میں بڑی درسگاہوں کا غرور اور نہ چھوٹی درسگاہوں کی بے بسی کا منظر ہوتا۔ جہاں دربدر پھرنے کی ذلت اور مشقت نہیں۔ جہاں ایک سب کے لئے اور سب ایک کے لئے جی رہے ہوتے۔

سب خاموش تھے مگر بہتے آنسوؤں میں ہونٹ مسکرا رہے تھے انہیں پہلی بار احساس ہو رہا تھا کہ وہ کتنے نامحترم تھے مگر قرآن کے احکام سے آراستہ بستی میں آ کر وہ محترم انسانوں سے زیادہ محترم ہو گئے تھے کیونکہ مقامی اخباروں نے غازیا کی زیرِ قیادت ان اچھوتوں اور شودروں کی فتح کو علاقے میں اسلام کی فتح قرار دیا تھا۔ انہوں نے لکھا تھا کہ:

"یہ لوگ جس نظام کو اپنانے کی راہ پر چل پڑے ہیں وہ اتنی طاقتور اور اثر انداز ہونے والی ہے کہ کوئی شخص چاہے وہ معاشرے اور حکومت میں کتنا بھی اثر والا ہو اگر ان کے مقابل ٹھہرنے کی کوشش کرے گا تو چکنا چور ہو جائے گا۔"

یہ کوئی آدھی رات کا وقت تھا جب لوگ اگلی صبح کے انتظار میں اپنی اپنی خواب گاہوں میں

چلے گئے اور کچھ دیر تک وہ آنکھوں میں ستارے لئے آنے والے زمانوں کے چاند سورج دیکھتے رہے اور دیر تک جاگے پھر سبھی مسرتوں کی شالیں اوڑھ کر سو گئے اور ان پر شبنم قطرہ قطرہ برستی رہی اور وہ اگلی صبح کے لئے مہکتے خواب دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ جب رات ٹوٹی اور ستاروں کے چراغ ٹمٹمانے لگے تو روح ہلال سے مہک لئے ہوئے اذان کی آواز جو غازیا کے ہونٹوں سے ادا ہو رہی تھی نے عبرت گاہ کی الم انگیز اور پریشان حال فضاؤں کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا کیونکہ یہ پیغام تھا کہ اب تمہارے عبرت گاہ بنے رہنے کے دن ختم ہوئے کہ اب تمہاری رسوائیوں اور ذلتوں کے دن ختم ہوئے کہ اب تمہارے اندھیروں میں غرق رہنے کے دن ختم ہوئے کیونکہ اب تمہارے نورانی مہک میں رچے رہنے کے دن آ گئے کہ جہاں اب سوائے ذاتِ برتر کے ذکر کے سارے صنم اور ساری شکلیں فنا کر دی گئیں ہیں۔ جہاں مسلمانوں میں موجود فرقوں کی جڑیں کاٹ دی گئی ہیں۔ جہاں غربتیں ختم کر دی گئیں ہیں اور جہاں زوال کا پس منظر سبق بنا کر روحوں میں نقش کر لیا گیا ہے تا کہ پھر کبھی نہ زوال ہو۔

اور اب تک اذان ان الفاظ تک آ گئی تھی اور جن کا مفہوم یوں تھا کہ :

حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح

اے نوع انساں!

محمد ﷺ کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے اس کی راہ اپنا لو کیونکہ وہی سیدھی راہ ہے اور اسی کے

طریق زندگی اپنالو (صلوٰۃ) کیونکہ اسی سے وہ نورانی منزل مل سکتی ہے کہ جس میں ابدی اطمینان اور لازوال سرخوشی میسّر آسکتی ہے (فلاح)

اور یہ کہ:

"الصلوۃ خیر من النوم"

یعنی محمد ﷺ کا نافذ کردہ جو کہ اللہ کا دیا ہوا نظامِ زندگی ہے وہ دنیا کے دیگر تمام خواب آلود نظاموں سے حسین و برتر ہے اور تم بیدار ہو کر اللہ کی پرستش کرتے ہوئے اس نظام میں داخل ہوجاؤ (صلوٰۃ) تاکہ لازوال پاکیزہ مسرتوں کے مالک بن سکو (خیر) اور آؤ تم سجدہ گاہ کی جانب کہ جہاں تم اپنی روح، دل اور شعور کو اس کا ماتحت کرکے دلیل کے طور پر سجدہ ریز ہو سکو۔

غازیا نے اذان کے بعد کی دعا جو روشن نگر والوں کو بتلائی وہ حسین تر تھی کہ:

اے اللہ!

"محمد ﷺ وہ ہستی ہے کہ جسے تو نے بلند ترین درجات عطا فرما کر اس کا نام ہمیشہ کے لئے بلند کردیا ہے کیونکہ وہ سراجاً منیر ہے اور بشیر و نذیر ہے۔ تو ہمیں ہمت دے کہ ہم تیرے نازل کردہ نظامِ حیات کو اس کے سلیقہ زندگی کے مطابق سمجھ کر اپنانے کی کوشش کریں تاکہ ہم اک ناختم ہونے والے اطمینان کی جانب گامزن ہوسکیں۔"

یوں ہی ہوتے ہوتے وہ اذان جب اپنے اختتام کو پہنچی تو طلوع ہوتے ہوئے صبح کے ستارے کی طرح ایک ایک کر کے سبھی لوگ عورتیں اور مرد روشن نگر کے اس کھلے میدان کی جانب رواں تھے کہ جہاں آسمان اک عمر کے بعد پھر سے ربِ کائنات کے سامنے جھکنے والی جبینوں کا نظارا کرنے والا تھا اور تب غازیا کی اقتداء میں مرد ایک جانب اور خواتین دوسری جانب ''اللہ اکبر'' کہتے ہوئے کسی گلستان کے پھولوں کی طرح قطار اندر قطار اسی، ہستی لازوال کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہونے کے لئے سر جھکائے کھڑے تھے۔ پھر غروب ہوتے ہوئے ستاروں نے بھی اسی عبرت گاہ میں پھر سے برسنے والی رحمتوں کا نظارا کیا اور تب انہوں نے بھی اسی خاک میں طلوعِ حیات کا نظارا کیا اور تب انہوں نے بھی اسی خاک میں طلوع ہوتی ہوئی نورانی سحر کا سپیدا دیکھا۔ پھر اس مختصر سی نماز کے بعد مختصر سی دعا اللہ کی عظمتوں کی جانب رسائی کے لئے کوشاں تھی کہ:

اے کائناتوں کو تخلیق کرنے والے!

''ہمیں ہمت وتوفیق اور حوصلہ دے کہ ہم اس عبرت گاہ کو اس طرح آباد کر ڈالیں کہ تیری رحمتوں کے امیدوار بن جائیں''

اور پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ کندھے پر کدال رکھے غازیا سب سے آگے تھا اور لوگ پیچھے پیچھے اپنی اپنی کدالیں اور دوسرا سامان اٹھائے چل رہے تھے۔ پھر مخصوص کی گئی

زمینوں کے ایک کنارے سے شروع کرنے کے لئے نعرۂ تکبیر کی بلند صدا کے ساتھ وہاں پر زمین میں دھنسے ہوئے پتھر پر پہلی چوٹ غازیا نے لگائی اور تب اس کے بعد چل سو چل۔

ایک طرف ٹریکٹر اور بلڈوزر اور دوسری جانب یہ اللہ کے سپاہی دل و جان ایک کئے ہوئے زمین کا سینہ چیر رہے تھے اور ہر جانب ''اللہ اکبر'' کی صداؤں کا ہی شور تھا۔ کوئی عورت کوئی بچہ پیچھے نہیں تھا۔ کوئی ٹوکری اٹھائے، کوئی درانتی لئے، کوئی صرف ہاتھوں سے ہی کانٹے دار جھاڑیوں کو جڑ سے اکھیڑنے کے لئے کوشاں تھا۔ یوں تھا کہ جیسے جذبوں کا طوفان ابھرتا اور ٹکراتا ہی چلا جارہا تھا اور بڑی سے بڑی رکاوٹ یا بڑے سے بڑا پتھر جو بھی راستے میں آیا پاش پاش ہوتا جارہا تھا۔

غازیا نے چھ چھ سو افراد کی تین ٹولیاں بنائی تھیں۔ ہر ٹولی آٹھ گھنٹے کام کر کے آجاتی اور اس کی جگہ دوسری چھ سو افراد کی ٹولی لے لیتی۔ اسی طرح چوبیس گھنٹے کام ہو رہا تھا اور کوئی لمحہ ایسا نہیں تھا کہ جب ان زمینوں کے سینے نہ چاک ہو رہے ہوں اور بہاریں لانے والے پھولوں، پھلوں اور فصلوں کے بیج نہ کاشت کئے جا رہے ہوں۔

دیکھتے ہی دیکھتے زمینیں ہموار ہو گئی تھیں۔ جہاں پانی کے لئے ٹیوب ویل لگائے تھے وہ پانی اگلنے لگ گئے تھے۔ ہر ہر کامیابی پر شکر کے سجدے ہوتے تھے اور دعاؤں کی صدائیں بلند رہتی تھیں۔

اگلے منصوبے میں اَن تھک جانبازوں نے دریائے کرشنا کو نکیل ڈال دی تھی۔ وہ دور دور سے پتھر لے آئے تھے اور انہوں نے نئے سرے سے بند کو اتنا مضبوط اور بلند کر دیا کہ دریا کی بلند سے بلند لہریں بھی بس اس کے پاؤں ہی چھو کر چلی جاتی تھیں اور وہ اس کی بلندی پر کھڑے غازیا کو دیکھ دیکھ کر کہتی تھیں:

مرحبا!

"اے گردابوں کو شکست دینے والے ہم تیرے سینے میں پیدا قوتِ تسخیر سے پناہ مانگتی ہیں"۔

ایک سال کا عرصہ کیا گزرا کہ یوں لگا کہ جیسے سینکڑوں سال کی محنت ثمر بار ہو گئی ہو۔ کوئی دیکھے تو کبھی یقین نہ کرے کہ ان آڑھائی تین ہزار انسانوں نے اس علاقے کا حلیہ بدل کے رکھ دیا تھا۔ اب کوئی جنگل کوئی دلدل کوئی خار دار جھاڑی دور دور تک کوئی پتھر نظر نہیں آ رہا تھا۔ لگتا تھا کہ فضائے بدر کی طرح اللہ نے ان انسانوں کی مدد کے لئے بھی فرشتوں کو قطار اندر قطار بھیجا ہو گا کیونکہ وہ بھی محمد ﷺ کے راستے پر چل پڑے تھے۔ ان پر بھی وہ مقام آئے جب انہوں نے خندق والوں کی طرح پیٹ پر پتھر باندھ لئے۔ ان پر بھی وہ مقام آئے جب ہاتھوں کے چھالوں سے خون رستا رہا۔ مگر نعرۂ تکبیر کی صدا اور بھی بلند ہوتی رہی تھی اور کدالیں ہر رکاوٹ کو پاش پاش کرتی رہیں اور آرے جنگل کے خود سر فولادی درختوں کو کاٹ کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہے اور تب کرشنا کے بند سے لے کر روشن نگر کے اس پار دور بستی کی آخری زمین کے

کنارے تک جہاں جہاں باغات لگائے جانے تھے لگا دیئے گئے۔

دوسرا سال کیا ختم ہوا کہ مرکزی مسجد، درسگاہیں اور گرداگرد نہر تیار تھی اور سرمئی سڑکیں سینہ تانے اپنے مسافروں کے انتظار میں تھیں۔ حیرت ہے کہ یہ پیسہ کہاں سے آیا یہ برکت کیسے ڈلی۔ آخر رازدانوں نے راز کھولا کہ:

جن پانچ سو افراد کو غازیا نے کاروبار پر لگایا تھا ان کو بیت المال کی جانب سے جو کاروبار کھول کر دیئے ان میں ایک سنار کا تھا۔ دوسرا کپڑے کا، تیسرا پرچون کا۔ اس طرح بڑے ہی مختصر پیمانے پر سارے کاروبار تھے۔ لیکن ہر دوکان کے باہر لکھا تھا کہ:

"دوکاندار کی جانب سے کسی بھی قسم کے دھوکے کی صورت میں روشن نگر کی عدالت سے اس کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں گے"

لوگوں کا ہجوم ان دوکانوں پر رہنے لگا۔ دوسرے شہروں سے لوگوں کا تانتا بندھ گیا وہ کاروبار چوبیس گھنٹے کھلے رہتے۔ ایک ایک کاروبار میں بیس بیس لوگ کام پر لگ گئے۔ کاروبار کے مشیر نے غازیا سے درخواست کی کہ مزید دوسو آدمیوں کو بھیجا جائے کیونکہ صرف سونے کے کاروبار میں ڈیڑھ سو آدمی مصروف ہوگئے۔ کپڑے کے کاروبار نے اتنی وسعت پائی کہ ساٹھ آدمیوں کی کھپت بھی کم سمجھی گئی۔ صرف پرچون کے ایک سٹور سے دوسرے قریب کے شہروں میں دس سٹور اور کھولنے پڑے۔

جس کاروبار پر بھی لکھ دیا جاتا تھا کہ:

''روشن نگر'' تو لوگوں کے ٹھٹھ کے ٹھٹھ لگ جاتے تھے۔لوگوں کو یقین تھا کہ''روشن نگر'' کے کسی کاروبار سے حاصل کی گئی شے خالص ترین اور سستی ترین ہو گی۔

بڑے بڑے دیگر کاروباری اداروں کے لئے یہ حالات چونکا دینے والے تھے لیکن غازیا کی قوت سے ڈر کر ان کی سازش کے لئے ہمت نہ پڑتی تھی۔شروع میں انہوں نے جو الزامات لگانے کی کوشش کی تو وہ کہیں بھی ثابت نہ ہو سکے۔انتہا پسندوں کے مددگار اپنے اپنے کاروبار سمیٹ کر دوسرے شہروں کا رخ کر رہے تھے کیونکہ وہاں کے دیگر ہندو خون خرابے کی بجائے امن کو چاہنے والے تھے۔انہیں بھی غازیا کی صورت میں اک نجات دہندہ ملا تھا۔ان کا بھی ہجوم انہی دو کانوں پر تھا اور دوسرے نقصان اٹھا اٹھا کر جا رہے تھے۔اخباری نمائندوں نے غازیا کو تمام کاروبار کی خوشحالی کے راز کے بارے میں استفسار کیا تو اس نے صرف اتنا کہا کہ:

محمد ﷺ نے ہمیں ''سچ'' اور ''کم منافع'' کے بارے میں تلقین کی ہے سو ہم اسی پر کاربند ہیں۔

ہر شام بیت المال بھر جاتا تھا اور اگلی صبح بستـــــی کی تعمیر میں خالی ہو جاتا تھا۔ دور دور کے سیٹھوں نے صرف غازیا کے نام کی گارنٹی پر لاکھوں کا مال کریڈٹ پر بجھوا دیا تھا۔

تیسرے سال کے اختتام تک عبرت گاہ "روشن نگر" میں بدل چکی تھی۔ بہاریں پھولوں سے پیدا رنگ وخوشبو کے خزانے لئے آ پہنچی تھیں۔ گندم کی فصل کی دور دور تک بالیاں سنہری ہورہی تھیں۔ بلبلیں غول در غول اور تتلیاں قطار اندر قطار روشن نگر کے گلستانوں میں اتر رہی تھیں۔ محسوس کرنے والے محسوس کر سکتے ہیں کہ رنگ، خوشبو اور نغمے سبھی نے ایک ساتھ اس کی فضاؤں کو گھیرے میں جب لے لیا تھا تو کیا منظر ہو گا۔

ہوتے ہوتے اب وہ دن آ گیا تھا کہ جب ہر گھرانے کو تعمیر شدہ گھر مل جانا تھا۔ اک ایسا گھر جس کی بنیادوں سے لے کر اس کے بام کے کناروں تلک اس کے پسینے کی خوشبو بھی رچی ہوئی تھی۔ یہ قرعہ اندازی مرکزی مسجد میں ہونا قرار پائی تھی اور اس کا وقت نمازِ سحر کے بعد کا رکھا گیا تھا۔

آج روشن نگر ملک کے نقشے پر مکمل اور حسین ترین مسلم بستی کی صورت میں ابھرا تھا۔ اس دور کی کونسی نعمت تھی جسے وہ حاصل نہ کر سکے تھے۔ ہر گھر میں سب کچھ رکھا ہوا تھا۔ مگر کوئی بھی بیتاب نہیں تھا۔ کوئی بھی آگے بڑھ بڑھ کر کسی گھر کے لئے اپنی خواہش کا اظہار نہیں کر رہا تھا۔ وہ سب بڑے اطمینان سے بیٹھے تھے۔ یہاں تک کہ خواتین زیادہ شاکر اور صابر تھیں۔ ساری بستی والوں نے سجدۂ شکر ادا کیا تھا اور اب وہ اٹھ اٹھ کر سامنے لپٹے ہوئے رکھے گئے کاغذات کو باری باری اٹھا رہے تھے۔ وہ گھر کی ملکیت کے کاغذات تھے جس پر گھر کا

نمبر بھی درج تھا۔ بلا مبالغہ سبھی کی آنکھوں میں آنسو تھے اور غازیا سبھی کو کسی نہ کسی بات پر ہنسانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ کانپتے ہونٹوں میں مسکرا بھی رہے تھے اور خوشی کے آنسو بھی پونچھ رہے تھے۔ جب کلدیپ کاغذ اٹھانے آیا تو غازیا نے کہا:

صرف کنواروں کے گھروں کے باہر عبرت گاہ لکھا جائے گا"

اس پر سب ہنس دیئے۔ کلدیپ نے کہا:

"مگر یہ فقرا شادی شدہ لوگوں کے گھروں کے باہر لکھنا چاہیئے"

اس پر مزید ایک زوردار قہقہ لگا۔

جب سب کاغذات اٹھا چکے تو غازیا نیلا کے بیٹے کے پاس گیا جو سب کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے جا کر اسے اوپر اٹھا کر کہا:

میرے بچے!

روشن نگر میں تم بھی ایک گھر کے حق دار ہو اس لئے کہ تم نے بھی اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ہمارے ساتھ پتھر اٹھائے ہیں۔ دھوپ سہی ہے اور ساتھ ساتھ رہے ہو۔ تم بھی جاؤ اور کاغذات اٹھاؤ۔

کلدیپ نے کہا:

ناگن کا بیٹا ناگ ہوتا ہے!

غازیانے کہا:

یہ ناگن کا نہیں انسان کا بیٹا ہے اور قرآن کی آگاہی کے مطابق ہر شخص سلامتی کی راہ پر پیدا ہوتا ہے مگر یہ ہم (انسان) ہیں جو اسے اچھی یا بری راہ کی تربیت دیتے ہیں اس لئے اس کی اپنی شخصیت ہے اور یہ گھر صرف اس کی ملکیت ہوگا اس شرط پر کہ اس میں نیلا نہیں آئے گی ورنہ یہ ملکیت خود بخود ختم ہوکر بیت المال کے نام چلی جائے گی اور ہم اس کی محنتوں کا صلہ دینے کے پابند ہیں۔ اس لئے کہ اس کے ہاتھوں میں بھی کانٹے چبھے تھے اس نے بھی مٹی اٹھا اٹھا کر زخم کھائے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ جو کوئی اسے منع کرتا تھا یہ روتا تھا اور سب کے ساتھ ساتھ چلتا رہتا تھا۔

سب نے غازیا کی تائید کی۔ غازیانے بتلایا کہ:

''یہ فیصلہ مشیروں کے مشورے سے کیا گیا ہے''

ہر گھرانے کو گھر مل چکا تھا اور وہ کئی بار آسمان کی جانب دیکھتے اور کئی بار ہاتھوں میں کاغذات پکڑے تقریباً تین سال پہلے والے ماضی میں تصوراتی طور پر سفر کر چکے تھے۔ ان کے سامنے وہی زمانہ کہ جب غازیا آیا تھا اور وہ اٹھ اٹھ کر اس سے سوالات کرتے تھے اور تب جنگ جب کہ کچھ پتہ نہیں کونسی جان بچے گی اور کون مارا جائے گا۔ ان کے سامنے غازیا کی جدوجہد کا ایک ایک دن تھا اور ایک ایک لمحہ کی راہنمائی تھی۔ وہ سوچتے رہے کہ:

کجا وہ دن کہ جب ان کی کوئی چھت نہیں تھی اور تنکوں کی جھونپڑیاں تنکوں کی طرح اڑ جاتی تھیں اور کجا آج کہ جب وہ روشن نگر کی جنت میں فردوس نما گھروں کے مالک ہیں۔

غازیانے مسجد سے نکلنے سے پہلے سب کی جانب دیکھا اور زیرِلب مسکراتے ہوئے کہا:

بہنوں اور بھائیو!

"مسکرا دو کہ شبِ تار سحر بار ہوئی"

وہ سب معصوم سی مسکراہٹ لئے غازیا کے پیچھے چل دیئے اور صبح کی پہلی کرنوں کی روشنی لئے اپنے خوابوں کی تعبیریں لئے سبھی اپنے اپنے گھروں میں داخل ہوکر سجدۂ شکر کر رہے تھے۔

اگلی صبح غازیانے نمازِ سحر کے بعد جو اعلان کیا وہ بھی بڑا دلچسپ تھا۔

بستی میں سے جس شخص کے پاس سنیارے کا ہنر تھا اور غازیانے اسے سونے کے کاروبار کے لئے خواتین کے زیورات کو بیچ کر پیسہ دیا تھا اور اس کاروبار کا مالک بستی کا بیت المال تھا تو دوکان اتنی زیادہ چلنی شروع ہوگئی کہ پورے بھارت سے لوگ وہاں آ کر بے فکر ہوکر اپنی پسند کے زیورات حاصل کرتے اور پسند نہ آنے پر واپس کر جاتے اور دنیا کے کسی بھی کونے میں جاکر ان زیورات کو پرکھا جاتا تو وہ اسی معیار اور مقدار کے ہوتے جتنا کہ گاہک کو لکھ کر دے دیا گیا ہوتا تھا۔ اس دکان کو بہت وسیع کیا گیا۔ اس دوکان پر اور اس کی آمدنی پر حکومت کی جانب سے عائد ہر طرح کے ٹیکس ادا کر کے اس کی بہت زیادہ آمدنی بیت

المال کو حاصل ہوتی رہی۔ دو سال کا عرصہ پورا ہونے کے بعد جب حساب کیا گیا تو صرف اس ایک کاروبار سے چونکا دینے والی آمدنی حاصل ہوئی تھی۔ غازیا نے مشیروں سے مشورہ کر کے ان تمام خواتین کو کہ جنہوں نے پہلے پہل اپنے زیورات کی قربانی دی تھی۔ ہدایت کی کہ:

وہ نہ صرف جتنی مالیت کا زیور جمع کروایا تھا اتنا ہی اپنی پسند کا نیا زیور بنوا کر واپس حاصل کریں بلکہ بستی کی جانب سے تحفتہً اس سے دوگنی مالیت کا مزید زیور حاصل کریں۔ خواتین کے لئے یہ اک اپنی طرز کی مسرت کے عجیب لمحے تھے۔

ان میں سے بہت سوں کی پلکیں آنسوؤں سے جھلملا اٹھیں۔ انہوں نے غازیا سے کہا:

اے نیک انسان!

"ہماری زندگی، جان اور مال سب اللہ کی راہ میں امانت ہیں اس لئے جب بھی اس بستی کو ضرورت پڑے گی یہ یونہی بغیر کسی لالچ کے قربان کر دیئے جائیں گے"۔

نیلا انتہا پسندوں اور تشدد پسندوں سمیت پسپا ہو چکی تھی۔ کیا مسلم، کیا ہندو، اچھوت، سکھ، عیسائی غرض اس چھوٹے سے علاقے میں رہنے والے کرشنا کے اس پار سبھی امن کے جھولے جھول رہے تھے۔ روشن نگر یوں تھا کہ جیسے کسی اندھیری رات کے مسافر کو جلتا ہوا چراغ دکھائی دے اور جب وہ وہاں پہنچے تو واقعی وہ اس کی منزل ہو۔ کئی مہینے گزر گئے تھے اس علاقے کی

جانب سے عدالت میں یا پولیس اسٹیشن میں کوئی آیا نہ گیا۔لوگ اپنے فیصلے روشن نگر کی عدالت میں لے جاتے اور فریقین پہلے سے معاہدے کر لیتے کہ وہ فیصلے کے پابند ہوں گے۔کوئی جھگڑا کوئی مسئلہ ہوتا غازیا کو ثالث مقرر کر لیا جاتا۔ وہاں کی زندگی نے عجیب طرز اختیار کر لی تھی۔ ساتھ کی بستیاں روشن نگر کی کتنی مقروض تھیں حساب رکھنا مشکل تھا مگر حیرت ہے کہ سبھی سود سے آزاد تھے۔ روشن نگر والوں کی آمدنی اتنی بڑھ گئی تھی کہ کوئی فرد زکوٰۃ لینے والا نہیں رہ گیا تھا۔ بیت المال لبالب بھر گیا تھا۔

درسگاہیں زندہ علم دے رہیں تھیں۔بچے، جوان، بوڑھے، عورتیں، مرد سب وہاں کے طالب علم تھے۔ جدھر جاؤ علم کی بہار، محبت کے نغمے، مسرتوں کے ڈیرے، باہر کے شاعر کہتے کہ:

"اس بستی کو آسماں جھک جھک کر دیکھ رہا ہے"

نیلا صدیوں سے آزمائے جانے والے مسلمانوں کو پارہ پارہ کرنے والے اس طاقت ور حربے میں بھی ناکام رہی تھی۔اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا کہ جسے وہ آزماتی اور روشن نگر والوں کو برباد کر سکتی۔اسے روشن نگر کی حسین راتوں اور جواں ایام کو دیکھنا پڑ رہا تھا۔اسے کئی اچھوتوں کو مسلمان ہوتے دیکھنا پڑ رہا تھا۔ چاند راتوں کے جشن اور درسگاہوں میں پرورش پاتا ہوا زندگی کا حسن کہ جس کی درخشندگی نمودار ہو رہی تھی۔اسلامیوں کے اسلام کے ظہور پذیر ہونے والا "یومِ اسلام" کا جشن، یہ سب کچھ اس کے اور اس کے ساتھیوں کے لئے اک

عذاب میں بدل رہا تھا" ان کی جانب سے سازشیں بنتیں اور خود ہی فنا ہو جاتیں۔ تین سال مکمل ہو گئے اور نیلا اپنا بیٹا واپس لے چکی تھی۔

کلدیپ کا سنیتا سے نکاح ہونا ٹھہرا تھا۔ بستی کی عورتیں سنیتا کو ساتھ ساتھ لئے پھرتی تھیں جیسے یہ ان کی اپنی بیٹی ہو یا جیسے ان کی اپنی بہو بننے والی ہو۔ پورے زور کی تیاریاں شروع تھیں۔

غازیا نے کہہ دیا تھا کہ:

"یہ شادی کلدیپ اور سنیتا کے دھرم کے رسوم ورواج کے مطابق ہوگی۔ ہمارے انداز سادہ سی مگر دونوں کو اجازت ہے کہ بستی کے آئین کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنی خواہشات کا اظہار کریں اور ہم اللہ کی توفیق سے انہیں پورا کرنے کی کوشش کریں گے۔ کلدیپ اگرچہ مسلمان نہیں تھا مگر غازیا کے بعد پوری بستی میں وہ محترم جانا جاتا تھا کیونکہ وہ با اصول اور بڑا دانشمند تھا۔ بس اتنا تھا کہ وہ مشیروں کو بھی کبھی کبھی مذاق کرنے سے باز نہ آتا تھا جس پر غازیا مسکرا دیتا۔ پھیروں کے لئے پونماشی کی رات چنی گئی۔ ساتھ کی بستی والی بعض عورتوں نے آرتی اتاری۔ جشن روشن نگر کا تھا مگر منایا دوسری بستیوں میں بھی جا رہا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ دولہے والی بستی کونسی ہے اور دولہن والی کونسی۔ سنیتا اگرچہ بڑے نام والی صحافی تھی اور ملک کی اخبارات میں اس کا بڑا اونچا مقام تھا مگر وہ اس لمحے محبت

کرنے والوں کے سامنے اپنے آپ کو بچہ محسوس کررہی تھی۔

انہیں روشن نگروالے مندر میں لے جایا گیا جہاں کبھی نیلا کا سوئمبر ہوا تھا۔پھر اگنی روشن ہوئی، آنچل کے کناروں سے دامن باندھا گیا اور انہوں نے محبت اوڑھ لی اور مندر میں دیئے کی لو کی طرح انہوں نے دلوں میں پیار کے دیپ جلا لئے جو دوسروں سے اوجھل سہی مگر ان کی آنکھیں اس روشنی سے مہک گئی تھیں۔

یہ خبر نیلا تک بھی پہنچی مگر جب اگلی صبح ہوئی تو صبح سویرے پولیس کے ہرکارے نے غازیا کو ملک کی بڑی عدالت کا سمن تھما دیا۔جس میں لکھا تھا کہ ”آپ کی بھارتی شہریت نہ ہونے کی وجہ سے قانون کی فلاں فلاں دفعہ کے تحت آپ کو کیوں نہ بھارت چھوڑنے کا حکم دیا جائے۔“

فلاں تاریخ کو لگائے گئے الزامات کا جواب دیا جائے اور استغاثہ کا سامنا کیا جائے۔

یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح روشن نگر میں اور پھر ساتھ والی بستیوں میں پھیل گئی۔غازیا دیر تک حیران رہا۔مگر جان گیا کہ:

”یہ کوئی سازش، کوئی وار ہوگا اور اگر اللہ نے چاہا تو کوئی مبارک نتیجہ ہی نکلے گا۔“

غازیا کی عادت تھی کہ ہر پیدا ہونے والے حالات کے لئے سجدے میں گر جاتا تھا اور پھر اللہ سے ہی دعا مانگ کر حالات کا تجزیہ کر کے اس کے مطابق فیصلہ کر کے چل پڑتا تھا۔

ملک کی تاریخ میں یہ بہت بڑا مقدمہ گنا جارہا تھا۔

اخباروں کو بہت بڑا موضوع مل گیا تھا۔ مخالفین ڈٹ کر لکھ رہے تھے اور عدالت میں پیشی سے پہلے ہی بہت کچھ لکھا جا چکا تھا۔ سنیتا نے اپنی دلہن کی شال ایک طرف کر کے پوری قوت سے قلم سنبھال لیا تھا اور غازیا کے خلاف لکھے جانے والے مضامین کا منہ توڑ جواب دے رہی تھی اور بڑھ بڑھ کر نیلا اور اس کے ساتھیوں کے خلاف حملہ آور ہو رہی تھی۔ انتہا پسندوں کا اس کے خلاف بس نہیں چلتا تھا کیونکہ وہ روشن نگر والوں کی عزت بن چکی تھی۔ کسی کی جرأت نہیں پڑ رہی تھی کہ اسے کوئی گزند پہنچائے یا کوئی گرا ہوا لفظ اس کے لئے لکھے۔ سنیتا نے کمال کر دیا تھا۔ اُس طرف سے لکھنے والے کئی تھے ادھر سے غازیا اور مسلمانوں کے حق میں لکھنے والی صرف اچھوت سنیتا تھی۔ یہاں تک کہ اب اسکا قلم ایک قدم آگے اسلام کی رحمتیں اور غازیا کا سلیقۂ زندگی پر بڑی روانی سے لکھتا جا رہا تھا۔ جس روز سنیتا کا کالم چھپتا مسلمان، عیسائی، سکھ، اچھوت اور دوسری اقلیتوں والے بڑھ بڑھ کر اس اخبار کو خریدتے۔

متعلقہ تاریخ کو غازیا جب عدالت میں پہنچا تو لوگوں کے ہجوم پولیس سے سنبھالے نہیں جاتے تھے۔ ان میں بہت سے ایسے تھے جن کے لئے وہ افسانوی کردار کی حیثیت اختیار کر چکا تھا اور وہ صرف اس کی ایک جھلک دیکھنے آ گئے تھے۔ روشن نگر کے شاید سارے ہی لوگ تھے اور ساتھ ساتھ بستیوں کے لوگ بھی تھے۔

اخباروں نے اگلے دن لکھا تھا کہ:

”ملک کی تاریخ میں کسی مقدمے میں اتنے لوگ عدالت میں کسی کو دیکھنے یا کارروائی سننے نہیں گئے جتنے کہ غازیا والے مقدمے میں گئے“

بہرحال عدالت کی کارروائی شروع ہوئی اور استغاثہ کی جانب سے عدالت میں دائر کی گئی تفصیلاً درخواست کی بناء پر غازیا پر جو الزم لگایا گیا تھا اسے عدالت نے غازیا کے سامنے پڑھا۔ جس کا لبِ لباب یہ تھا کہ:

”غازیا بھارت کا باشندہ نہیں بلکہ پاکستان کا شہری ہے۔ اس وجہ سے اسے ملک بدر کیا جائے اور غیر قانونی قیام پر سخت سزا دی جائے“ غازیا کے لئے یہ سب کچھ حیران کن تھا۔ جن لوگوں کو عدالت کی کارروائی سننے کی اجازت مل چکی تھی وہ بھی دانتوں میں انگلیاں دبائے بیٹھے تھے۔ عدالت کے طریقۂ کار کے مطابق پیشیوں کی تاریخیں شروع ہوئیں۔ ہر پیشی پر لوگوں کا اتنا ہی ہجوم ہوتا۔ عدالت کی اگلی تاریخ پر استغاثہ کے وکیل نے باقاعدہ جرح شروع کی:

اس نے غازیا کو مخاطب ہو کر کہا:

آپ کا کیا نام ہے؟

اس نے کہا:

”محمد غازیا“

وکیل نے کہا:

”پہلے والا ہندو نام کیا تھا“

”غازیا نے وہ بھی بتادیا“

وکیل نے کہا:

”آپ کے ماں باپ کا نام“

”اس نے وہ بھی بتلا دیا“

اس نے پھر پوچھا

”وہ کہاں کے رہنے والے تھے“

غازیا نے کہا:

”بھارت کے“

وکیل نے کہا:

جناب والا!

”یہ غلط ہے۔ ان کے والدین پاکستان کے فلاں علاقے کے رہنے والے تھے اور اس کا ثبوت وہ خط ہے جو فلاں فوجی حوالدار نے اس کے جوان ہونے پر لکھا اور اس خط کے ساتھ دیگر اشیاء بھی آشرم میں اسے بھیجی گئیں مگر جنہیں بعض وجوہات کی بنا پر آشرم والوں نے اُنہیں روک لیا اور

اسے نہ دیا گیا۔"

یہ کہتے ہوئے وکیل نے وہ خط اور اشیاء عدالت میں پیش کر دیں۔

اس خط کو جب پڑھا گیا تو اس میں لکھا تھا کہ:

فلاں سال میں پاکستان کے فلاں ساحلی علاقے میں جو سمندری طوفان آیا تھا اور جس میں جانی و مالی نقصان ہوا تھا اور جس میں ملاحوں کے بیڑے کے بیڑے غرق ہو گئے تھے ان میں کوئی ایک کشتی طوفان کی زد سے محفوظ رہ کر بہتے بہتے بھارت کے فلاں ساحل پر جا لگی تھی۔ جہاں کہ ہماری یونٹ زیادہ بارشوں کے باعث وہاں کے مکینوں کی مدد پر فائز تھی۔ ایک صبح میں نے ساحل پر چلتے چلتے دور سے بچے کے رونے کی آواز سنی جس نے مجھے اپنی جانب کھینچ لیا۔ وہاں پر صرف تم زندہ تھے اور اپنی ماں کی چھاتی سے لگے ہوئے تھے اور تمہاری کمر کے گرد ماں کی باہیں تھیں اگرچہ کہ وہ مر چکی تھی اور اسی طوفان میں ساتھ ہی تمہارا والد بھی مر چکا تھا۔ کشتی میں ایک چھوٹا سا لوہے کا صندق زنجیر سے بندھا ہوا تھا۔ اس میں پلاسٹک کے بیگ میں کچھ چیزیں تھیں جو میں نے امانت کے طور پر محفوظ رکھ لیں جس میں زمین کے کاغذات، کچھ پیسے، تمہاری تصاویر اور تمہارے باپ کے ہاتھ سے لکھی ڈائری تھی جو اس بیگ کی وجہ سے بھیگنے سے محفوظ رہ گئی تھی۔ اس سے علم ہوا کہ تم ایک ہندو کے بیٹے ہو اور تمہارا یہی نام ہے جس سے تم اب آشرم میں پکارے جاتے ہو۔ تمہارا باپ پاکستان کے فلاں علاقے میں ایک سکول ٹیچر تھا

یہی وجہ ہے کہ اس نے بڑے بڑے دلچسپ واقعات ڈائری میں لکھ رکھے تھے۔ ڈائری میں ہی تمہاری تاریخ پیدائش اور جائداد وغیرہ کے بارے میں درج ہے۔ میں نے اس وقت مناسب سمجھا کہ تمہیں پاکستان میں کسی طرح واپس بھیجنے کی بجائے بھارت کے کسی آشرم میں داخل کروادوں کیونکہ پاکستان میں بھیجے جانے پر آپ کو کہاں رکھا جاتا مجھے اس کے بارے میں علم نہیں تھا۔ اگرچہ میں بے اولاد تھا مگر میں تمہاری بے خبری اور معصومیت سے فائدہ اٹھا کر تمہارا دھرم تم سے نہیں چھیننا چاہتا تھا کیونکہ اللہ اس کی اجازت نہیں دیتا سو میں نے تمہیں تمہارے دھرم کے آشرم کے حوالے کردیا اور ان سے یہ راز مخفی رہا۔ اب میں وہ تمام اشیاء آپ کو واپس کررہا ہوں کیونکہ تم ہی ان کے وارث ہو اور اب میں اس امانت سے آزاد ہوتا ہوں۔"

دُعا گو

حوالدار محمد رحیم

غازیا نے کہا:

جناب والا!

"ایسا خط یا ایسی اشیاء کوئی بھی تیار کرسکتا ہے اور عدالت میں پیش کرسکتا ہے مگر میرا سوال یہ ہے کہ کیا آشرم میں ہی میں نے بچپن سے لے کر جوانی تک پرورش نہیں پائی۔ کیا انہوں

نے پاکستان سے اس کا کوئی معاوضہ مانگا اور جب ان کو یہ خبر ہوئی تھی تو انہوں نے اس وقت کیوں نہ مجھے ملک بدر کروا دیا۔ آج جب کہ انتہا پسند ہر محاذ پر مجھ سے اور روشن نگر والوں سے شکست کھا گئے ہیں تو انہوں نے عدالت کو دھوکہ دینے کے لئے اک نئی چال چلی ہے"

عدالت نے کہا:

"مگر اسے غلط ثابت کرنا آپ کا کام ہے"

غازیا نے کہا:

نہیں جناب!

"اسے سچ ثابت کرنا استغاثہ کا کام ہے اور اگر آپ اجازت دیں تو ایسے کئی ثبوت ان کے خلاف بھی تیار کئے جا سکتے ہیں"۔

کارروائی اگلی پیشی تک ملتوی کر دی گئی۔

اگلی پیشی پر نیلا بہت خوش تھی اور انتہا پسندوں کو کوئی اور ثبوت ہاتھ آ گیا تھا۔

وہی پہلے سا سماں تھا اور لوگ قطار اندر قطار عدالت کے اندر داخل ہو کر کارروائی سننا چاہتے تھے۔ غازیا کا کوئی وکیل نہیں تھا مگر وہ بڑے مدلل انداز سے اپنا دفاع کر رہا تھا۔ دعاؤں والوں کی دعائیں اور محبت کرنے والوں کی محبتیں اس کا پیچھا کر رہی تھیں اور وہ بڑے وقار سے عدالت میں ہر الزام اور ہر ثبوت کا سامنا کر رہا تھا۔

اس موضوع پر یہ آخری پیشی تھی اور عدالت نے استغاثہ کو وارننگ دے دی تھی کہ اگر کوئی ٹھوس ثبوت پیش نہ کیا گیا تو مقدمہ خارج کر دیا جائے گا۔ عدالت کی کارروائی شروع ہوئی تو وکیل نے دو ایک سوال کرنے کے بعد عدالت میں ایک تصویر پیش کی جس میں ایک بچہ جسے اس کی ماں نے اٹھایا ہوا تھا وہ اپنے شوہر کے ساتھ جس مندر کی سیڑھوں پر کھڑی تھی وہ پاکستان کا تھا کیونکہ اس مندر کے پس منظر میں جس چھوٹے سے ریلوے اسٹیشن کا خاکہ آیا ہوا تھا اس پر پاکستان کے اس شہر کا نام درج تھا جو صاف پڑھا جا رہا تھا۔

یہ حیران کن ثبوت تھا اور یہ تصویر اس لوہے کے صندوق میں پڑی ڈائری کی جیب سے ملی تھی۔ بہر حال عدالت نے ماہرین سے اس تصویر کا تجزیہ کروانے اور اس کی رپورٹ داخل کرنے کا حکم دیا جسے کہ چند دنوں کے اندر پیش کر دیا گیا اور تب عدالت نے فیصلے کی تاریخ کا اعلان کر دیا۔

رپورٹ کو خفیہ رکھا گیا تھا۔ غازیا کو چاہنے والے اور مقدمے میں دوسرے لوگ جو دلچسپی رکھتے تھے سب کے سب پریشان تھے۔ روشن نگر میں خاموشی تھی۔ لوگ ہر شام کو صبح کا انتظار کرتے۔ غازیا کو اس دوران نامعلوم مقام پر نظر بند کر دیا گیا تھا۔ صرف کارروائی کے دن لایا جاتا تھا اور نظر بندی کو "حفاظت" کا نام دیا گیا تھا اور جواز یہ بتلایا گیا تھا کہ:

مقدمے کی حساس نوعیت کے باعث عدالت محسوس کرتی ہے کہ اسے چاہنے والے غازیا کو اغوا

کر کے کہیں چھپا نہ دیں اس لئے عدالت نے اسے اپنی حفاظت میں لے لیا ہے۔

یہ صبح صبح سے ہی اداس تھی۔ چاہنے والے بوجھل قدموں کے ساتھ عدالت کی جانب جا رہے تھے۔ وہ ایک لمحہ بھی غازیا سے دور نہیں رہنا چاہتے تھے۔ ان کا محبوب لیڈر ان سے دور کر دیا گیا تھا۔ رونے والے رو رہے تھے۔ اس دن عدالت کی کارروائی شروع ہوئی۔

عدالت نے غازیا اور استغاثہ کے سامنے رپورٹ پڑھی۔ ایک طرف کٹہرے میں غازیا کھڑا تھا اور اس کے سامنے دوسری جانب نیلا کھڑی تھی۔ غازیا معمول کی طرح مکمل اطمینان اور سکون میں تھا اور اس کے سراپے سے وہی وقار ٹپک رہا تھا۔ آج سے پہلے تک نیلا کسی نہ کسی بہانے سے عدالت میں نہیں آئی تھی کیونکہ انتہا پسندوں کے راہنماؤں نے اسے بتلا دیا تھا کہ وہ روشن نگر کے لوگوں یا دیگر بستیوں والوں میں سے کسی کا بھی نشانہ بن سکتی ہے۔ چنانچہ عدالت نے تا حال اسے حاضری سے مبرا رکھا تھا۔ سات آٹھ سال چلتی ہوئی کشمکش میں آج یہ بھی ایک موقع تھا کہ:

غازیا اور نیلا قریب ہی آمنے سامنے کٹہروں میں کھڑے فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ نیلا نے پہلی بار غازیا کو دن کی روشنی میں پوری توجہ سے دیکھا مگر غازیا نے کسی مومن کی طرح ایک بار بھی اس کی جانب نہ دیکھا اور بڑے وقار سے نظریں جھکائے رکھیں۔ اس لمحے نیلا کا بس چلتا تو وہ اپنی نفرت کو پورا کرنے کے لئے اس پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دیتی مگر یہاں پر بھی وہ بے بس تھی۔

غازیا جتنا پر سکون تھا نیلا اتنی ہی پریشان تھی۔ اس دن اتنے لوگ نہیں تھے کہ جتنی پولیس کی نفری۔ ان گنت اخباری رپورٹر کیمرے لئے فیصلہ سننے کے انتظار میں تھے۔ بڑے بڑے وکیل امڈ آئے تھے۔ ہر جگہ ایک ہی موضوع تھا کہ:

عدالت نے کیا فیصلہ دیا مگر عدالت نے فیصلے کا ایک وقت مقرر کر رکھا تھا۔

آخر عدالت نے رپورٹ پڑھی۔ اس میں لکھا تھا کہ:

عدالت کی جانب سے دی گئی نشان شدہ تصویر کا تمام زاویوں سے تجزیہ کروایا گیا جس سے یہ ثابت ہوا کہ:

* تصویر ہر لحاظ سے درست ہے اور وہ کیمرہ ٹرک نہیں ہے۔
* تصویر میں موجود تمام چہرے حقیقی اور بیک گراؤنڈ کے مناظر صحیح اور درست ہیں۔
* تصویر میں موجود بچہ اپنے خدوخال کے لحاظ سے وہی ہے جسے آج عدالت میں غازیا کے نام سے پکارا جارہا ہے۔

یہ سنتے ہی نیلا کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا صرف چند انتہا پسند لیڈر وہاں موجود تھے انہوں نے اپنی خوشی پر قابو رکھتے ہوئے عدالت کا فیصلہ سننے کو ترجیح دی۔

عدالت نے جو فیصلہ سنایا وہ یوں تھا کہ:

"عدالت نے فریقین کو مکمل طور پر اپنا اپنا موقف پیش کرنے کی آزادی دی۔ غازیا کے

خلاف جو ثبوت فراہم کئے گئے ان میں صرف ایک ثبوت ایسا ملا جو ہر لحاظ سے استغاثہ کے موقف کی تائید کرتا ہے۔اس لئے عدالت اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ غازیا جو کہ پہلے ہندو تھا اور جس کا پہلے ہندو نام بھی تھا وہ بھارت کا شہری نہیں بلکہ پاکستان کے فلاں ہندو گھرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ان حقائق اور ثبوت کو دیکھ کر عدالت یہ حکم دیتی ہے کہ غازیا ایک ماہ کے اندر اندر بھارت کو چھوڑ دے یا بھارتی شہریت حاصل کرے اور عدالت متعلقہ محکمہ کو ہدایت کرتی ہے کہ اگر غازیا کی جانب سے بھارتی شہریت کی درخواست دی جائے تو اس کا فیصلہ سات دن کے اندر اندر سنائے۔"

"تاہم غازیا کو بھارت میں غیر قانونی قیام کی سزا نہیں دی جا سکتی کیونکہ جس دور میں اسے آشرم میں داخل کروایا گیا وہ اس وقت بہت چھوٹا بچہ تھا جس کی اسے کچھ خبر نہیں"

"البتہ بھارت چھوڑنے تک غازیا عدالت کی تحویل میں رہے گا جسے اس کے عزیز و اقارب کو ملنے کی اجازت ہوگی"۔

عدالت کا فیصلہ کیا آیا کہ روشن نگر میں کہرام مچ گیا۔لوگ ایک دوسرے کے گلے لگ لگ کے رو رہے تھے۔غازیا نے بھارتی شہریت حاصل کرنے کے لئے درخواست دینے سے انکار کر دیا تھا۔کلدیپ اور سنیتا کی جانب سے اس سلسلے میں دائر کی گئی درخواست اور اپیل بھی مسترد ہو چکی تھی۔

چاندرات پھر آ گئی۔اس بار لوگ جشن نہیں منا رہے تھے۔ ان کے آنسو خشک ہوں تو کوئی جشن کی بات کرے۔ اس رات کے بارہ بجے تک غازیا کو ملک چھوڑنا تھا مگر اس صبح لوگوں نے دیکھا کہ کوئی عورت اور مرد ستاروں کی چھاؤں میں ہی روشن نگر کے مندر کے باہر مندر کو الوداع کہہ رہے تھے اور ان کے قدم مرکزی مسجد کی جانب بڑھ رہے تھے۔قریب آنے پر معلوم ہوا کہ وہ کلدیپ اور سنیتا تھے۔جو غازیا کے ہاتھ پر اسلام قبول کرکے آئے تھے کلدیپ نے مسجد میں آ کر جب فجر کی اذان دی تو اس کی آواز کا لہجہ کچھ کچھ غازیا سے ملتا جلتا تھا۔لوگ بھاگتے ہوئے مسجد کی جانب آئے عورتیں اور مرد بھی آ رہے تھے۔وہ کلدیپ اور سنیتا کو مسلمان دیکھ کر اپنے خوشی کے آنسو نہ روک سکے۔اس صبح کلدیب نے جس کا اب اسلامی نام محمد دانیال ہو چکا تھا امامت کروائی نماز کے بعد اس نے سب کو مخاطب ہو کر کہا:

روشن نگر کے معزز انسانو!

یہ سچ ہے کہ ہم اک عظیم انسان سے محروم ہو گئے ہیں مگر اسلام کا یہ سبق اسی نے ہمیں سکھایا تھا کہ کوئی انسان پرستش اور اس حد تک عقیدت کے قابل نہیں کہ شرک کا گمان ہو۔ ہماری محبت یہ ہے کہ ہم اسلام پر پوری قوت سے کاربند رہیں اور ہاتھوں سے ہاتھ ملا کر یونہی متحد رہیں تا کہ دشمن اتنا ہی خوف زدہ رہے اور ہمارے مسلمان ہوتے وقت غازیا نے پیغام دیا تھا کہ:

"چاندرات کو پہلے کی طرح اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہوئے امن، محبت، اور پاکیزگی کے جشن جاری رکھنا"۔

جب رات جواں ہوئی اور چاند نے چاروں طرف اجالا پھیلا دیا تو دیکھنے والوں نے دیکھا کہ غازیا ہاتھوں میں بھارت سے چلے جانے کے کاغذات لئے پولیس کی نفری کے درمیان کسی ائرپورٹ کی جانب رواں تھا۔ جانے سے پہلے روشن نگر والوں کے لئے پیغام کے آخری الفاظ یہ تھے کہ:

"جب تک تمہاری بستی میں اسلام پر قائم کوئی ایک بھی مسلمان باقی ہے تو اس بستی کو عبرت گاہ نہیں بنایا جاسکتا۔ وہ اسلام کو نافذ کرتا رہے گا اور یہی عظیم انقلاب ثابت ہوتا رہے گا۔"

حکومت نے رازداری سے غازیا کو ملک سے روانہ کرنے کا پروگرام دیا اور اسے پاکستان کے علاوہ چند اور مسلم ممالک کے ویزے بھی حاصل کر کے دے دیئے اور یہ اس پر چھوڑ دیا کہ وہ کس ملک میں جانا چاہے گا۔ غازیا کی روانگی کی اس لئے رازداری رکھی جارہی تھی کہ متحارب گروپ آپس میں موقع پر الجھ کر کوئی نیا ہنگامہ نہ کھڑا کر دیں لیکن انتہاپسندوں کو اس کی روانگی کی تاریخ اور وقت کا علم ہو گیا۔ چنانچہ عین اس وقت رات کو نیلا انتہاپسندوں کے ساتھ ائیر پورٹ پر پہنچ گئی تا کہ اسے ممکن حد تک زچ کیا جاسکے۔

کچھ دیر کے بعد انہوں نے دیکھا کہ غازیا فرشتوں جیسے وقار کے ساتھ پاکیزہ قدم لئے بھارت کی سرزمین چھوڑنے کے لئے کسی جہاز کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی انتہا پسندوں نے نیلا کے ساتھ مل کر ''غازیا مردہ باد'' کا نعرہ لگانے کی کوشش کی جسے پولیس نے سختی سے منع کردیا۔ البتہ نیلا کا بیٹا اکیلا ہی غازیا زندہ باد، غازیا زندہ باد کا نعرہ لگاتا رہا۔ پولیس نے اسے منع کیا مگر وہ پھر بھی بولتا رہا۔ نیلا نے اسے بہت مارا مگر وہ روتے روتے پھر بھی بولتا رہا ''غازیا زندہ باد، غازیا زندہ باد!

اس رات کے چاند نے غروب ہونے سے پہلے دیکھا کہ غازیا کے قدم کسی نئی منزل کی جانب رواں دواں تھے۔

البتہ اگلے روز انتہا پسندوں کے بڑے راہنما نے نیلا سے ملاقات کرکے اپنے وسوسوں کا اظہار کیا کہ:

''اگر غازیا پاکستان میں اسلام کے انقلاب کے لئے لوگوں کو متحرک کرنے میں کامیاب ہوگیا تو کیا ہوگا''؟

نیلا نے بڑے اطمینان سے جواب دیا:

''پاکستان میں جب تک مسلمان اپنی پہچان بجائے اسلام کے سنّی، شیعہ، وہابی، پرویزی، دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث، حنفی، جعفری، مالکی، شافی، نقشبندی، سہروردی، چشتی وغیرہ جیسے

فرقوں اور مسلکوں سے کرواتے رہیں گے اس وقت تک غازیا کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا کیونکہ وہاں پر ہمارے آدمی کامیابی سے ان سب کو مضبوط سے مضبوط تر کر رہے ہیں اور انہیں ہماری مدد جاری رہنی چاہیئے"۔

بڑے لیڈر نے پھر کہا:

"لیکن اگر غازیا اس سب کے باوجود انہیں محمد ﷺ کے دور کے دین کی طرف واپس لا کر متحد کرنے میں کامیاب ہو گیا تو پھر کیا ہوگا"؟

نیلا نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا!

اس کے بعد ملک کی اخباروں میں بحث چھڑ گئی کہ کون جیتا کون ہارا۔ کئی لوگوں کی رائے تھی کہ آخرِ کار نیلا جیت گئی مگر کئی لوگوں کا فیصلہ تھا کہ غازیا جیت گیا لیکن یہ بحث آج تک جاری ہے۔